باغ و بہار

تالیف کیا ہوا میر امن دلّی والے کا

تالیف و ترتیب ، مقدمہ و فرہنگ

از

ممتاز حسین

(صدر شعبۂ اردو اسلامیہ کالج ۔ کراچی)

ناشر "اردو ٹرسٹ" کراچی

۱۹۵۸ء

سلسلۂ مطبوعات آردو ٹرسٹ، کراچی

نمبر (۱)

بار اوّل . . . . نومبر ۱۹۵۸ء

تعداد . . . . دو ہزار

قیمت . . . . چھ روپے آٹھ آنے

جملہ حقوقِ مقدمہ و فرہنگ بحقِ مؤلّف و ناشر محفوظ

ناشر، آردو ٹرسٹ کراچی

مطبع : انٹر سرویسز پریس ، کراچی

تعارف

اُردو ٹرسٹ کراچی ۱۳ جون سنہ ۱۹۵۷ع کو وجود میں آیا۔ اسکی بنیاد یوں پڑی کہ حکومت پاکستان نے بیس ہزار روپیہ کی ایک امدادی رقم ''حلقہ ارباب ذوق،، کو اردو کی کلاسیکی کتابوں کے عمدہ اور سستے ایڈیشن کی طباعت اور اشاعت کیلئے دی تھی۔ حلقہ مذکور کے ارباب حل و عقد نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عطیہ کی ابتدائی رقم سے ''حلقے،، سے آزاد ایک ایسا ٹرسٹ قایم کیا جائے جو اردو ادب کی توسیع و اشاعت کا کام باقاعدہ ایک ادارے کی حیثیت سے سنبھال لے۔ چنانچہ 'اردو ٹرسٹ کراچی، حلقے کے اسی فیصلے کی رو سے وجود میں آیا۔ اسکے اغراض و مقاصد خالصتاً ادبی ھیں۔ اردو زبان کی کلاسیکی اور نایاب کتابوں کو دور حاضر کے مذاق اور ریسرچ کے اعلیٰ معیار کے مطابق، تالیف کرکے چھاپنا۔

اس ٹرسٹ کی پہلی پیشکش جو ناظرین کی خدمت میں پیش کی جارھی ھے، میرامن کی شہرۂ آفاق کتاب ''باغ و بہار،، ھے۔

یوں تو یہ کتاب نایاب نہیں، بلکہ اسکے متعدد ایڈیشن چھپتے رھے ھیں، لیکن اسکا کوئی ایسا نسخہ جسکے ھر لفظ کی صحت پر غور کیا گیا ھو، اور کسی مستند نسخے کے تقابلی مطالعے کے بعد، میر امن کی زبان کو بدلے بغیر، یہاں چھاپا گیا ھو، میری نظر میں نہیں ھے چنانچہ اس کتاب کو جو اردو نثر کی اعلیٰ ترین اور قدیم ترین کتابوں میں سے ھے، اسی ضرورت کے تحت منتخب کیا گیا۔ اور اسکی تالیف و ترتیب کا کام ممتاز حسین صاحب کے سپرد

کیا گیا جنہوں نے نہ صرف اسے تالیف کیا ہے بلکہ اسپر ایک جامع اور مبسوط مقدمہ بھی سپرد قلم کیا ہے اور اسکی ایک ایسی جامع فرہنگ تیار کی ہے جو اس کتاب کے مطالعے میں بڑی مددگار ہے۔ ممتاز حسین صاحب نے جس کاوش اور محنت سے یہ کام انجام دیا ہے اس کا اندازہ کتاب کے مطالعے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں اپنی ایک دشواری کا اظہار کرنا بھی کچھ ضروری سا معلوم ہوتا ہے جو برسبیل شکایت نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے تحت ہے۔ ہمارے یہاں ابھی تک اردو ٹائپ کا چھاپا صحیح معیار پر نہیں پہنچا۔ لاکھ جتن کئے جاتے ہیں پھر بھی طباعت میں غلطیاں رہ جاتی ہیں، ممتاز حسین صاحب نے اس کمزوری کو ایک غلط نامے کے اضافے سے دور کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ صحت کا کوئی معقول بدل نہیں ہے۔

ہمارے اشاعتی پروگرام میں جو کتابیں زیر تالیف ہیں انکے نام یہ ہیں:—

کبیر کے دوہے۔ (مستند گرنتھ صاحب کے نسخے سے اخذ کئے ہوئے) — مرتبہ سلیم جعفر صاحب

کلیات امانت۔ — مرتبہ قیوم نظر صاحب

قصص ہند (مولانا محمد حسین آزاد) — مرتبہ حمید احمد صاحب

ولی سے پہلے دکھنی شعرا کے کلام کا ایک انتخاب — مرتبہ چاند حسین صاحب

ممتاز حسن

صدر، اردو ٹرسٹ کراچی

۲۶ نومبر ۱۹۵۸ع

فہرست کتاب

صفحہ

مقدمہ (ممتاز حسین)

تالیف نسخہ سے متعلق	۱-۲
داستانوں کی ماہیت	۳-۱۲
باغ و بہار کا مأخذ	۱۳-۲۱
میر امن کے حالات زندگی	۲۲-۲۹
میر امن کے ترجمے کی نوعیت اور اہمیت	۳۰-۳۶
قصۂ چہار درویش کا تنقیدی مطالعہ	۳۷-۵۴
زبان و بیان	۵۵-۶۵
باغ و بہار میں دلی کی معاشرت کی جھلکیاں	۶۶-۶۸

اصل کتاب

مقدمہ ڈاکٹر جان گلکرایسٹ کا	(الف)
عرضی میر امن دلی والے کی	(ب)
مقدمہ میر امن کا	۱-۷
شروع قصے میں	۸-۱۸
سیر پہلے درویش کی	۱۹-۶۶
سیر دوسرے درویش کی	۶۷-۱۱۳
سر گزشت آزاد بخت بادشاہ کی	۱۱۴-۱۹۳
سیر تیسرے درویش کی	۱۹۴-۲۱۷
سیر چوتھے درویش کی	۲۱۸-۲۴۸
خاتمۂ کتاب میں	۲۴۹-۲۵۰
فرہنگ	۱-۳۹
اختتامیہ	ا، ب، ج، د
غلطنامہ	۱-۶

مقدمہ

ممتاز حسین

فہرست مقدمہ

صفحہ

مقدمہ . . . . . ۱—۲

تالیف نسخہ سے متعلق . . . . . ۳—۱۲

داستانوں کی ماہیت . . . . . ۱۳—۲۱

باغ و بہار کا مأخذ . . . . . ۲۲—۲۹

میر امن کے ترجمے کی نوعیت اور اہمیت . . . ۳۰—۳۶

قصۂ چہار درویش کا تنقیدی مطالعہ . . . ۳۷—۵۴

زبان و بیان . . . . . ۵۵—۶۵

باغ و بہار میں دلی کی معاشرت کی جھلکیاں . . ۶۶—۶۸

تالیف نسخہ سے متعلق

اس کتاب کا متن باغ و بہار کے اس ایڈیشن پر مبنی ہے جسے ڈاکٹر ڈنکن فاربس نے تالیف کرکے سنہ ۱۸۴۹ع میں لندن سے شائع کروایا تھا۔ چونکہ صحت کا مسئلہ بہت اہم ہے اسلئے انھوں نے اپنے پہلے ایڈیشن کے متن کی صحت سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے نقل کیا جا رہا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس ناچیز نے اسی نسخے کو کیوں منتخب کیا ہے—

" اس کا متن کلکتے کے اس پہلے ایڈیشن سے لیا گیا ہے جو کہ سنہ ۱۸۰۳ع میں شائع ہوا تھا پھر بھی اس کا مقابلہ دو مسودوں سے کیا گیا ہے۔ ایک تو اس سے جو کہ ڈاکٹر جان گلکرایسٹ مرحوم کی تحویل میں تھا۔ اور اب میرے پاس ہے اغلب یہی ہے کہ یہ مسودہ وہی ہے جسے میر امن نے ڈاکٹر جان گلکرایسٹ کی خدمت میں بشرف قبول پیش کیا تھا۔ دوسرا مسودہ وہ ہے جو کہ مسٹر روبر کے پاس ہے۔ مسٹر روبر آنرایبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے سول ملازم اور میر امن کے شاگرد تھے۔ وہ مسودہ کچھ تو مصنف کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے اور کچھ ان کی نگرانی میں لکھا گیا۔ میں نے اکثر جگہوں میں مطبوعہ نسخے (۱۸۰۳) کے بالمقابل ان دونوں مسودوں کے مطالعے کو ترجیح دی ہے"—

اس پر انھوں نے جو اپنے دوسرے ایڈیشن میں اضافہ کیا ہے وہ یہ ہے "اس دوسرے ایڈیشن میں میں نے کتاب کا مقابلہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک بہت ہی صاف ستھرے مسودے سے کیا ہے۔ اس میں پہلے ایڈیشن کی ان غلطیوں کی تصحیح کردی گئی ہے جو کہ چھاپے خانے کی کوتاہیوں سے پیدا ہوئی تھیں—"

ڈاکٹر ڈنکن فاربس کی اس یقین دہانی کے باوجود ان کے دوسرے ایڈیشن میں بھی چھاپے خانے کی بہت سی غلطیاں ہیں۔ وہ غلطیاں نہ صرف املے کی ہیں

بلکہ کا، کی، ہے، ہیں وغیرہ کی بھی ہیں - اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے الفاظ کے تلفظ کی نشان دھی یا اعراب میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے پھر بھی بعض الفاظ کے تلفظ کے بارے میں قدامت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے - مثلاً گدڑی کی جگہ گڈری، ڈھارس کی جگہ ڈھاڑس وغیرہ - ایسے مواقع پر میں نے مروجہ تلفظ کو راہ دی ہے کہ گڈری، ڈھاڑس وغیرہ سننے میں نہیں آیا ہے - بجز ان معمولی ترمیمات کے جو کہ اس قسم کے چند الفاظ کے تلفظ میں کی گئی ہیں میں نے ان کی کتاب کے متن کو بے داغ رہنے دیا ہے۔

مجھے اس کتاب کی فرہنگ تیار کرنے میں ڈنکن فاربس کی ملحقہ فرہنگ سے مدد کے بجائے گمراہی زیادہ ہوئی ہے اس لئے میں نے ان کی فرہنگ کے بالمقابل اردو لغات کے مطالعے اور حوالے کو ترجیح دی ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کر سکتا ہوں کہ ایک آدھ لفظ کی صحت کے بارے میں انکی فرہنگ سے بھی مستفید ہوا ہوں - میں نے فرہنگ میں صرف اتنے ہی الفاظ رکھے ہیں جتنے کہ ایک عام قاری کو جاننے کی ضرورت پڑ سکتی ہے - ان میں بعض ایسے الفاظ بھی شامل ہیں جنکے معنی سے ہم مبہم طور سے تو آشنا ہوتے ہیں لیکن صحت اور ماخذ کے ساتھ انہیں نہیں جانتے ہیں —

میں آخر میں مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے مجھے میر امن کے سن وفات سے متعلق ایسی نادر اطلاعات بہم پہنچائیں جن کا ذکر اردو ادب کی کسی بھی تاریخ میں اب تک نہیں کیا گیا ہے - وہ اطلاعات کس حد تک مستند ہیں اس کا فیصلہ آپ کرینگے—

داستانوں کی ماہیت

جامع مسجد دھلی کے ,, دروازۂ شمالی کی طرف ۳۹ سیڑھیاں ھیں ۔ اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیٹھے ھیں اور سودے والے اپنی دوکانیں لگائے ہوئے ھیں لیکن بڑا تماشا اس طرف مداریوں اور قصہ خوانوں کا ھوتا ھے ۔ تیسرے پہر ایک قصہ خواں مونڈھا بچھائے ہوئے بیٹھتا ھے ۔ اور داستان امیر حمزہ کہتا ھے ۔ کسی طرف قصہ حاتم طائی اور کہیں بوستان خیال ھوتی ھے ۔ اور صدھا آدمی اسکے سننے کو جمع ھوتے ھیں ۔۔ ،،

(اثار الصنادید ۔ سر سید احمد خاں)

دلی والوں کو قصہ کہنے اور سننے کا یہ چسکا کچھ سر سیدھی کے زمانے میں نہ تھا بلکہ محمد شاھی عہد میں بھی ان کا یہی عالم تھا۔ خواجہ بدرالدین امان دھلوی بوستان خیال کے مترجم حدایق الا نظار کے دیباچے میں تحریر کرتے ھیں کہ ,, اتفاقاً جہاں میر محمد تقی خیال (مصنف بوستان خیال) فرو کش تھا ۔ قریب مکان کے ایک نشست گاہ میں چند اشخاص جمع ھوتے تھے اور ایک قصہ گو ان کے رو برو امیر حمزہ کا جو تمام جہان میں مشہور ھے بیان کیا کرتا تھا،،۔

قصہ گوئی کی یہ عادت دنیا کی ہر تہذیب اور ہر ملک میں پائی جاتی ھے جہاں ارسطو نے آدمی کو سیاسی حیوان اور حیوان ناطق ایسے نام دئے وھاں اسے ایک نام قصہ گو کا بھی دینا چاھئے۔ گویا قصہ کہنے پر وہ مختار ھی نہیں بلکہ مجبور بھی ھے۔ وہ اپنی نفسیات کے دفینے اور اپنے مستقبل کے خواب کو انھیں قصوں کے آئینے میں دیکھتا ھے ۔ خواہ وہ قصے دیوی دیوتا، جن و پری وحوش و طیور کے ھوں یا اشجاع پاستاں اور ھمارے آپ کے ایسے چلتے پھرتے انسانوں کے یہ سارے اقسام قصص کے اس ایک مظہر کی مختلف صورتیں ھیں کہ

جن نعمتوں سے ہمیں زندگی میں محروم کیا جاتا ہے ہم ان کے حصول کی آرزو اپنے خوابوں کی دنیا میں کرتے ہیں۔ باتیں ساری عالم ہوش ہی کی ہوتی ہیں، صرف ان کا اعادہ عالم خواب میں کیا جاتا ہے شاید اسلئے کہ قصہ گو جسقدر بے خود و بے ہوش اور خواب میں ڈوبا ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ وحدت زماں یا قومی تاریخ کی وحدت کا احساس رکھتا ہے، لیکن چونکہ قصہ صرف قومی یا انفرادی نفسیات ہی کی ایک تاریخ نہیں ہے بلکہ انسانی تجربات کے نچوڑ، تصور حیات و کاینات کی ترسیل کا بھی ایک ذریعہ ہے اس لئے یہ عالم بیداری کی بھی ایک شے ہے۔ وہ ایک مخصوص عہد کے ایک مخصوص معاشرے کے شعور کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ اس شعور کی نوعیت اور اس کی سطح کیا ہے؟ مظاہر فطرت کو دیوی دیوتاؤں کے روپ میں پیش کیا گیا ہے یا ان سے جدا کرکے ان کے اسباب و علل پر غور کیا گیا ہے یہ باتیں تاریخی اور اضافی ہیں۔ اس سے اس بات پر حرف نہیں آتا کہ آدمی فطرتاً قصہ گو واقع ہوا ہے۔ وہ حقیقت کو خواہ وہ عالم خواب کی ہو یا عالم بیداری کی، زندگی کی ہو یا بعد زندگی کی، ٹھوس اور محسوس صورتوں میں متصور کرنے کا عادی رہا ہے اور غالباً رہے گا۔ قصہ گوئی زندگی سے فرار اختیار کرنے کا نہیں بلکہ زندگی سے دست و گریباں رہنے کا ایک مقصدی مشغلہ ہے۔ ہم زندگی میں جن طاقتوں سے ہار جاتے ہیں انھیں خواب میں یا ان قصوں میں مفتوح کرنے کی آرزو کرتے ہیں۔ ہم جن چیزوں کی آرزو میں مرتے ہیں، ان کی تحصیل کا خواب انھیں کہانیوں میں دیکھتے ہیں، لیکن ان کہانیوں کا یہ صرف ایک پہلو ہے، اسکا دوسرا پہلو یہ ہے کہ زندگی کے سفر میں جو نشیب و فراز، امتداد سن و سال کے آتے ہیں، ان سے مساعدت اور مطابقت پیدا کرنے کی تعلیم اور بقدر حوصلہ مبدا اور معاد کو سمجھنے اور سمجھانے کا کام بھی ہم ان کہانیوں کے ذریعے لیتے آئے ہیں۔ زندگی کی اس عظیم خدمت کو جو کہ ہم ان کہانیوں سے لیتے آئے ہیں، کیونکر فرار اور عیش کوشی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قصہ کہنے کے لئے فراغت درکار ہے اور اسکے سننے کے لئے شاید اس سے زیادہ فراغت چاہئے اور یہ فراغت اسی وقت ملتی ہے جبکہ معاشی خوشحالی ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ

نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا ہے کہ اسکا مقصد ھی تفریح ہے جیسا کہ مرزاغالب نے ازرہ تفنن طبع کہا ہے ،، داستان گوئی منجملہ فنون سخن ہے سچ ہے دل بہلانے کا اچھا فن ہے،، تفریح تو اسکا صرف ایک پہلو ہے جیسا کہ کسی بھی مقصد کی تعمیل میں پایا جاتا ہے بشرطیکہ وہ مقصد بہ حسن تمام پورا ہو۔ مقصد اور ادائے مقصد کا اتحادھی کسی عمل کو فنکارانہ عمل میں تبدیل کرتا ہے۔ حسن ان دونوں کے اتحاد کامل سے نمو کرتا ہے۔ نہ کہ وہ پہلے سے کہیں موجود رہتا ہے ۔ تبھی تو ھمارے شعراۓ دست قاتل کی اداکاری کی بھی داد دیتے رہے ھیں۔ ع ،نظر لگے نہ کہیں انکے دست و بازو کو ، پھر بھی وھی فرماتے ھیں کہ یہ دل بہلانے کا اچھا فن ہے۔ شاید اس لئے کہ ھمارا یہ فن انکے زمانے میں زندگی کے مقاصد سے اپنا رشتہ توڑ رھا تھا۔ لیکن ھم انکی یہ بات اس دور کی داستان کے بارے میں کیونکر سچ مانیں جبکہ ھمارے فن اور ھماری زندگی کے مقاصد کے درمیان ایک گہرا رشتہ تھا ۔ میں نے قصہٗ چہار درویش کو اسی نقطہ نظر اور اسی زمانے کے پس منظر میں دیکھا ہے ، لیکن اس سے اس حقیقت پر پردہ نہیں پڑتا ہے کہ غالب کے زمانے سے بلکہ یوں کہنا چاھئے کہ جب سے کہ سرسید احمد خاں نے سوپر نیچرل کو نیچرل کے میدان سے خارج کر دیا ، داستان گوئی جس میں سوپر نچرل کا ذکر لازمی طورسے ھوتا ھمارے لئے صرف دل بہلانے کا ایک فن رہ گیا تھا۔ اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکے لئے ھم معذرت خواہ ھوں۔ زندگی کے ارتقائی تغیرات میں نہ صرف زندگی کے مقاصد بدلتے رھتے ھیں بلکہ حصول مقاصد کے ذرایع بھی بدلتے رھتے ھیں ۔ سر سید کے نیچری عہد میں داستانوں نے ناول اور مختصر کہانیوں کے لئے جگہ خالی کی جن میں اب ھم نیچرل دنیا کی باتیں کرتے ھیں، لیکن اس سے داستانوں سے لطف اندوز ھونے کی ھماری صلاحیت کم نہیں ھوئی ہے، بلکہ اسکے برعکس کچھ زیادہ بڑھی ھی ہے کیونکہ اب ھم ان داستانوں کی جذباتی اور داخلی گرفت سے آزاد ھوگئے ھیں۔ آج ان کا تجزیہ ھم خارجی انداز سے کرنے پر زیادہ قادر ھیں اور جسطرح کہ ایک بالغ آدمی اپنے بچپن کے تجربوں کے اعادے سے محظوظ اور مستفید دونوں ھی ھوتا ہے اسی طرح اس عہد کا بالغ آدمی بھی، ان داستانوں کے مطالعے سے محظوظ اور مستفید دونوں ھی ھو سکتا ہے۔ وہ اپنے طریق فکر کی بدلتی ھوئی

صورت کو دیکھکر از منہ' قدیم کے طریق فکر کو سمجھنے پر زیادہ سے زیادہ قادر ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح انسانی نفسیات کے مطالعے میں زیادہ گہرائی اور بصیرت حاصل کر سکتا ہے۔

ہماری داستانوں کا خاندان اپنی ابتدائی منزلوں میں اساطیری ادب یا دیومالاؤں ھی سے ملتا ہے۔ لیکن اسلامی داستانیں دیو مالائی ادب سے مختلف بھی ہیں۔ دیو مالائی ادب میں دیوی دیوتاؤں کی کہانی ہے اور اسلامی داستانوں میں مشیت ایزدی کی کہانی ہے۔ یہ فرق دونوں کے درمیان بہت بڑا ہے لیکن اسکی اہمیت کو آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جبکہ آپ ان کی مماثلت اور مغایرت دونوں ھی کو جانیں۔ چونکہ ان دونوں میں تقدم دیومالاؤں ھی کو حاصل ہے اسلئے میں انکی تاریخی جدائی کو ظاہر کرنے کے لئے، پہلے دیو مالائی ادب ھی کی ماہیت کو لے رہا ہوں۔

انسان اپنے شعور کی ابتدائی منزلوں میں فطرت کو یا دھر کو اپنے ھی پر قیاس کیا کرتا تھا۔ وہ فطرت کو غیر ذات تصور نہیں کرتا تھا۔ اسلئے اس زمانے میں انسان کا ادراک فطرت بھی من و تو کے رشتے کا یا داخلی تھا نہ کہ خارجی جس میں فطرت کو اپنی ذات کے بالمقابل غیر ذات تصور کیا جاتا ہے۔ وہ فطرت کو اپنی خصوصیات اور اپنی ذات کو فطرت کی خصوصیات کے آئینے میں دیکھتا۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ وہ فطرت کے ہر مظہر کو شخصیت یا انسانی صفات سے متصف کرتا۔ چاند سورج خاک و باد آگ پانی ان میں سے ہر ایک کو دیوی دیوتا قرار دیتا جو کہ انسانوں کی طرح زندگی گذارتے اور جو حادثات کہ ان کی حرکت سے وجود میں آتے وہ انہیں کسی غیر شخصی اور مجرد اصول کا پابند یا نتیجہ نہ ٹھراتا بلکہ ان کی شخصیت یا قوت ارادی کا نتیجہ سمجھتا۔ اسطرح اسکی نظر میں ہر حادثہ اپنی جگہ پر منفرد ہوتا۔ نہ صرف منفرد شخصیت سے سرزد ہوتا بلکہ اپنی جگہ پر بھی منفرد ہوتا، کیونکہ اسکا تعلق کسی سلسلہ اسباب سے نہ ہوتا۔ وہ حادثہ کیفیاتی خصوصیات کا حامل ہوتا نہ کہ کمیاتی خصوصیات کا۔ اسکے اسی طریق فکر کو دیو مالائی شاعرانہ

(Mythopoetic) طریق فکر کہا جاتا ہے ۔ وہ ہر واقعہ کو کسی دو شخصیتوں کی کشمکش یا ٹکراؤ کا نتیجہ سمجھتا نہ کہ کسی غیر شخصی اور مجرد اصول کے سلسلہ' عمل کا نتیجہ ۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ دیومالائی ادب میں مظاہر فطرت کا کوئی خارجی تجزیہ پیش نہ کیا جاتا کہ اسے دور حاضر کی سائنسی تحقیقات کی روشنی میں پرکھا جا سکے ۔ وہاں تو صرف شاعری اور ڈرامہ ہے جس میں نفسیاتی حقائق ہیں نہ کہ طبیعاتی سائنس ۔ لیکن ایسا وہ خود نہیں سوچتا، وہ اپنے اسی گیان پر جسمیں تخیل کی بے پناہ قوت شامل ہوتی حقیقت کا اعتبار کرتا ۔ اور اس کا ادراک کبھی عالم خواب میں کرتا تو کبھی غش یا بے خودی کے عالم میں دیوتاؤں سے محو گفتگو ہو کر۔ آج شاید آپ اسکے اس دھیان گیان اور عالم خواب کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہ دیں اور یہ کہکر ٹال دیں کہ یہ سب خواب و خیال کی باتیں ہیں ۔ لیکن اسوقت کے انسانوں کے لئیے عالم خواب بھی اتنا ہی حقیقی تھا جتنا کہ عالم بیداری ۔ زندگی اتنی ہی حقیقی تھی جتنی کہ موت کے بعد کی زندگی، اور فوق الفطرت دنیا اتنی ہی جاندار اور حقیقی تھی جتنی کہ فطری دنیا ۔ اور بعض اقوام کے دیو مالاؤں میں تو دیوتاؤں کی زندگی انسانوں کی زندگی سے زیادہ اہم دکھلائی گئی ہے کیونکہ دیوتا لافانی تھے اور انسان فانی ۔ پھر بھی چونکہ ان دیوتاؤں کا تصور مادی ہے اسلئے ان کے اعمال و افعال میں حیات انسانی ہی کا رس اور نچوڑ ہے ۔ اور وہ کہانی ہماری آپ کی کہانی معلوم ہوتی ہے ۔ انہیں کہانیوں میں ایسے انسان بھی ابھرتے ہیں جو کہ لافانی دیوتاؤں کی کلائیاں موڑ کر خود امر بن جاتے ہیں ۔ سزدک اور پرامیتھئیس انھیں انسانوں میں سے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں انسانوں میں خیر و شر دونوں کی طاقتیں چھپی ہوئی ہیں وہاں ان دیوتاؤں میں بھی خیر و شر دونوں کی طاقتیں ملتی ہیں ۔ چنانچہ جب انکا معارکہ ہوتا ہے تو خیر و شر کی طاقتوں کا بٹوارا ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے نہ کہ دیوتا ایکطرف اور انسان ایکطرف ہوتے ہیں ۔ اور خیر و شر کی اس کشمکش میں وہ اپنی نفسیات کی ایسی ایسی پیچیدگیوں کو بے نقاب کرتے ہیں کہ فرائیڈ کے کلینک کی رپورٹ اسکے سامنے بازیچہ' اطفال نظر آتی ہے ۔ اسطرح یہ دیو مالائی ادب اس وقت کے

انسانوں کے بہت سے نفسیاتی اور روحانی تقاضوں کا مداوا پیش کرتا ۔ وہ اگر ایک طرف مقاومت زمانہ یا امتداد سن وسال کی نیرنگیوں کے مقابلے میں انھیں نفسیاتی اعتبار سے مسلح کرتا یا فطرت کی مخالف قوتوں کو انکے لئے خواب و خیال کی دنیا میں سر نگوں کرتا ۔ تو دوسری طرف رسم و رواج کی بندشوں اور فطری میلانات کے درمیان جو کشمکش پیدا ہوتی، اسکا استخراج اظہار جذبہ سے کرتا۔ لیکن انسان تابہ کے ادراک حقیقت کے باب میں من وتو کے اس داخلی رشتے میں اسیر رہتا، اسے خارجی ادراک حقیقت کی طرف تو بڑھنا ہی تھا ۔ اس سمت میں جہاں تک ادب کا تعلق ہے بنیٔ اسرائیل نے سب سے پہلے پہلا قدم اٹھایا ۔ اور اس بت کو ڈھایا جو کہ دیوی اور دیوتا کا تھا ، ہر چند کہ اس سے دست آزر کو صدمہ پہنچا ۔ انھوں نے مظاہر فطرت کو شخصیت کے صفات سے آزاد کیا اور ایک مجرد قوت اور طاقت کے احکام و فرمان کا نفاذ کیا ۔ عالم تشبیہ سے عالم تنزیہ کے طرف آنے کا یہ عمل خارجی ادراک حقیقت کیلئے ضروری تھا ۔ لیکن جہاں یہ عمل ادراک حقیقت کی ترقی کے لئے ایک انقلابی عمل تھا وہاں شعر و شاعری اور فنون لطیفہ کے حق میں مہلک بھی تھا ۔ کیونکہ شعر و شاعری، داستان گوئی اور فنون لطیفہ، ان میں سے ہر ایک کی بنیاد حسی تصویر یا معنی کو پابند حواس کرنے پر ہے ، جہاں ہوش و خرد کو دعوت چشم و گوش ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم بنیٔ اسرائیل سمبالک آرٹ سے ہٹکر الیگاریکل ارٹ یا تمثیل ذوالمعنین کی طرف آگئی ۔ توریت کے امثال (Parables) کی بنیاد یہی ہے جو کہ خرافہ سے مختلف ہے ۔ لیکن یہ فرق جزوی ہے نہ کہ کلی۔ عجائبات یعنی عالم ارواح اور خواب کا جتنا ذکر کہ بنیٔ اسرائیل کے قصوں میں ہے، وہ کچھ بابل و مصر کے دیو مالاؤں سے کم نہیں ۔ بس فرق یہ ہے کہ بنیٔ اسرائیل نے دیوی اور دیوتاؤں کی کہانیوں کو مشیت ایزدی کی کہانیوں میں تبدیل کر دیا ہے ۔ اور چونکہ مشیت ایزدی کی تعمیل کے لئے ان کی قوم برگزیدہ اور منتخب تھی اسلئے انکے قصوں میں مظاہر کائنات کی تاریخ نے انسانی تاریخ کی جگہ لے لی ہے ۔ اس بار امانت کے اٹھانے سے اگر ایک طرف انکے قصوں میں افراد و اشخاص کی انفرادیت چمکی، انکا سماجی عمل ظاہر ہوا تو دوسری طرف دیو مالاؤں کا ما بعدالطبیعاتی

عنصر گھٹ بھی گیا - کیونکہ مشیت ایزدی کی کہانی میں احکام کی تعمیل اہم ہے نہ کہ مظاہر فطرت کی تاویل - اس مغایرت کے باوجود دونوں میں ایک قدر مشترک بھی ہے۔ قانون سببیت (Law of Causality) کی تلاش نہ تو دیو مالاؤں میں ہے اور نہ اسرائیلی قصوں میں، جو کچھ کہ پہلے دیو مالاؤں میں مصدر شخصیت سے سرزد ہوتا اب وہ معجزات فرمان الٰہی سے سرزد ہونے لگا - اسلامی داستانیں انہیں اسرائیلی قصوں اور امثال کی روایات پر مبنی ہیں، وہی نقش سلیمانی، وہی طلسم سامری، وہی عالم خواب، عالم ارواح اور وہی مابعدالطبیعات ہے - لیکن دور حاضر کے ذہن سے ان داستانوں کی ذہنی فضا کا جو آج ٹکراؤ ہے وہ کچھ اس سبب سے نہیں ہے کہ اس میں عالم خواب کی یا فوق الفطرت باتیں ہیں، کیونکہ ہماری داستانوں کے جن و پری بالکل انسانوں جیسے ہیں، ان کی کہانی اور سرگزشت ہماری اپنی کہانی اور سرگزشت ہے اور اگر ہم کولیرج کے الفاظ میں عدم یقین کو تھوڑی دیر کے لئے معطل کردیں جیسا کہ آرٹ کی دنیا میں ضروری ہے تو ان سے محظوظ ہونا مشکل نہیں ہے۔ بلکہ اس سبب سے ہے کہ اب معجزات کی جگہ عالم اسباب نے لے لی ہے۔ زمان و مکان کے تصورات بدل گئے ہیں۔ اور اعتقادات کی جگہ معقولات کو فروغ ہوا ہے - میں اس ذہنی تصادم کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں اور اسے کسی صورت سے بھی نظر انداز کرنے کے لئے تیار نہیں، لیکن یہ ہماری بھول ہوگی اگر ہم ادب سے سائنس یا معقولات کا کام لیں - ادب سائنس سے آزاد نہیں ہے لیکن وہ سائنس کا بدل بھی نہیں ہے ادب کچھ تو انسان کی بدلتی ہوئی نفسیات کی ایک کہانی ہے اور کچھ ان انسانی اقدار کی تبلیغ کا ایک آلہ کار ہے جس سے کہ انسان اپنی انسانیت کو پانے یا تکمیل خودی کی کوشش کرتا رہا ہے - اس میں شبہہ نہیں کہ زندگی کے بدلتے ہوئے رشتے ہماری جذباتی زندگی کے پیٹرن کو بھی متاثر کرتے ہیں، اور اس تغیر میں کسی اٹل حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مشکل ہے پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسطرح ایک سمندر پیہم طوفانوں کی زد میں رہنے کے باوجود اپنے ہی ظرف میں رہ جاتا ہے اسی طرح انسانی زندگی بھی ہر قسم کے تغیرات اور ارتقا سے دو چار ہونے کے باوصف زندگی ہی رہ جاتی ہے -

جہاں ہماری ایک سماجی اور تاریخی عمر ہے وہاں ہماری ایک عمر طبعی بھی ہے جسکے موسم فطرت کے موسم کی طرح بہ تکرار آتے رہتے ہیں - بچپن، جوانی اور بڑھاپا زندگی کے یہ موسم کب بدلے ہیں، ان موسموں سے گزرنے کے سامان بدلتے ہیں نہ کہ موسم بذات خود - اسی طرح شیشۂ دل کی مئے بدلتی رہتی ہے لیکن اسکی موج کب بدلی ہے، جذبات کے مدوجزر، بیم ورجا کی متلون کیفیتوں کو لئے ہوئے پیہم اٹھتے ہی رہتے ہیں - معلوم نہیں اس جوار بھاٹے کا سبب کیا ہے؟ اسکا مرکز ثقل کہاں اور کیوں ہے - یہ کچھ معلوم اور کچھ نا معلوم ہے - اسپر قابو پانے کا یہ عمل نہیں کہ فطرت کو دبایا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ شعور حاصل کیا جائے - کیونکہ جسطرح روشنی تیرگی کی وحشت کو دور کرتی ہے، اسی طرح شعور بھی دل وحشت زدہ کی تیرگی کو دور کرتا ہے - اگلے وقتوں میں جبکہ شعور کی روشنی زیادہ تیز نہ تھی، جذبات کے ھچکولے سے سکون، استخراج جذبہ سے حاصل کیا جاتا - یونانی ٹریجڈی اسکی بہترین صورت تھی- لیکن اب وہ کام ادب میں خواہ جذبات سے سکون حاصل کرنے کا ہو یا جذبات پر قابو پانے کا ایک دوسری ٹکینک سے لیا جارہا ہے - آج جذبات کو شعور کی روشنی میں دیکھا اور جانچا جارہا ہے - لیکن ادب کا یہ صرف ایک پہلو ہے - اسکا دوسرا پہلو ماضی اور مستقبل کے خواب دیکھنے اور دکھلانے کا بھی ہے - چونکہ مستقبل نادیدہ اور ماضی دیدہ ہوتا اسلئے اگلے وقتوں میں مستقبل کا خواب ہمیشہ ماضی ہی کے آئینے میں دکھلایا گیا ہے آنے والی بہشت ارضی کو کبھی باغ ارم سے تو کبھی شداد کے باغ سے منسوب کیا گیا ہے

یا رب بہ جہانیاں دل خرم دہ
در دعوئے جنت آشتی باہم دہ

شداد پسر نداشت با غش از تست
آن مسکن آدم بہ بنی آدم دہ (غالب)

ماضی کا یہ خواب پیچھے کی طرف لوٹنے کا نہیں بلکہ آگے بڑھنے کا

ایک حقیقت شناس بہانہ تھا۔ اسکی حقیقت شناسی اس میں مضمر ہے کہ کبھی کبھی انسان تیز روی میں اپنی حقیقت کو فراموش بھی کر دیتا ہے۔ وہ تمام تر آیڈیلسٹ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ادب انسان کی نفسیات کے ماضی کا آئینہ لئے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ اور شاہراہ حیات کے تیز رو مسافر کی راہ روک کر یہ کہتا ہے کہ اک نگاہ واپسیں کے صدقے اس حقیقت کو بھی دیکھ کہ تو پابند میل گوشت و پوست بھی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اپنی تیز روی میں اسے بھول جائے اور تیرا آدرش نا آشنائے حقیقت رہ کر شرمندۂ تعبیر رہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ماضی کے اساطیر کو مزخرافات نہیں بلکہ انسانی نفسیات اور اس کے ہوش و خرد کی ایک داستان سمجھتے ہیں۔ ہم قوم قبیلوں میں بٹنے سے پہلے انسان ہیں اور بحیثیت انسان ایک دل اور ایک دماغ رکھتے ہیں۔ دنیا کا سارا ادب خواہ وہ اساطیری ہو یا غیر اساطیری ہمارا اپنا ورثہ ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے۔ آج ایک گلگامش کی حکایت نے بنیٔ اسرائیل کی حکایتوں پر سے کتنے پردے اٹھائے ہیں۔ اسی سے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اور چشمۂ حیوان کا سراغ پایا ہے۔ جسقدر زیادہ ماضی کے مطالعہ میں وسعت اور گہرائی پیدا ہوتی جا رہی ہے اسی قدر زیادہ انسان اپنی برادری میں ایک ہوتا جارہا ہے ایک جگہ کا قصہ دوسری جگہ کے قصے سے ماخوذ نظر آتا ہے۔ پھر یہ تو دیکھئے انکے طریق فہم اور انکی قصہ گوئی کی ٹکنیک میں کسقدر یکسانیت ہے۔

ہیرو اپنی دنیائے سود و زیاں سے نکل کر عجائبات کی دنیا کی سیر کرتا ہے۔ اس سیر میں مہیب اور محیرالعقول طاقتوں کا مقابلہ کرتا ہے، اور ان پر فتح پاتا ہے۔ گویا وہ ان کی طاقتوں میں در آتا ہے اور اسطرح نئی طاقتوں سے لیس ہوکر پھر اپنی اسی دنیائے سود و زیاں میں لوٹتا ہے تاکہ اس نئی قوت کے شعور اور مال غنیمت کو اپنی برادری کے سب انسانوں میں بانٹ سکے۔*

*اس ٹکنیک کے تفصیلی مطالعہ کیلئے Cambell کی کتاب A hero with thousand faces کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے

اس سفر میں کئی بار وہ مثل ماہ کنعاں چاہ میں ڈوبتا یا زنداں سلیمان میں گرفتار ہوتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سولی پر چڑھ جاتا ہے لیکن ہر بار کسی نہ کسی تائید غیبی سے ابھرتا ہے اور اپنے گوہر مقصود کو پاتا ہے۔ وہ اپنے اس سفر میں کبھی کسی پری پر عاشق ہوتا ہے اور اجنا کی طاقت سے مقابلہ کرتا ہے تو کبھی کسی مردم زاد کی محبت میں جن و بشر دونوں کی رقابت مول لیتا ہے۔ لیکن کبھی بھی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اس سفر سے کامراں نہ لوٹے۔ چنانچہ آپ دیکھینگے کہ داستان کا اختتام کبھی بھی ٹریجڈی پر نہیں ہوتا ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ داستان پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے۔ وہ نظام فطرت کو اضداد کے مجادلے سے صرف پاش پاش ہی نہیں کرتی ہے بلکہ اسکی تکوین بھی کرتی ہے ثانیاً یہ کہ چونکہ داستانوں میں حقیقت کو داخلی اعتبار سے منقلب دکھلایا جاتا ہے اسلئے یہاں بگڑی بھی بن جاتی ہے۔ زندگی برقرار ہے امید پر نہ کہ مایوسی پر۔ داستان گو اسی سررشتہ امید کو حزن و یاس کے چاک گریباں سے باہر نکالتا ہے۔ ،،چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند،،۔ یہ ہے اس کا نغمہ سرمدی۔

قصہ چہار درویش بھی ایک ایسی ہی مختصر داستان ہے جسکا ہیرو مزدک اور پرامیتھیئس نہیں، حمزہ اور عمرعیار نہیں، بلکہ درویش ہے، اسکا سفر روحانی ہے۔ وہ مقامات عشق سے گذرتا ہے، اور کبھی اس سفر میں اسقدر بے نیاز نفس ہو جاتا ہے کہ شہزادۂ نیمروز کے دکھ میں اپنے عشق کو بھلا دیتا ہے۔ ہم اس داستان کے مختلف قصوں پر روشنی آگے کے صفحات میں ڈالینگے جبکہ ہم اس داستان کے ماخذ پر روشنی ڈال چکے ہونگے۔ آخر کو داستان جو ٹھہری کیوں نہ ذرا قصے کو طویل دیکر آپ کے جذبہ شوق کو اور زیادہ ملتہب کیا جائے۔

باغ و بہار کا ماخذ

اس وقت اردو نثر میں قصۂ چہار درویش کے تین ترجمے پائے جاتے ہیں - سب سے قدیم میر حسین عطا خاں تحسین کا ہے جسے انہوں نے اپنی رنگینئی عبارت کے باعث ,, نو طرز مرصع،، کے نام سے مشہور کیا، آزاد کے بیان کے مطابق یہ ترجمہ ۱۷۹۸ع میں کیا گیا، چنانچہ اور لوگ بھی یہی تاریخ نقل کرتے آئے ہیں اب یہ تاریخ غلط بتلائی جاتی ہے - گیان چند نے اپنی پی-ایچ-ڈی کی کتاب ,, اردو نثر کی داستانیں،، میں اس کا سن تالیف ۱۷۷۵ع اور ۱۷۸۱ع کے درمیان بتایا ہے - اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ اسکے دیباچے میں شجاع الدولہ اور آصف الدولہ دونوں ہی کے شان میں قصاید موجود ہیں، اور ایک جگہ مرزا رفیع الدین سودا کے اشعار کا ذکر اس انداز میں کیا گیا ہے جیسے کہ وہ اسوقت تک زندہ تھے -

,,چندیں اشعار مرزا سودا صاحب کے کہ داد سخن کی دیتے ہیں میرے (تئیں؟) ، حسب حال اپنے یاد پڑے،، بہر حال اب سبھی نے یہ بات مان لی ہے کہ اسکا سن تالیف ۱۷۹۸ع نہیں ہے جیسا کہ آزاد نے بتایا ہے بلکہ اس سے قبل کا ہے - یعنی ۱۷۸۱ ع سے پہلے کا جبکہ سودا کا انتقال ہوا اور ۱۷۷۵ع سے بعد کا جبکہ آصف الدولہ تخت پر بیٹھے ہیں -

دوسرا ترجمہ میر امن کا ہے جوکہ باغ وبہار کے تاریخی نام سے مشہور ہے اس سے اسکا سنہ تالیف ۱۲۱۷ ہجری یعنی سنہ ۱۸۰۲ع نکلتا ہے - تیسرا ترجمہ میر محمد عوض زریں کا ہے جسکا ایک عجیب قصہ ہے - پہلے زریں نے فارسی قصے کا خلاصہ فارسی زبان ہی میں تیار کیا - پھر اپنے

مربی راجہ رام دین کے کہنے سے اپنے اس خلاصے کا نہ کہ فارسی قصے کا، ترجمہ اردو زبان میں کیا اور اسے ,, نو طرز مرصع،، کے نام سے مشہور کیا اور اسکی تاریخ ,, باغ وبہار،، نکالی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان دونوں ناموں کا توارد حسن اتفاق کا کرشمہ ہے۔ ورنہ وہ ایسی غلطی کا ہے کو کرتے کہ تحسین اور میر امن دونوں کی کتابوں کے نام سمیٹتے۔ بہر حال یہاں ہم انکے ترجمے کو نظر انداز کر رہے ہیں کیونکہ وہ ایک خلاصے کا ترجمہ ہے اور بہت ہی مختصر ہے*۔ اب صرف دو ترجمے ہمارے سامنے آتے ہیں ایک تحسین کا ,, نوطرز مرصع،، اور دوسرا میر امن کا ,, باغ وبہار،، جوکہ سنہ ۱۸۰۳ع میں پہلی بار کلکتے سے ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ کے مقدمے کے ساتھ شایع ہوا۔ کلکتے والے ایڈیشن کے سرورق یہ عبارت جلی حرفوں میں درج ہے جوکہ غالباً میر امن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ ,,باغ و بہار تالیف کیا ہوا میر امن دلی والے کا۔ ماخذ اسکا ,,نو طرز مرصع،، کہ وہ ترجمہ کیا ہوا میر حسین عطا خاں کا ہے فارسی قصہء چہار درویش سے،، چنانچہ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ نے اپنے مقدمے میں بھی اسکے ماخذ کا ذکر کیا ہے۔ اسکے بعد کسی شخص کو اس امر مہ شبہ نہ ہونا چاہئے تھا کہ اسکا ماخذ نو طرز مرصع نہیں ہے، لیکن چونکیں ہندوستانی مطبعوں نے سر ورق یہ عبارت درج کرنی چھوڑ رکھی تھی، اور اسکی نقل صرف انگلستان کے ایڈیشنوں میں ہوتی رہی تھی اسلئے مولوی عبدالحق صاحب کو باغ وبہار کی اشاعت کے وقت یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ اسکے ماخذ پر بھی روشنی ڈالیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کی نظر سے باغ وبہار کا کوئی ایسا ایڈیشن نہیں گذرا جسپر یہ عبارت درج تھی اور نہ انہیں ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ کے مقدمے کے دیکھنے ہی کا موقع

---

*مگر اسکی عبارت تحسین کی عبارت کے مقابلے میں بہتر ہے۔ عبارت کا یہ نمونہ ہے۔ ,,درویش بولا کہ یہ آوارۂ وطن باشندۂ یمن ہے۔ اس بندۂ بے مقدار کا والد بزرگوار ملک التجار اور صاحب اقتدار تھا۔ دولتمند اس سے قرض لاتے اور فقیر روز روزینہ پاتے دو فرزند رکھتا تھا یک یہ فقیر دوسری ہمشیر۔ لیکن کارخیر ہمشیر سے اپنے حین حیات میں فراغت کی اور میری پرورش بنازونعمت کی—،،

ملا ورنہ وہ میر امن پر یہ الزام نہ لگاتے کہ وہ ,, نو طرز مرصع کا ذکر صاف اڑا گئے ،، اور اپنی کتاب کا ماخذ امیر خسرو کے فارسی قصہ' چہار درویش کو ٹھہرایا ۔ اسپر مولوی عبدالحق صاحب کی بڑی نکتہ چینی کی گئی۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اپنے ایک طویل مضمون ,, قصہ' چہار درویش ،، میں وہ عبارت نقل کرکے جسکا کہ ابھی حوالہ دیا گیا ھے نہ صرف میرامن کو مولوی عبدالحق صاحب کے الزام سے بری کیا بلکہ میر امن کی اس روایت کو بھی غلط ثابت کیا کہ ,, یہ قصہ چہار درویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش جو انکے پیر تھے انکی طبیعت ماند ہوئی تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور تیمار داری میں حاضر رہتے ،،

انہوں نے میر امن کی اس روایت کو غلط ثابت کرنے میں جو سب سے بڑی دلیل دی ھے وہ یہ ھے کہ محمد شاہ کے عہد کا ایک شخص حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں قصہ' چہار درویش کے ایک مخطوطے کے دیباچے میں بقلم خود اپنے کو فارسی قصہ' چہار درویش کا مصنف قرار دیتا ھے ۔ وہ عبارت یہ ھے۔

,, بہ تقریبے حکایتے از دل ریشان درویشاں و سرگزشتے از سرگزشتگان قلندراں بہ زبان ہندی بہ عز عرض ہمایوں رسانید و آں حکایت مرغوب پسند خاطر مشکل پسند بادشاہ فیروز مند آمد ۔ بایں کمینہ یعنی حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں فرمان فرماں فرمائے دل و جاں صادرشد کہ آں را از عبارت ہندی بزبان فارسی ترجمہ نماید ۔ بر بنائے علی ھذا، اطاعت فرمان واجب الاذعان نمودہ آں حکایت را بالسطربہ زبان عجمی نقل نمودہ ،،

اس مخطوطے کے اختتام پر کاتب کی یہ عبارت درج ھے ,, تمت حکایت عجیب و غریب بتاریخ ۱۴ شہر شوال سنہ ۱۰ محمد شاھی الراقم عبدالکریم۔

(۱۷۳۳ع۔)

(سنہ ۱۱۴۶ ھجری)

اس مخطوطے کی مزید خصوصیات جوکہ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اپنے مضمون میں دی ہیں یہ ہیں۔

(۱) یہ نسخہ رائج الوقت مطبوعہ نسخہ' فارسی سے جسے احمد شاہ خلف شاہ محمد نے تالیف کیا حجم میں نصف ہے۔ ''اگرچہ محمد علی کا یہ متن مطبوعہ نسخہ کے اکثر مطالب و دیگر خدو خال کو تمام و کمال پیش کرتا ہے لیکن مطبوعہ نسخے کے مقابلے میں بہت ہی مختصر ہے''

(۲) اسکی عبارت سادہ اور عاری ہے۔ حسن بیان کے بجائے واقعات پر توجہ صرف کی گئی ہے (یعنی خلاصہ ہے) بر خلاف اسکے مطبوعہ نسخے کی زبان میں بڑی شگفتگی و برجستگی ہے''

(۳) اس کتاب کا کوئی نام مولف نے نہیں دیا ہے، اور نہ سرورق کوئی نام لکھا ہوا ہے صرف کاتب اسے حکایت عجیب و غریب کے نام سے یاد کرتا ہے جوکہ نام نہ ہوا بلکہ حکایت کی صفت ہوئی۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر فارسی کے قصہ' چہار درویش کا سب سے قدیم نسخہ یہی ہوتا تو ہم محمد علی کے بیان کے مطابق بالکل خاموش ہو جاتے کیونکہ اسے جھوٹا تو کہنے سے رہے، لیکن اب جبکہ آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں ایک نسخہ فارسی کے قصہ' چہار درویش کا اس سے پہلے کا برآمد ہو چکا ہے تو پھر ہم محمد علی کے بیان کو بھی جانچنے پر مجبور ہوئے۔ اس نسخے کی خبر گیان چند نے اپنی کتاب 'اردو کی نثری داستانیں' میں دی ہے، اس مخطوطے کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہ ہے کہ اسکے سر ورق قصہ' چہار درویش لکھا ہوا ہے، اور اسے صرف حکایت عجیب و غریب کہکر ٹالا نہیں گیا ہے، کاتب کی عبارت اختتام قصہ میں یہ ہے جس سے کہ اس کے سن تالیف کا پتہ چلتا ہے۔

تمام شد نسخہ قصہ' چہار درویش بہ وقت دو کری روز یکشنبہ بتاریخ بست و هفتم شہر شعبان سنہ ۱۱۴۱ هجری (۱۷۲۸ع) ۱۰ محمد شاهی در

مکتب (دو سر سدہ؟) بہ عمل نواب مستطاب امارت و ریاست مرتبت شجاع الدین محمد خاں ناظم صوبہ اوڑیسہ بہ کاتب الحرف جمال الدین تحریر یافت۔،،

اب جبکہ حافظ محمود شیرانی کے مخطوطے کا تقدم زائل ہو چکا ھے ہم انکے مخطوطے کے موٴلف کے اس بیان پر کیونکر ایمان لائیں کہ ،،میں نے اسے ہندی عبارت سے فارسی زبان میں سطر بسطر ترجمہ کیا،، تا وقتیکہ ھمیں اسکا یقین نہ ہوجائے کہ یہ قصہ ہندی میں موجود تھا، اول تو وہ یہ نہیں بتاتا کہ اس نے کس ہندی سے ترجمہ کیا، برج سے راجستھانی سے، اودھی سے یا کھڑی سے—دوم یہ کہ وہ اس قصے کا کوئی نام نہیں بتلاتا ھے۔ بہر حال اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قصہ بغیر کسی نام کے ہندی میں رائج تھا تو پھر یہ دیکھنا پڑیگا کہ یہ قصہ اپنے ماخذ میں ہندی الاصل ھے یا یہ کہ عربی اور فارسی زبان کے قصوں سے آیا ھے۔ ظاہر ھے کہ جب حافظ محمود شیرانی مرحوم اس روایت کو مسترد کرتے ھیں کہ یہ محمد شاہی عہد سے پہلے فارسی یا عربی زبان میں موجود نہ تھا تو پھر یہی ایک پہلو باقی رہ جاتا ھے کہ وہ اپنے ماخذ میں ہندی الاصل ھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند نے اچھی خاصی تحقیق اور جستجو سے کام لیا ھے اور گو ہم انکی تحقیق کو حرف آخر نہیں مانتے تاہم انکے نتائج قابل غور ھیں۔ وہ قصہ' چہار درویش کی مختلف کہانیوں کے ماخذ پر بحث کرتے ہوئے اسکی بیشتر کہانیاں الف لیلہ، حاتم طائی، گل بکاؤلی اورگل صنوبر وغیرہ سے ماخوذ ٹھہراتے ھیں۔ ان میں سے صرف گل بکاؤلی ہندی الاصل ھے ورنہ بقیہ دوسرے قصے عجمی الاصل ھیں۔ اب ذرا اسکی تفصیل سنئے۔ ،،چوتھے درویش کی سرگزشت تمامتر بجز اختتام کے الف لیلہ کی کہانی شہزادۂ زین الاصنام اور شاہ جنات سے ماخوذ ھے۔ تیسرے درویش کی سیر میں داروغہ بہزاد خاں کا قصہ الف لیلہ کی قمرالزماں کی کہانی سے ماخوذ ھے۔ اذربائیجانی جو ان کی سرگزشت جسے خواجہ سگ پرست بیان کرتا ھے سند باد جہازی کے چوتھے سفر سے ملتی جلتی ھے۔ خواجہ سگ پرست کے بیوفا بھائیوں کا نقش اول الف لیلہ کی کہانی ،، سوداگر اور جن،، میں ملتا ھے۔ رومیوں کو کتے کا جھوٹا کھلانے کی سزا گل و صنوبر میں بھی

ملتی ہے ۔ جوگی اور کھنکھجورے کے علاج کا واقعہ جالینوس اور اسکے شاگرد بقراط کے بارے میں بھی بیان کیا جاتا ہے،، ابتک جتنے بھی ماخذ پیش کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ہندی الاصل نہیں ہے ۔ صرف شہزادی بصرہ کی ایک کہانی ایسی ہے جسکا ماخذ ہندی اور فارسی دونوں زبانوں کے قصوں میں ملتا ہے ۔ ،،اگر ایک طرف جینیوں کے کتھا کوش میں مدن سنجری کی کہانی اس سے ملتی جلتی ہے تو دوسری طرف حاتم طائی کے قصے میں حسن بانو کی سرگذشت بھی اس سے ملتی جلتی ہے،، اس جزوی مماثلت کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ قصہ چہار درویش کی کہانیاں اپنے ماخذ میں ہندی الاصل ہیں ۔ اور نہ ہندی زبان اور ادب کی تاریخ میں اس قصے کا کہیں سراغ ملتا ہے ایسی صورت میں محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں کا یہ بیان سخت مشتبہ ہے کہ ،،میں نے ہندی عبارت سے اسکا ترجمہ سطر بسطر عجمی زبان میں کیا،،۔

اب اس سلسلے کے اور دوسرے دلائل پر غور کیجئے ۔ اگر حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں جوکہ محمد شاہی عہد میں تھا اس قصے کا فارسی میں مصنف ہوتا تو میر امن جوکہ محمد شاہی عہد میں پیدا ہوئے اور جوکہ دلی سے سنہ ۱۷۶۱ع میں جلا وطن ہوئے اسکی تصنیف سے ضرور آشنا ہوتے جوکہ سنہ ۱۷۳۳ع میں مرقوم ہوئی ۔ اور اگر وہ اسکی تصنیف سے واقف نہ ہوتے تو کم از کم اسکے نام سے تو ضرور ہی واقف ہوتے ، اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی ضروری نہیں ہے تو پھر وہ فورٹ ولیم کالج کے کسی استاد سے تو پوچھ ہی سکتے تھے، وہاں تو ایک درجن حضرات دہلوی میر امن سے عمر میں بڑے اور چھوٹے دونوں ہی موجود تھے ۔ قصہ چہار درویش کا مصنف حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں دہلوی محمد شاہی عہد کا ہو اور ان دلی والوں کو اسکے نام اور کام کا بالکل علم نہ ہو جنہوں نے دلی کی گلیاں ابدالی کے حملے کے وقت چھوڑیں ۔ یہ کچھ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ محمد علی نے اس قصے کا خلاصہ فارسی میں لکھا ۔ انکار تو اس بات سے ہے کہ ہم اسے فارسی قصہ چہار درویش کا پہلا

مصنف نہیں مانتے ہیں، کیونکہ اول تو ایک مخطوطہ اسکے نسخے سے پہلے کا موجود ہے۔ ثانیاً یہ کہ جب اسنے اس قصے کو ہندی زبان سے سطر بسطر ترجمہ کیا تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ قصہ بہت پہلے سے رائج تھا*۔ ایسی صورت میں اگر میر امن نے اسے امیر خسرو سے منسوب کیا تو اس میں انکی جدت طبع کو دخل نہ تھا بلکہ ایک مقبول عام روایت کو نقل کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا میر امن سے پہلے بھی کسی نے اس قصے کو امیر خسرو سے منسوب کیا ہے؟ ۔ جہاں تک میرے علم اوز مطالعے کا تعلق ہے، اس کا ذکر باغ وبہار کے دیباچے سے پہلے کسی اور کے قصہ' چہار درویش میں نہیں ملتا ہے، نہ تو اس روایت کا ذکر عطا خاں تحسین کرتے ہیں اور نہ زرین ۔ رہ گیا حافظ محمود شیرانی مرحوم کا یہ بیان کہ میر امن نے یہ روایت فارسی کے مطبوعہ نسخے مولفہ میر احمد شاہ خلف محمد شاہ کے دیباچے سے نقل کی ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ میر احمد شاہ خلف محمد شاہ نے فارسی کا نسخہ باغ وبہار کی اشاعت کے بعد تالیف کیا ہے۔ اور اپنے دیباچے میں میر امن کے اردو ترجمے کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم کے سامنے احمد شاہ کا مولفہ وہ مطبوعہ نسخہ نہ تھا جس میں کہ اس کا دیباچہ بھی شامل ہے۔ میں وہ متعلقہ عبارت قارئین کے استفادے کے لئے نقل کر رہا ہوں۔

،،چند نسخہ' قلمی بہم رسانیدند اما بسبب اندراس و کہنگی یک نسخہ از انہا سالم و صحیح نہ برآمد۔ یکے دو جز از سر ندارد و دیگرے از پا غرضیکہ ہمہ بوسید و کرم خوردہ پس بکمال محنت و جانفشانی باہم ارتباط دادہ و اجزائے از ہم پاشیدہ خلط نمودہ و از نسخہ' اردو ترجمہ میر امن دہلوی نیز مقابلہ کردہ ــــ،،

یہ میر احمد شاہ خلف محمد شاہ بھی حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں کا کوئی ذکر نہیں کرتا ہے۔ صرف سر ولیم اوسلے نے اپنی

* اگر اسے کسی نے ہندی میں سنایا تو اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ فارسی میں رائج نہیں تھا۔ مولف

فہرست میں قصہ' چہار درویش کا مصنف معصوم علی خاں کو بتلایا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اسی اوسلے کی فہرست سے تقویت حاصل کرتے ہوئے معصوم علی خاں کے اس بیان کو صحیح سمجھا کہ ،،میں نے ہندی زبان سے سطر بسطر اس کا ترجمہ عجمی زبان میں کیا،، اور اسکے بیان کی صحت کو جانچنے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں پر میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمیں اسپر کوئی اصرار نہیں ہے کہ میر امن نے جو یہ لکھا ہے کہ اسے امیر خسرو نے کہا اسے درست سمجھا جائے۔ کیونکہ اب تک فارسی کے جتنے نسخے ملے ہیں ان کا اسلوب امیر خسرو کے اسلوب سے نہیں ملتا ہے اور نہ تاریخ کی کوئی کتاب اس بات کا حوالہ دیتی ہے کہ اس نام کا کوئی قصہ امیر خسرو نے تصنیف کیا۔ ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ قصہ محمد شاہی عہد سے پہلے سے مشہور تھا۔ اور کیا عجب جو اس حکایت کے ساتھ مشہور رہا ہو کہ اسے امیر خسرو نے اپنے پیرو مرشد نظام الدین اولیا کی تیمار داری میں کہا۔ کیونکہ اس قسم کی نسبتیں داستانوں کی کسی بادشاہ یا ولی اللہ سے بالعموم دے دی جایا کرتیں۔ بختیار نامے کے سبب تالیف میں بھی ایک ایسی ہی حکایت لکھی ہوئی ہے ،،شاہزادۂ بختیار یکے ازاں قصہ ھارا برائے استخلاص خود طرح و نقل کردہ و از مرگ رہائی یافتہ و خوش بخت گردیدہ است،، اس قسم کی نسبتوں کو تاریخی حقیقت پر محمول نہ کرنا چاہئے۔ داستان کی ساکھ بٹھانے اور اسکی برکت کو جتانے کا یہ ایک انداز تھا، جیسے ہمارے اطبا سر نسخہ ھوالشافی لکھ دیا کرتے ہیں۔ میر امن جیسا اپنے بزرگوں سے سنتے آئے تھے ویسا انھوں نے لکھ دیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر اسکا مصنف معصوم علی خاں ہوتا تو وہ بے شک یہ بات نہ لکھتے۔ اور اسی کا نام لکھتے۔ لیکن وہ حکیم مغفور کب اسکا مصنف تھا۔ اس سلسلے میں میں نے چونکہ میر امن کی جلا وطنی کی تاریخ بھی مقرر کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ محمد شاہی عہد میں پیدا ہوئے تھے اسلئے اب ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ کچھ اسپر بھی روشنی ڈالی جائے۔ تاکہ قارئین کو یہ تو معلوم ہو سکے کہ جسوقت حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں نے قصہ' چہار درویش کو بغیر کسی نام کے سنہ ۱۷۳۳ع میں ہندی عبارت سے ترجمہ کیا

اسوقت میر امن کی عمر کیا تھی ، لیکن قبل اسکے کہ ہم اس ذکر کو چھیڑیں ایک بات مصحفی کی بھی لکھنا چاہتے ہیں مصحفی اپنے تذکرے ،، عقد ثریا،، میں لکھتے ہیں کہ ،، بدیع العصر حاجی ربیع انجب نے ایک بار شتر کتابیں تصنیف کی تھیں ان میں قصۂ چہار درویش بھی تھا یہ سب چوری چلی گئیں ،،۔

میر امن کے حالات زندگی

ارباب نثر اردو کے مصنف مولوی سید محمد صاحب اور داستان تاریخ نثر اردو کے مصنف مولانا حامد حسن قادری دونوں یہ لکھتے ہیں کہ میر امن کا نام میر امان تھا اور امن تخلص تھا - لیکن ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں بتلاتا کہ اس نام اور تخلص کا پتہ انہیں کہاں سے چلا - بس یہ لکھ دیتے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے - یہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں کہ ان کا نام میر امان تھا اور امن تخلص تھا - آنکا نام ہی امن تھا -

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اردو شعراء کے سارے تذکرے میر امن کے ذکر میں خاموش ہیں اور بجا طور پر خاموش ہیں کیونکہ میر امن نہ تو شاعر تھے اور نہ شاعر کے بھائی کہ ان کا ذکر کیا جاتا - وہ تو صرف ایک تک بند تھے -- ,,اگرچہ فکر سخن کہنے کی ساری عمر نہیں کی ہاں مگر خود بخود جو کوئی مضمون دل میں آیا تو اسے باندھ ڈالا نہ کسو کا استاد نہ کسی کا شاگرد - بیت

نہ شاعر ہوں میں اور نہ شاعر کا بھائی
فقط میں نے کی اپنی طبع آزمائی،، (دیباچہ گلشن خوبی)

ایک ایسے شخص کے بارے میں جو صرف تک بند تھا یہ کہنا کہ وہ امن اور لطف دونوں تخلص کرتے تھے انہیں زبردستی شاعر بنانے کے مترادف ہے - پھر بھی اس کا امکان پایا جاتا ہے کہ جسطرح دنیا کے بہت سے تک بند اپنا تخلص اختیار کرتے ہیں اسطرح وہ بھی تخلص کر سکتے تھے - چنانچہ جب اس نقطۂ نظر سے ہم انکے اشعار پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک جگہ باغ وبہار میں لطف کے تخلص کا احتمال پیدا ہوتا ہے - میں نے

احتمال کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ جس بیت سے ان کا تخلص لطف برآمد کیا جاتا ہے اس میں اول تو لطف پر تخلص کا کوئی خط نہیں کھنچا ہے دوسرے یہ کہ لطف پر لطف، کا فقرہ جو کہ مستعمل ہوا ہے وہ لغوی معنی بھی رکھ سکتا ہے ۔ وہ بیت یہ ہے۔

تو کونین میں لطف پر لطف رکھ
خدایا بحق رسول کبار

اگر یہ صحیح ہے کہ یہاں پر ایک لطف بطور تخلص کے استعمال ہوا ہے تو وہ صنعت ایہام سے خالی نہیں ہے ۔ ایسی صورت میں اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ لطف تخلص کرتے تھے کہ نہیں ۔ کیونکہ اس بیت کے علاوہ کسی اور جگہ اس قسم کا حسن ایہام پیدا نہیں ہوا ہے۔

یہ ہے میر امن کے حالات سے ہماری واقفیت کا عالم ۔ بہر حال اس سے ہمیں ہمت نہ ہارنی چاہئے ۔ کبھی کبھی کسی مختصر سی عبارت کے گہرے مطالعے سے بڑی سے بڑی چیزیں برآمد ہو جاتی ہیں ۔ اس وقت جو تحقیق میرے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ باغ وبہار کی تصنیف کے موقع پر میر امن کی عمر کیا تھی ۔ انھوں نے وفات کس سنہ میں پائی اور وہ دلی سے جلا وطن کس سنہ اور کس عمر میں ہوئے۔

میر امن کا خاندان ہمایوں کے عہد سے لیکر شاہ عالمگیر ثانی کے عہد تک ''منصبدار قدیمی اور خانہ زاد موروثی میں شمار کیا جاتا اور یہ لقب انکے خاندان کا پادشاہی دفتر میں درج تھا''۔ اس افتخار خاندان کے اظہار کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ''جب ایسے گھر کی کہ سارے گھر اس گھر کے سبب آباد تھے یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے عیاں را چہ بیاں (یہ اشارہ صاف اس زمانے کے مغل بادشاہ کی طرف ہے کیونکہ سارے گھر اسی ایک گھر کے سبب سے آباد تھے) تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کیا اور احمد شاہ درانی نے (مراد ابدالی سے ہے ۔ میر نے بھی ذکر میر میں احمد شاہ ابدالی کو درانی ہی لکھا ہے) گھر بار تاراج کیا ۔ ایسی ایسی تباہی

کھا کر (جاگیر کے ضبط ہونے اور گھر بار تاراج ہونے کے بعد) دلی شہر سے کہ جنم بھم میرا ہے اور انول نال وہیں گڑا ہے جلاوطن ہوا (صیغہ واحد متکلم ہے) اور ایسا جہاز کہ ناخدا پادشاہ تھا غارت ہوا (یہ اشارہ مغلیہ عہد کے خاتمہ کی طرف ہے۔ شاہ عالمگیر ثانی کی موت کے بعد دلی کا تخت مغلیہ تاج کی جلوہ افگنی سے تقریباً بارہ سال تک محروم رہا) میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا—،،

اب ان جملوں کے ساتھ اختتام دیباچے کے بھی چند جملے ملاحظہ کیجئے— ،،جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا۔ شاہ عالم پورب کی طرف تھے۔ کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا۔ شہر بے سر ہوگیا سچ ہے پادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی ایکبارگی تباہی پڑی۔ رئیس وہاں کے میں کہیں تم کہیں، ہوکر جہاں جس کے سینگ سمائے وہاں نکل گئے،،

جہانتک دلی سے ان کے جلاوطن ہونے کا تعلق ہے۔ یہ دونوں عبارتیں صاف اس چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ وہ ۱۷۶۱ع میں جلاوطن ہوئے جبکہ احمد شاہ ابدالی نے دلی کو ایسا لٹوایا کہ لوگ نادرشاہ درانی کی غارتگری کو بھی بھول گئے۔ میر تقی میر ذکر میر میں اس غارتگری اور روسا کے تتربتر ہونے کا احوال ان الفاظ میں لکھتے ہیں ،،ایک عالم خاک وخون میں ملگیا۔ تین دن اور تین رات تک یہ ظلم جاری رہا۔ درانیوں نے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ چھوڑی۔ انھوں نے چھتیں اور دیواریں توڑ ڈالیں اور لوگوں کے سینے زخمی کر دئے۔ اعیان سلطنت فقیر ہو گئے، وزیر و شریف عریاں، کتخدایاں بے خانماں، ان میں سے اکثر مصیبت میں گرفتار کوچہ و بازار میں رسوا تھے۔ نئی دھلی شاہجہاں آباد خاک کے برابر ہو گئی۔ اسکے بعد یہ بے رحم پرانی دلی کی طرف متوجہ ہوئے اور افغانوں نے بیشمار لوگوں کو ہلاک کر ڈالا۔ سات آٹھ دن تک یہی ہنگامہ گرم رہا۔ کسی کے گھر پہننے کے کپڑے اور ایک دن کے کھانے کا سامان نہ رہا۔ مردوں کے سر پر ٹوپی اور عورتوں کے سر پر دوپٹہ تک نہیں تھا۔

ظالم لوگوں نے غلہ چھین لیا اور غریبوں کے ہاتھ قیمتاً فروخت کیا۔ مصیبتوں کی فریاد آسمان تک پہنچی اور ابدالی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ بہت سے لوگ دلی چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے اور وہاں مر گئے،،

یہ واقعہ سنہ ۱۷۶۱ع کا ھے جبکہ شاہ عالم ثانی پورب میں تھا اور دلی کا تخت پادشاہت سے خالی تھا۔ کیونکہ عالمگیر ثانی کو سنہ ۱۷۵۹ع میں قتل کیا جا چکا تھا اور عمادالملک کا نامزد کیا ہوا پادشاہ شاہجہاں ثانی صرف سال بھر یعنی ۳۰ نومبر سنہ ۱۷۵۹ع سے لیکر ۱۰ اکتوبر ۱۷۶۰ع تک بادشاہ رہا۔ اسکے بعد یہ تخت تقریباً بارہ سال کیلئے اسوقت تک خالی رہا جبتکہ شاہ عالم ثانی پورب سے بلائے نہیں گئے اور انہیں تخت پر بٹھایا نہیں گیا۔

جہانتک سورج مل جاٹ کے جاگیر ضبط کرنے کا تعلق ھے وہ واقعہ بھی سنہ ۱۷۶۱ع سے کچھ پہلے ھی کا ھے، سورج مل جاٹ نے ۱۲ جون سنہ ۱۷۶۱ع کو اکبر آباد پر قبضہ کیا، لیکن اس تاریخ سے کچھ دنوں پہلے ھی ،،اس نے اکبر آباد کے اکثر محالات پر قبضہ کر لیا تھا،، ۔(ذکر میر)

یہ ساری شہادتیں اس بات کو کلی طور سے ثابت کرتی ھیں کہ میر امن سنہ ۱۷۶۱ع میں دلی سے جلا وطن ہوئے، اب یہ دیکھنا ھے وہ عظیم آباد میں کتنے دنوں تک رہے اور وہاں سے اشرف البلاد کلکتے میں کب آئے۔ ،،اور اسکے بعد کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا، کچھ بنی کچھ بگڑی۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے روزگار نے موافقت نہ کی، عیال و اطفال کو چھوڑ کر (اس سے پہلے عیال و اطفال کا ذکر نہیں آتا ھے)، تن تنہا کشتی پر سوار ہو کر، اشرف البلاد کلکتے میں آب ودانہ کے زور سے آپہونچا۔ چندے بے روزگار گزرے۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا۔ لیکن نباہ نہ دیکھا تب منشی بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گلکر ایسٹ دام اقبالہ کے رسائی ہوئی،،۔

منشی بہادر علی جی حسینی کا تقرر فورٹ ولیم کالج میں بحیثیت صدر شعبۂ ہندی کے سنہ ۱۸۰۱ع میں ستمبر میں ہوا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انکے تقرر کے ایک ہی آدھ مہینے کے بعد میر امن کا بھی تقرر ہوا ہے کیونکہ وہ باغ و بہار کی تالیف کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ”جب حساب کیاتو بارہ سو پندرہ ھ کے آخر سال (۱۸۰۱ع) میں لکھنا شروع کیا تھا اور باعث عدم فرصت کے بارہ سئے سترہ ھ کے ابتدا میں انجام ہوئی“ اسکے یہ معنی ہوئے کہ وہ کلکتے میں سنہ ۱۷۹۸ع میں پہونچے ہیں، جہاں دو سال میر محمد کاظم خاں کی اتالیفی کی خدمت انجام دینے کے بعد فورٹ ولیم کالج میں ملازمت اختیار کی۔ اس سے پہلے یعنی سنہ ۱۷۶۱ع سے لیکر سنہ ۱۷۹۷ع تک وہ یا تو مسلسل عظیم آباد میں رہے یا پھر عظیم آباد پہونچنے سے پہلے ایک آدھ سال تک کچھ ادھر ادھر بھی بھٹکتے رہے ہیں۔ اب یہ دیکھئے کہ باغ و بہار کی تالیف کے موقع پر میر امن کی عمر طبعی کیا ہے۔ میں نے عمر طبعی کا ذکر کیا ہے جسے عناصر کے اعتدال و اضمحلال سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ سن وسال سے۔

”بارے طالع کی مدد سے ایسے جوانمرد (جان گلکر ایسٹ) کا دامن ہاتھ لگا ہے۔ چاہئے کہ دن کچھ بھلے آویں۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں۔ اور گھر میں دس آدمی* چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدردان کو کرتے ہیں“۔

اسی کے ساتھ اختتام کتاب کا قطعہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

میں اسکے سوا چاہتا کچھ نہیں
یہی ہے دعا میری اے کردگار

تری یاد میں میں رہوں دم بدم
کٹے اس طرح میرا لیل و نہار

---

* میرامن کثیر العیال تھے ”واسطے پرورش اطفال کے اس کثیر العیال نے ---“

گلشن خوبی دیباچہ

نہ پرسش کی سختی ہو مجھپر کبھی
نہ شب گور کی اور نہ روز شمار

تو کونین میں لطف پر لطف رکھ
خدایا بحق رسول کبار

ان دنوں اقتباسات کے آئینے میں ایک بوڑھا کھوسٹ آدمی گور میں پاؤں ڈالے روز شمار کی پرسش اور شب گور کی سختی سے گھبرایا ہوا اللہ اللہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ایک ٹکڑا کھا کے پاؤں پھیلا کر سو رہنے کو غنیمت جانتا ہے ۔ چنانچہ یہ مرد پیر اسی سال یعنی سنہ بارہ سو سترہ هجری کے آخر میں اس دارفانی سے رخصت ہوگیا ۔ اور اسکے متعدد ثبوت ہیں، ایک تو کہ فورٹ ولیم کالج کی خدمات کے سلسلے میں ان کا ذکر ۱۸۰۲ع کے بعد وہاں کی رپورٹ میں نہیں آتا ہے ۔ اس میں شبہہ نہیں کہ باغ و بہار کے بعد انھوں نے ملاحسین الواعظ کاشفی کی کتاب اخلاق محسنی کا ترجمہ بھی گلشن خوبی کے نام سے کیا جو کہ ایک مختصر سی کتاب ہے ۔ * چنانچہ وہ گلشن خوبی کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ،، سنہ ایک ہزار دو سو سترہ هجری میں مطابق اٹھارہ سو دو عیسوی کے باغ و بہار کو تمام کرکے اسکو لکھنا شروع کیا،، ۔ اور یہ تو وہ آپ کو بتا ہی چکے ہیں کہ سنہ ۱۸۰۲ع کے شروع میں انھوں نے باغ و بہار کو مکمل کر دیا تھا۔ اس لئے یہ عین قرین قیاس ہے کہ اخلاق محسنی کا ترجمہ بھی فوراً ہی اسکے کے بعد پانچ چھ مہینے میں ختم ہوگیا ہوگا ۔ اور یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ اب انکی تاریخ وفات کا پتہ چل گیا ہے ۔

نصراللہ خاں قمر خورجوی اپنے تذکرے ،، ہمیشہ بہار ،، میں احسن شاعر کے ذکر میں یوں لکھتے ہیں ،، احسن میر احسن نام دارد پسر میر امن از خوش

---

* گلشن خوبی مطبوعہ احمدی پریس (ہگلی) ۱۸۴۶ع ۔ اس نسخے میں اٹھارہ بائس سائز کے ۶۲ صفحات ہیں، ہر صفحے پر ۱۶ سطر اور دس گیارہ الفاظ ہر سطر میں اوسطاً ہیں ۔

فکران مرشدآباد است جوانے دلچسپ و با اکثر خوبی موصوف از مدتے در عظیم‌آباد می باشد۔ و از فیض صحبت فقیہ، صاحب درد مند، شاگرد مرزا مظہر جانجاناں۔ انشا خوب می‌نویسد و در تاریخ دانی دستگاہ درست دارد۔ پدرش روز پنشنبہ وقت صبح سال سنہ ۱۲۱۷ ہجری رہ آورد بادیہ فنا شد۔ بعد وفات پدر نامدار، نواب الدولہ کہ از امرائے آں دیار اند او را بسلک مصاحبت خود منسلک کردند،،۔

نصراللہ خاں قمر خورجوی کے اس بیان کی تصدیق مولوی مجتبی علی خاں جو فاموی کے اس اندراج سے بھی ہوتی ہے جسے انھوں نے میر امن کی موت کا اپنی کتاب ,,مواقیت‌الفواتح،، میں کیا ہے۔

,,میر امن دھلوی صاحب گلشن خوبی، در سال دو از دہ و دھم و ھفت ھجری نبوی فوت شدند،،

مواقیت‌الفواتح کا ذکر مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب نے اپنی کتاب ,,ارمغان یاور،، میں بھی کیا ہے۔ اسکا قلمی نسخہ کرنا ٹک یا مدارس کی کسی لائبریری میں ہے، جہاں تک مولوی مجتبی علی خاں جو فاموی کے ذکر خیر کا تعلق ہے، وہ قدرت اللہ شوق کے نتائج‌الافکار میں بھی پایا جاتا ہے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے۔ ,مولوی مجتبی‌علی کا تخلص خوشنود تھا۔ عربی اور فارسی میں شعر کہتے تھے آپ جو فاموؔ سے قاضی‌القضات کا امتحان دینے کی غرض سے سنہ ۱۲۱۶ ھجری میں کلکتے گئے،۔ اغلب یہی ہے کہ ان کے کلکتے کے دوران قیام ھی میں میر امن کا انتقال ھوا ھوگا۔ چونکہ وہ قاضی‌القضات تھے اسلئے انھوں نے میر امن کو گلشن خوبی کی نسبت سے یاد فرمایا اور باغ و بہار کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ گلشن خوبی ایک اخلاقی کتاب ہے اور باغ و بہار ان کے نقطہؑ نظر سے ایک مز خرافات کی شے تھی۔

ان حالات کے پیش نظر مجھے تو ان کی عمر سنہ ۱۲۱۷ ھجری میں ستر سال سے کم کی نظر نہیں آتی ہے، ایسی صورت میں یہ تصور کرنا کہ

وہ محمد شاہی عہد کے کسی سال میں پیدا ہوئے ہونگے جو کہ سنہ ۱۷۲۰ع سے لیکر ۱۷۴۸ع تک رہا ہے بالکل ہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے* اس کا ایک داخلی ثبوت یہ بھی ہے کہ انھوں نے جس دلی کی معاشرت کی تصویر باغ و بہار میں کھینچی ہے وہ محمد شاہی عہد کے دور فراغت کی معلوم ہوتی ہے کہ پھر وہ زمانہ لوٹ کر نہیں آیا اور تاوقتیکہ انھوں نے وہ زمانہ دیکھا نہ ہو وہ اسکی تصویر ایسی چابکدستی سے کیونکر کھینچ سکتے تھے۔ اس عہد فراغت کی تصویر تاجروں کی خوشحالی اور ضیافتوں کے اہتمام میں ملتی ہے جہاں مے نوشی اور گانا بجانا آداب مجلس میں شامل تھا۔

*محمد حسین آزاد نے بھی انھیں اپنے مضمون ,,شہرت عام بقائے دوام،، میں محمد شاہی عہد کا بتایا ہے۔

میر امن کے ترجمے کی نوعیت اور اہمیت

قبل اسکے کہ ہم باغ و بہار کا تنقیدی مطالعہ کریں یعنی اسے ایک داستان کی حیثیت سے بھی جانچیں نہ کہ صرف زبان و بیان کے اعتبار سے۔ ہمیں اسکے ترجمے کی نوعیت کو سمجھ لینا چاہئے کیونکہ یہ اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر یہ صرف ایک ترجمہ ہے تو پھر اسے صرف ترجمے ہی کی حیثیت سے کیوں نہ دیکھا جائے۔

میر امن کا ترجمہ نقل بھی ہے اور اصل بھی۔ نقل اس معنی میں ہے کہ انھوں نے قصۂ چہار درویش کے بنیادی خد و خال میں جو کہ ''نو طرز مرصع'' میں پائے جاتے ہیں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے اور اصل اس معنی میں ہے کہ ''باغ و بہار'' کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ نہیں ہے۔ اور نہ یہ کسی ترجمے کی اصلاح یافتہ صورت ہے، بلکہ اپنا ایک آزاد وجود رکھتا ہے۔ میر امن نے ''نو طرز مرصع'' کے مطالب کو ذہن میں رکھکر اسے ''اپنے محاورے'' اور ''ہندوستانی گفتگو'' میں اسطرح بیان کیا ہے کہ اس سے قصے کے قالب میں ایک نئی جان آگئی ہے۔ بات یہ ہے کہ کردار کی تخلیق میں مکالمے کو بڑا دخل ہوتا ہے اور چونکہ اس کتاب میں مختلف کرداروں سے گفتگو میر امن نے انکی اپنی زبان میں کرائی ہے اسلئے یہ کتاب بہت کچھ طبع زاد ہو گئی ہے۔ چنانچہ اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے جان گلکرایسٹ نے ان کی خدمت میں یہ خراج تحسین پیش کیا ''اسمیں کلاسیکی پاکیزگی ایسی ہے کہ اسپر بڑی حد تک طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے''۔

اس کتاب کی توخیر نوعیت ہی مختلف ہے، جہاں میر امن نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے وہاں بھی انکے ترجمے کی نوعیت عام مترجموں کے

ترجموں سے مختلف ہے ۔ گلشن خوبی سے ایک چھوٹا سا اقباس ملاحظہ کیجئے ,, کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے جب اپنی زندگی کی امانت اجل کے فرشتے کو سونپی اور اسباب اپنی ہستی کا اس سرائے فانی سے منزل باقی میں پہنچایا، کسو شخص نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہو مرنے کے بعد تم پر کیا کیا واردات گزری اور اب کیا حال ہے جواب دیا کہ ایک مدت تئیں عذاب کے عقاب کے پنجے میں اور سختی کے شاہین کے چنگل میں گرفتار تھا ۔ ایک بارگی کریم کے کرم سے ان حالات سے چھٹکارا ہوا اور سارے گناہ معاف ہو گئے،،—

وہ اپنے اس ترجمے کی نوعیت پر اسی کتاب کے دیباچے میں خود بھی روشنی ڈالتے ہیں ۔ ,,لیکن فقط فارسی کے ہو بہو معنی کہنے میں کچھ لطف اور مزہ نہ دیکھا اسلئے اسکا مطلب لیکر اپنے محاورے میں سارا احوال بیان کیا اور جسطرح شیخ سعدی شیرازی کی گلستاں بہ سبب(لچ؟) فارسی کے مکتب میں پہلے کام آتی ہے ویسے ہی میں نے بھی آردوئے معلا کی زبان کوبے پیچ ورکاؤ جسے بادشاہ سےلیکر امراؤ اور اسکے ملازم بولتے ہیں بولا ۔ الا نہ عربی و فارسی کی لغتیں اصطلاحیں چاہتا تو بہت سی بھر دیتا لیکن یہ زبان کچھ کیفیت نہ پاتی بلکہ امیزش پاکر کچھ زبان اور کی ہوجاتی،،

اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب وہ فارسی سے ترجمہ کرنے میں اسقدر آزادی کو دخل دیتے تھے تو پھر ,,نو طرز مرصع،، کے مطلب کو جو کہ اردو زبان میں ہے اپنے محاورے میں بیان کرنے میں کسقدر آزادی برتی ہوگی—

اب سوال یہ ہے کہ ایک ایسے دور میں جبکہ اردو نثر کو کسی نے منہ نہیں لگایا تھا اور فارسی نثر کی مسجع اور مقفے عبارت کا اسلوب عام طور پر ذہنوں پر چھایا ہوا تھا میر امن نے اسقدر سہل اور سادہ اسلوب کیونکر نکالا

جبکہ اس کا کوئی نمونہ انکے سامنے موجود نہ تھا* - ایک جواب تو یہ ہے جو کہ عام طور پر دیا جاتا ہے کہ اسمیں فورٹ ولیم کالج کی ضروریات کو دخل تھا - انگریز افسروں کو ایسی ہندوستانی سیکھنی تھی جس سے انھیں خاص و عام کی گفتگو سمجھنے اور ان سے گفتگو کرنے میں آسانی ہو - لیکن یہ جواب کافی نہیں ہے گو کہ یہ فیکٹر اس میں شامل ہے - باغ و بہار کوئی ہندوستانی بول چال کی کتاب نہیں کہ اسے اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔ اس کام کے لئے تو وھاں کے انگریز اساتذہ نے متعدد کتابیں خود لکھی ھیں - میر امن یا فورٹ ولیم کالج کے دوسرے ہندوستانی اساتذہ کو اسامی اس بات کی نہیں ملی تھی کہ وہ انگریز افسروں کو ہندوستانی بول چال سکھائیں یا ہندوستانی بول چال کی کتابیں لکھیں - ان کا انتخاب نہ تو اس غرض سے کیا گیا تھا اور نہ انکے ذمہ یہ خدمت تھی - ان کا کام تو یورپی طلباء کو مشرق کے ادب سے رو شناس کرانے اور ہندوستانی زبان کی خوبیوں اور لطافتوں سے متعارف کرانے کا تھا - چونکہ بد قسمتی سے اردو نثر کا کوئی سرمایہ نہ تھا اسلئے ان کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ ہندوستانی زبان میں معیاری نثر کا نمونہ پیش کریں--اور چونکہ یہ کام جلد تر اور بدرجہ احسن صرف فارسی کتابوں کے ترجموں کے ذریعے ھی انجام پا سکتا تھا اس لئے انھیں اس کام پر مامور کیا گیا - یہاں جو بات ذھن نشین کرنے کی ہے وہ یہ کہ ان کا کام ترجمہ کرنا نہیں تھا، بلکہ ہندوستانی نثر کا معیاری نمونہ پیش کرنا تھا - ھاں یہ ضرور ہے کہ اس نثر کے معیار کو متعین کرنے میں ان ہندوستانی علما کے مذاق کو اتنا دخل نہ تھا جتنا کہ کالج کے انگریز اساتذہ کے مذاق کو - وھیں سے ھمارے ادب کی تاریخ ایک نیا موڑ اختیار کرتی ہے جو ہر چند کہ خارجی اسباب کے باعث تھا، لیکن

* باغ و بہار سے غالباً چند سال پہلے کی ایک داستان ,,شاہ شجاع الشمس،، شاہ عالم ثانی کی تصنیف کی ہوئی پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے مولوی ذکاءاللہ تاریخ ہند جلد نہم میں لکھتے ھیں کہ اس کی عبارت میر امن کی عبارت کی طرح سہل اور سادہ ہے - چونکہ مجھے اس کتاب کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے اس لئے اسے زیر بحث لانا مناسب نہیں سمجھا -

اس نے ایسا زبردست انقلاب پیدا کیا کہ بالاخر وہی سادگی یا نیچرلزم، جب ہمیں ہوش آیا سرسید اور حالی کے زمانے میں، ہمارے جدید ادب کی سنگ بنیاد ٹھہری۔ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ ہوں یا کہ ٹاسس رویک اور جوزف ٹیلر، یہ تینوں ہی فورٹ ولیم کالج کے سربرآوردہ اساتذہ انگلستان کی تحریک افادیت (utilitarianism) اور ایڈیسن اور گولڈ اسمتھ کی تحریک نیچریت سے متاثر تھے۔ وہ اردو نثر کو انہیں دونوں تحریکوں کی صفات کے آئینے میں دیکھنا چاہتے تھے۔ جہاں افادیت کے تحت وہ بیکار الفاظ کے طومار سے نفرت کرتے وہاں نیچر لزم کے تحت وہ سادگی، صفائی بیان اور پاکیزگیٔ زبان کو پسند کرتے۔ اس موقع پر مجھے گارساں دتاسی کا ایک جملہ باغ و بہار کی خوبی سے متعلق یاد پڑ رہا ہے، اس سے ان نکات پر بھر پور روشنی پڑتی ہے۔ ,,حضرات! اس کتاب میں آپ اس زبان کا مطالعہ کرینگے جو ہندوستانی کہلاتی ہے اور اسمیں آپ ان الفاظ کو نہیں پڑھینگے جنکا کوئی مفہوم نہیں —آپ اسکے علاوہ ایک اور بات بھی پائینگے وہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ خیالات کی نیابت کرتے ہیں،، اور وہی سشخص فورٹ ولیم کالج کے افسانوی ادب کے ترجموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ,,ان ترجموں کو اگر ذرا غور سے دیکھنے کی زحمت گورا کی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ترجمہ تو کیا انھوں نے تقلید بھی نہیں کی وہ بالکل جدا کتابیں ہیں۔ قصہ تو وہی ہے مگر مضمون کی صورت بالکل الگ ہے،،—

اب مجھے اس سلسلے میں صرف ایک سوال کا جواب دینا رہ گیا ہے اور وہ سوال ایسا ہے جسے نہ تو آج تک کسی نے اٹھایا اور نہ کسی نے اسکے جواب دینے کی ضرورت محسوس کی۔ میر امن نے کیوں ,,نو طرز مرصع،، ہی کو باغ وبہار کے ماخذ کے لئے منتخب کیا، کیوں نہیں فارسی کے قصہ٘ چہار درویش کو اس کا ماخذ بنایا؟ یہ سوال اسلئے اور بھی زیادہ اہم ہے کہ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ میر حسین عطا خاں کے ,,نو طرز مرصع،، کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ,, اردو زبان کے ایک نمونے کی حیثیت سے یہ ترجمہ عربی فارسی کے فقرے اور محاوروں کی بہتات کے باعث ناقص قرار پایا اس نقص کو دور کرنے کے لئے میر امن دلی والے نے میر حسین عطا خاں تحسین کے ترجمے سے اپنا نیا اسلوب (version) نکالا،، جب یہ ترجمہ اسقدر ناقص تھا تو پھر

اسی کو ماخذ بنانے کا کیا سبب تھا؟ جہاں فارسی کے دوسرے قصوں کا براہ راست ترجمہ کیا گیا وہاں فارسی کے اس قصہ' چہار درویش کا بھی براہ راست ترجمہ ہو سکتا تھا۔ اور غالباً اتنا ہی اچھا ہوتا جیسا کہ اخلاق محسنی کا گلشن خوبی کے نام سے ہوا ہے ۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میر حسین عطا خاں تحسین سے بھی قصہ' چہار درویش کا ترجمہ اسی غرض سے کرایا گیا تھا کہ اس سے صاحبان ذی شان اروئے معلا سیکھیں ۔ اور جب صاحبان ذی شان نے اسے رنگینیٔ عبارت اور عربی فارسی کے فقروں کی بہتات کے باعث ناقص قرار دیا تو پھر اس نقص کو دور کرنے کے لئے میر امن کو یہ کام دیا گیا ۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ ایسا ہی تھا جیسا کہ گلکر ایسٹ کا یہ جملہ اشارہ کرتا ہے ,, اس نقص کو دور کرنے کے لئے میر امن نے تحسین کے ترجمے سے اپنا نیا اسلوب (version) نکالا ،، اسکے یہ معنی ہوئے کہ میر امن نے خود سے ,, نو طرز مرصع ،، کو قصہ' چہار درویش کا ماخذ نہیں بنایا، بلکہ انھیں ,, نو طرز مرصع،، اسی غرض سے دیا گیا کہ وہ اسکے نقص کو دور کرکے ,, سہل و سادہ اور صاف اسلوب،، (گلکر ایسٹ) میں لکھیں ۔ اب یہ اللہ کی دین تھی کہ میر امن نے اسے ایسی کلاسیکی پاکیزگی، شستگی، صفائی اور سادگی سے لکھا کہ اس پر جان گلکر ایسٹ کو طبع زاد ہونے کا گمان ہوا ۔ لیکن اس سے بات مکمل نہیں ہوتی ہے جبتک یہ نہ بتایا جائے کہ تحسین نے قصہ' چہار درویش کا ترجمہ کیونکر اور کب شروع کیا، اور انھوں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں اس ترجمے کی نوعیت کے بارے میں کیا لکھا ہے۔

میر حسین عطا خاں تحسین شجاع الدولہ کے زمانے میں لکھنؤ آنے سے بہت پہلے کلکتے میں ایک انگریز، جنرل اسمتھ کے میر منشی تھے ۔ ایک روز وہ جنرل اسمتھ کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ دفع الوقتی کے لئے انکے ایک عزیز دوست نے قصہ' چہار درویش سنایا ۔ یہ قصہ جنرل اسمتھ کو اسقدر پسند آیا کہ اسنے اسے ھندی زبان میں ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا لیکن چونکہ وہ ولایت واپس چلا گیا اسلئے اسے ,, بیچ عبارت رنگین، زبان ھندی کے،، لانے کی لگن بھی انکے دل سے جاتی رہی، اور وہ لگن پھر اسوقت زندہ ہوئی جبکہ کئی سال کے وقفے کے بعد انھوں نے اسکے دو چار

فقرے ، (بیچ عبارت رنگین زبان هندی کے) نواب شجاع الدولہ کو سنائے اور انهوں نے اسکو ,, زیور عبارت سے آراستہ کرنے کا،، حکم دیا ۔ اسکے یہ معنی هوئے کہ انهوں نے اسکا ترجمہ جنرل اسمتھ هی کے زمانے میں شروع کر دیا تھا، هر چند کہ لکھنؤ آنے سے پہلے وہ ترجمہ بہت هی قلیل تھا ۔ چنانچہ یہی سبب هے کہ وہ اپنے ترجمے کا مقصد انگریزوں کو اروئے معلی سکھانے هی کا ٹھہراتے هیں ۔ دیباچے کی یہ عبارت صاف اسکی طرف اشارہ کرتی هے ,, اور یہ کہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اروئے معلی کا رکھتا هو، مطالعہ' اس گلدستہ' بہاریں کے سے، هوش و شعور فحوائے کلام کا حاصل کرے کہ واسطے علم مجلس کے لسانی زبان هندوستان کی، بیچ حق آدمی بیرونجات کے، خراد، کندۂ ناتراش کے تئیں هے،،

اب یہ دوسری بات هے کہ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ نے اسے خراد اپنے حق میں تصور نہ کیا بلکہ اس پر خراد میر امن سے چڑھوایا ۔ بہر حال اس سے جو بات کہ ظاهر هوئی هے وہ یہ هے کہ تحسین نے یہ ترجمہ صاحبان ذی شان هی کے خراد کے لئے کیا تھا ۔ چنانچہ یہی سبب هے کہ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ کی نظر انتخاب جہاں تک هندوستانی زبان کا تعلق هے پہلے اسی کتاب پر پڑی اور کیا عجب کہ اس کا کوئی نسخہ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ کو اس وقت هاتھ لگا هو جبکہ وہ ۱۸۸۰ع میں ایک طویل رخصت پر فیض‌آباد اور لکھنؤ وغیرہ اچکن اور سلیم شاهی جوتا پہن کر هندوستانی زبان سیکھنے کے لئے گئے تھے ۔ ,, نو طرز مرصع،، اس وقت تک لکھی جا چکی تھی ۔

میر امن اور ,, نو طرز مرصع،، کو اپنا ماخذ ٹھہرائیں ارے معاذ اللہ ۔ اسکا ایک جملہ تو درست هے نہیں* اور کیا عجب کہ اسی باعث انهوں نے اس کا ذکر

---

*ایک جملہ ملاحظہ هو ۔ ,,جب ماهتاب عمر میرے کا بدرجہ' چہار دہ سالگی کے پہونچا ۔ روز روشن سرور و ابتہاج اس تیرہ بخت کا تاریک تر شب یلداں سے هوا یعنی پیمانہ' عمر و زندگانی ما در و پدر بزرگوار کا شراب خوشگوار حظوظ نفسانی کے سے لبریز هوکے اسی سال میں صدمہ' دست قضا سے ڈھلا،،

اپنے دیباچے میں نہیں کیا، اور صرف امیر خسرو کا نام لیا، "نو طرز مرصع" کو تو ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے انکے سر تھوپا۔ بندگی بیچارگی، پھر انھوں نے بھی اس جبر کو بھلا کر ایسا لکھا کہ ان کی حیثیت ایک فنکار کی بن گئی۔

مرے خون دل سے یہ سیراب ہے
اور لخت جگر کے ہیں سب برگ وبار

جب خون دل اور لخت جگر کا یہ عالم ہو تو پھر کیوں نہ افراد قصہ محمد شاہی عہد کا لباس زیب تن کئے ہوئے زندہ ہوں اور دلی کے گلی کوچے قلعہ اور بازار سب جاگ اٹھیں۔ یہیں سے میر امن ایک مترجم کی حیثیت سے رخصت ہوتے ہیں اور ایک مصنف کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ اور اپنے قارئین سے یہ قول و قرار کرتے کراتے ہیں۔

مجھے بھول جاویں گے سب بعد مرگ
رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھکو کرے
یہی قاریوں سے مرا ہے قرار

قصہ چہار درویش کا تنقیدی مطالعہ

پچھلے صفحات میں اس حقیقت کا اظہار کیا جا چکا ھے کہ یہ قصہ محمد شاھی عہد میں موضوع یا مخترع نہیں ھوا۔ یہ قصہ اس عہد سے پہلے سے مروج تھا۔ تبھی تو حکیم محمد علی خاں المخاطب معصوم علی خاں نے اسے ,,ھندی زبان سے سطر بسطر ترجمہ کیا،،۔ اسلئے جہاں تک کہ نفس قصہ کا تعلق ھے اسے محمد شاھی عہد کا مخترع تصور نہیں کرنا چاھئے۔ محمد شاھی عہد میں تو صرف ایک ھی داستان وضع کی گئی۔ اور وہ داستان بوستان خیال ھے۔ جسپر فتح اسلام کا اشتہار چسپاں کرکے حکمت و نجوم کے ایک بازیگر میر محمد تقی خیال رنگیں مزاج نے کچھ اپنی کامجوئی اور ھوس رانی کا اظہار کیا ھے تو کچھ اپنے عہد کے رؤسا اور امرا کی عیش کوشی کو طلسماتی فضا میں پہونچایا ھے اور اسطرح داستان امیر حمزہ کا منہ چڑایا ھے اسکو قصۂ چہار درویش سے کیا نسبت جو کہ بقول محمد عوض زریں ایک ایسی ,,حکایت عشق انگیز اور روایت درد آمیز ھے کہ رسیدگان عالم امکان کو نیرنگئی روزگار سے گوش گزار اور صنایع و بدایع بر حق سے خبردار کرتی ھے۔،،

نیرنگئی روزگار ھو کہ صنایع و بدایع پروردگار، دونوں ھی اھل تصوف کی نظر میں اسی ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ھیں کہ عالم تغیرات کی زد میں ھے۔ اس میں قیام صرف ایک اس ذات برحق کو ھے جسکی یہ نیرنگیاں اور تلون مزاجیاں ھیں، وہ بے نام و نشان ھوتے ھوئے بھی ھمہ نام اور ھمہ نشان ھے۔ اور یہ اس کا اپنا شوق نمود ھے جو اسے تعینات کے پردے میں لایا ھے۔ عشق اسی نمود کا جذبہ ھے جو اسکی غیر ذات کی تخلیق کا موجب اور پھر ان دونوں کے درمیان اتصال پیہم اور فراق دائم کا سبب بنا۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ جذبۂ عشق کو عالم کی تخلیقی اور تخریبی دونوں قوتوں سے تعبیر کرتے اور چونکہ جنسی کشش بھی عشق ھی

کی ایک صورت ہے اسلئے انکے یہاں اسکی حکایت ایک مخصوص داستان محبت اور ایک معموم اشارۂ حقیقت دونوں ہی ہے ۔ وہ تعمیم حقیقت خصوص میں کرتے نہ کہ خصوص سے باہر ۔ اسلئے صوفیانہ شاعری اور آرٹ جس میں داستان گوئی بھی شامل ہے سمبالک ہوتا ہے، یعنی ایک ہی معنی میں تخصیص و تعمیم کے دونوں پہلو رکھتا ہے نہ کہ ایلیگاریکل جہاں تعمیم خصوص سے باہر ہوتی ہے اور اسطرح اسکے دو معنی ہوتے ہیں جنکے درمیان ربط داخلی نہیں بلکہ خارجی ہوا کرتا ہے ۔ و حوش و طیور کے اخلاقی قصے اسی کے تحت آتے ہیں ۔ قصہ٫ چہار درویش ایلیگا ریکل نہیں بلکہ سمبالک ہے ۔ یہ سمبالک چار درویشوں کی سیر میں ہے نہ کہ چھوٹے چھوٹے ضمنی قصوں یا آزاد بخت بادشاہ کی سر گزشت میں، جہاں خواجہ سگ پرست کا قصہ اس سنفی اخلاقی قدر کی تبلیغ کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ ،، انسان بے وفا بد تراز حیوان باوفااست،،

ایسی صورت میں اس قصہ کی روح تک پہنچنے کے لئے ہمیں اسکے بالائی خول کو اتار کر دیکھنا ہوگا جس میں اخلاقی اقدار کی تبلیغ کے ضمنی قصے بہت سے بھرے پڑے ہیں ۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ اسکے اندرونی مغز اور بالائی خول یا اسکی روح اور جسم کے درمیان کوئی تضاد ہے ۔ اسکے بالکل ہی برعکس ان دونوں میں ایک ہم آہنگی ہے مقاصد کی ۔ اگر اس کا اندرونی مغز ایک روحانی تجربے کی صوفیانہ تعمیم حقیقت پیش کرتا ہے تو اس کا بالائی خول صوفیانہ اقدار کی تبلیغ و ترسیل کی خدمت انجام دیتا ہے ۔ اور فنکار کے یہ دونوں عمل جو کہ ایک وحدت میں پروے ہوئے ہیں مصور ہیں جیسا کہ ارٹ میں ہونا چاہئے ۔

اب آپ پہلے درویش کے روحانی تجربے کی سمبالک صورت ملاحظہ کریں ۔ پہلا درویش کہتا ہے ،، غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے ۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا مزاج بھی بہک گیا ۔ شراب ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا ۔ پھر نوبت یہ پہونچی کہ سودا گری بھول کر تماش بینی اور دینے لینے کا سودا ہوا،،

اور وہ اس پستی یا اخلاقی گراوٹ کی طرف اس تیزی سے بڑھتا ہے کہ اسکے دل سے احساس خودی اور اعتماد عمل جاتا رہتا ہے وہ اپنی بہن کے روٹی کپڑے پر پڑ رہتا ہے۔ بالاخر وہی بہن جو کہ ماجائی ہے اپنے پیار اور مامتا سے اور کچھ غیرت دے دلا کر اس میں از سر نو احساس خودی اور اعتماد عمل پیدا کرتی ہے۔ اور وہ ہیرو ایک نئے عزم و یقین اور احساس خودی کے ساتھ زندگی کا ایک نیا سفر اختیار کرتا ہے۔ کوچ در کوچ، دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا جب وہ اپنے شہر نگار کے دروازے پر پہنچتا ہے تو دربان اسے روکتے ہیں۔ کہ اتنی رات گئے دروازہ نہیں کھل سکتا ہے، عین اسوقت جبکہ آدھی رات ادھر اور آدھی رات ادھر تھی، روحانی سفر رات کی ایسی ہی تاریکی میں تو کیا جاتا ہے، ایک خزانہ غیب سے ہاتھ آتا ہے۔ درویش صندوق کو کھولتا ہے تو زروجواھر کی جگہ کہ یہ تو وہ بہت پہلے ہی لٹا چکا تھا، ,,ایک معشوق خوبصورت، کامنی سی عورت، گھایل، لہو میں تر بتر آنکھیں بند کئے پڑی کلبلاتی ہے،، کلبلانے کا لفظ کسقدر اہم ہے، گویا وہ بھی ایک نئی زندگی اختیار کر رہی تھی، اس کی مسیحائی کو عیسا جراح آتا ہے جب وہ بھلی چنگی ہو جاتی ہے تو اسکی رفاقت اور محبت میں درویش کو سعادت کونین حاصل ہوتی ہے، لیکن ایک ذرا سی بھول چوک سے کہ ,,ایک نا آشنا سے کیوں ایسی محبت گرم کی کہ اس پری کو بھول گیا،، وہ اسے کھو بھی دیتا ہے، شاید اسلئے کہ ابھی عشق میں اسکا امتحان مقصود تھا۔ درویش ناچار اسکی جدائی میں تڑپتا اور اسے ڈونڈھتا پھرتا ہے۔ جب حکیم حاذق اسکے عشق صادق کی گواھی دیتا ہے، تو وہ پری اسپر پھر مہربان ہوتی ہے۔ اور اسے اپنے سودائے عشق کا صلہ ملتا ہے، لیکن چونکہ ہیرو کو اپنے اس روحانی سفر سے دنیائے سود و زیاں میں پھر لوٹنا تھا، وہ پری اسیطرح اس سے چھن جاتی ہے جسطرح کہ صندوق اسے غیب سے ملا تھا۔ خواب ختم ہوتا ہے اور وہ ہیرو رجائیت کی ایک بے پناہ طاقت کے ساتھ اپنی دنیائے سود و زیاں میں لوٹتا ہے۔

دوسرے درویش کا روحانی سفر اتنا مکمل نہیں ہے، شاید اس کا یہ سبب ہو کہ وہ اقرار خودی اور انکار خودی کے جذبوں میں بٹا ہوا ہے۔ اسکے

دل میں سخی بننے کا جذبہ جوکہ اپنی ذات سے دوسروں کی طرف بڑھنے اور پھیلنے کا جذبہ ہے اسکے عشق کے جذبے پر غالب آجاتا ہے جوکہ دوسروں کو اپنی انا کے تابع کرنے کا جذبہ ہے - پھر بھی وہ شہزادیٔ بصرہ کے عشق میں گرفتار ہوکر ایک کڑی آزمائش میں پڑتا ہے - شہزادۂ نیم روز کے حرکات جنوں کا راز معلوم کرتا ہے کہ وہ کہانی بذات خود عشق و جنوں کے رشتے پر روشنی ڈالتی ہے، لیکن قبل اسکے کہ وہ شہزادیٔ بصرہ کے پاس کامگار لوٹے، وہ سخی بننے کی دھن میں شہزادہ نیم روز کی غمگساری میں پڑ جاتا ہے اور اپنا گوہر مراد خدمت خلق سے حاصل کرتا ہے - یہاں درویش کا روحانی سفر کثرت سے وحدت کی طرف اتنا نہیں معلوم ہوتا جتنا کہ وحدت سے کثرت کی طرف ہے - شاید یہی سبب ہے کہ اس سیر میں شہزادی بصرہ کی کہانی پر زیادہ زور دیا گیا ہے جسکی خودی کے دو پہلو ہیں، ایک تو یہ کہ وہ جس اقرار خودی سے دولت لازوال حاصل کرتی ہے، اسی اقرار خودی سے وہ اپنے باپ کی محبت سے محروم بھی ہوتی ہے، لیکن یہ زیاں وقتی ہے وہ آخر کار اپنے اسی اقرار خودی کی حاصل کی ہوئی دولت لا زوال سے اپنے باپ کی محبت کو بھی دوبارہ حاصل کر لیتی ہے- اسطرح اقرار خودی ہی دولت لا زوال کا سر چشمہ بنکر ہمارے سامنے آتا ہے، شہزادی بصرہ کے اس روحانی سفر کی سرگزشت بھی عالم خواب ہی میں پیش کی گئی ہے - ’’بموجب حکم پادشاہ کے اس آدھی رات میں کہ عین اندھیری تھی ملکہ کو بھوئی ایک میدان میں چھوڑ کر چلے گئے‘‘، اب اسکے بعد ملکہ جو محل تیار کرواتی ہے وہ اصل میں اسکے خواب کا محل ہے-

تیسرے درویش کی روحانی سیر بہت ہی کمزور ہے - سیر کی ابتدا داستانوی اعتبار سے خوبصورت انداز میں ہوتی ہے، شہزادۂ عجم، شہزادیٔ فرنگ کی شبیہہ سے متعارف ایک طلسماتی فضا یا عالم خواب میں ہوتا ہے، نعمان سیاح کا قصہ اسی غرض سے بیان کیا گیا ہے، لیکن آگے چلکر شہزادے کو اسکے عشق میں کوئی مصیبت اٹھانی نہیں پڑتی ہے، کیونکہ جب وہ ملک فرنگ میں پہونچتا ہے تو شہزادیٔ فرنگ کا عاشق قتل ہو چکتا ہے، اور

اس سے زیادہ اسے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا نہیں پڑتا ہے کہ وہ مرحوم شہزادے کے جنازے میں شریک ہوتا ہے جوکہ ممنوع تھا لیکن یہ آزمائش معمولی ہے، اسکے بعد شہزادی پکے آم کی طرح اسکی گود میں ٹپک پڑتی ہے، لیکن جب اسے بھگانے کی مہم آتی ہے تو شہزادہ خاموش تماشائی بن جاتا ہے اور سارا معرکہ داروغہ بہزاد خاں سر انجام دیتا ہے، حتی کہ جب شاہزادی دریا میں ڈوبنے لگتی ہے تو اس وقت بھی اسکی جان بچانے کے لئے داروغہ بہزاد خاں ہی اپنا گھوڑا دریا میں ڈالتا ہے، اس سیر میں اگر کچھ جان ہے تو وہ صرف شہزادئ فرنگ اور اسکے چچا زاد بھائی کی داستان عشق میں ہے، چنانچہ یہی سبب ہے کہ اگر ایکطرف نعمان سیاح شہزادی کا بت بنا کر پوجتا ہے تو دوسری طرف مرحوم شہزادے کا کوکا اسکا جنازہ ہر مہینے کی نو چندی جمعرات کو نکالتا ہے۔

چوتھے درویش کی سیر میں شہزادۂ چین، عشق اور دولت کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔ ملک صادق کی امانت میں خیانت نہ کرنے میں جو تذبذب تھا اسمیں کسی اخلاق اصول کو محرک نہیں دکھلایا گیا ہے بلکہ اس جذبے کو کہ اگر وہ خیانت کرتا ہے تو پھر ملک صادق حصول سلطنت میں اسکی مدد نہ کریگا اور وہ اسکو چالیسواں بندر سونے کا نہ دیگا۔ اس کشمکش کا بھی اغاز حسب دستور طلسماتی فضا میں ہوتا ہے، شہزادہ تصویر دیکھکر پیر مرد عجمی کی دختر پر عاشق ہوتا ہے، اور اپنے رقیب کو ملک صادق ایسے جن اور اپنے باپ کے محسن کو پاتا ہے، لیکن عشق کا جذبہ ان ساری رکاوٹوں پر غالب آتا ہے اور وہ پیرمردعجمی کی دختر کو پاکر ایسی قوت حاصل کرتا ہے کہ سلطنت اور دولت سے بینیاز ہوکر ملک صادق پر حملہ کرتا ہے، اس حملے میں وقتی طور پر اسے شکست ہوتی ہے، لیکن جذبۂ عشق کی رہنمائی میں غیبی امداد پاکر بالا آخرکار وہ اسے مفتوح کرتا ہے۔

یہ ہے چاروں درویشوں کے روحانی سفر کا نچوڑ، ان چاروں سیروں میں انقلاب حقیقت جادو اور سحر کی مدد سے کم دکھایا گیا ہے، وہ زیادہ تر عشق کی

کرامات سے ہوتا ہے جسمیں تائید غیبی اور فوق فطرت طاقتوں کی امداد کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ درویش تو صرف نفس امارہ کے شیطان کو مار سکتا ہے۔ آخر ان طاقتوں سے نپٹنے کے لئے بھی تو کوئی چاہئے جو طاغوتی ہیں، فوق فطرت طاقتیں انہیں طاغوتی قوتوں کی سرکوبی کے لئے آتی ہیں، ایک موقع پر یہ کام اسم اعظم کے عمل سے بھی لیا گیا ہے، لیکن اس کا اعادہ پھر نہیں کیا گیا ہے، بہ حیثیت مجموعی نشان فتحمندی اسم اعظم کے ہاتھ میں نہیں رہتا ہے بلکہ عشق صادق کی راہ میں جان کی بازی لگانے اور امداد غیبی پر بھروسہ کرنے میں ملتا ہے۔ شہزادے ہوں یا کہ خوجہ زادے عشق کی دولت سے فیضیاب ہو کر ملک و مال اور تاج و تخت کی طرف نہیں لوٹتے ہیں بلکہ فقیر اور درویش بن جاتے ہیں، فقر و قناعت، صبر و توکل، اور سہائی اختیار کرتے ہیں اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ آج یہ اقدار مقبول نہیں ہیں لیکن جس زمانے میں کہ تصوف کی یہ اقدار ہماری سماجی زندگی میں غالب تھیں اس وقت کے نقطہ٬ نظر سے انکی اہمیت تو برقرار رہتی ہی ہے، اور تصوف کی یہ ساری آقدار اٹھارویں صدی کے اختتام تک ہمارے معاشرے میں غالب رہیں ہیں، اسپر یہ اعتراض کہ ان چاروں درویشوں کا رویہ پادشاہ آزاد بخت کے حضور میں قلندرانہ نہیں بلکہ گداگرانہ ہے ,, بادشاہ سے یہ بات سنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے اور سر نیچے کر کر چپ ہو رہے، طاقت گویائی کی نہ رہی،، اسکی صوفیانہ اہمیت کو گھٹاتا نہیں بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ داستان اسوقت کہی گئی جبکہ تصوف کی تحریک میں انحطاط پیدا ہو چکا تھا۔ ہمارے بعض نقادوں نے خیر و شر کی ایک عمومی جنگ کے پس منظر میں جو کہ تقریباً ہر داستان میں پائی جاتی ہے اس داستان کے بھی اخلاقی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن وہ کافی نہیں ہے تاوقتیکہ اسے ہندی تصوف کی تحریک کے پس منظرمیں نہ دیکھاجائے۔ اسی وقت ہم پر چاروں درویشوں کے سیرکی کیفیت منکشف ہوسکتی ہے، اس داستان میں صرف چند اخلاقی اقدار کی تبلیغ و ترسیل ہی کا کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ درویشوں کو مقامات عشق سے بھی گزارا گیا ہے۔ اسکی نوعیت انیسویں صدی کی ان داستانوں سے مختلف ہے جو افیون کی چسکی میں کہی گئی ہیں۔ رہ گئی

یہ بات کہ اس میں بھی مثل اور داستانوں کے جن و پری کی بھی باتیں ہیں تو یہ کون سی نئی بات ہوئی جن و پری اور اسم اعظم پر سے بہت سے لوگوں کا اعتقاد تو ادھر حال میں اٹھا ہے جب سے کہ سر سید نے اسپر ضرب کاری لگائی۔ ورنہ اٹھارویں صدی کے اختتام تک تو وہ اتنے ہی حقیقی تھے جتنے کہ مردم زاد۔ اور تعویذ گنڈے، جھاڑ پھونک پر ویسا ہی اعتقاد تھا جیسا کہ ان دنوں ڈاکٹروں کے علاج پر ہے۔ ہمارا کائناتی، سماجی اور نفسیاتی نقطۂ نظر اس زمانے میں وہی تھا جو کہ اس داستان میں ہے، یہ داستان، پارینہ تو آج بن گئی ہے ورنہ اس زمانے میں تو اسکا ایک زندہ اور حرکی عمل تھا۔ لیکن اگر آپ اسے داستان کی ٹکینک سے نہیں بلکہ ناول کی ٹکنیک سے جانچنے کی کوشش کرینگے تو یقیناً آپ کو مایوسی ہوگی کیوں کہ دونوں کے درمیان صرف ذہنی ارتقا کا فاصلہ ہی حایل نہیں ہے بلکہ دونوں کے مٹیریل اور ٹکینک میں فرق بھی ہے۔ داستان کا مٹیریل روز مرہ کی زندگی سے نہیں بلکہ خواب و خیال کی دنیا سے لیا جاتا ہے جہاں حقیقت پر تخیل کا ایک سحر افریں سائیہ سا لرزتا رہتا ہے۔ اس دنیا میں فوق الفطرت، فطری اور فطرت، فوق الفطرت بن جاتی ہے۔ داستانوں کے واقعات کے پیچھے اسباب و علل کا کوئی مجرد قانون نہیں ہوتا کہ ہم ایک کوقانون اسباب کی روشنی میں فطری اور دوسرے کو عدم اسباب کے باعث غیر فطری قرار دیں۔ یہاں ہر حادثہ یا تو مشیت ایزدی کا مظہر ہوتا یا پھر فوق الفطرت طاقتوں کی تلون مزاجیوں کا نتیجہ جنھیں مشیت ایزدی کی تعمیل کا آلہ کار تصور کیاجاتا اور جو حادثات کہ انسان کے عمل سے صورت پذیر ہوتے ان میں بھی مشیت ایزدی کا ہاتھ ہوتا کیونکہ انسان کی خود مختاری اسکی مشیت کے جبر سے آزاد تصور نہ کیجاتی لیکن جسطرح کہ انسان میں خیر و شرکی دو متضاد طاقتیں ہیں اور ان دونوں میں سے کسی کے اختیاز کرنے کی اضافی آزادی بھی ہے اسی طرح فوق الفطرت دنیا کے افراد یعنی جن و پری کوبھی خیر و شرکی طاقتوں میں بٹا ہوا دکھایا جاتا۔ چنانچہ داستانوں کے افراد کی زندگی میں ٹریجڈی کچھ انھیں کی قوت ارادی کے ٹکراؤ سے پیدانہ ہوتی بلکہ اس میں فوق الفطرت ہستیوں کے ارادوں کو بھی دخل ہوتا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے رنج کو راحت میں بدلتے وقت فوق الفطرت ہستیوں

کی مدد کے طالب ہوتے ۔ اور اس سلسلے میں سب سے بڑی مدد انہیں ان ہستیوں سے ملتی جو انکے عقیدے کے مطابق معصوم ہوتیں ہ—

ان حالات کے پیش نظر جبکہ سلسلہ' حادثات کے پیچھے کوئی مجرد قانون تصور نہ کیا جاتا بلکہ مشیت ایزدی ہی کو مسبب الاسباب قرار دیا جاتا ان داستانوں کے پلاٹ جو کہ قصہ در قصہ ہوتے منطقی تسلسل یا اندرونی ارتباط سے بے نیاز ہوتے۔ ایسا ہی پلاٹ اس قصہ چہار درویش کا بھی ہے۔ اس میں بھی بہت سے واقعات ,,قضارا،، یا بغیر کسی سبب کے رونما ہوتے ہیں۔ جس وقت تیسرے درویش کی سیر میں شہزادئ فرنگ تلوار پھینک کر اپنے عاشق سے لپٹ جاتی ہے اور وزیر اسکے اس فعل پر شہزادے کو قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھاتا ہے تو ایک تیر غیب سے ناگہانی اسکی پیشانی پر آ کر لگتا ہے۔ قضارا، اسی کو کہتے ہیں۔ اب جو ناولوں کا نقاد اسے بے سبب قرار دیگا تو وہ اپنے ہی جہل سے الجھے گا۔

اسیطرح داستانوں میں زمان و مکاں کا تصور بھی دور حاضر کے تصور زمان و مکان سے مختلف ہوتا ہے۔ یہاں زمان و مکان کا تصور کیفیاتی ہے نہ کہ کمیاتی۔ داستان گو اپنے قصوں کا محل وقوع دور و دراز کے ملکوں میں رکھتا ہے اور اسکے لئے زمانہ، ماضی کا منتخب کرتا ہے تاکہ محیرالعقول باتیں یقین آفریں بن سکیں، لیکن چونکہ یقین آفرینی کا عنصر بھی ضروری ہے جیسا کہ خواجہ بدرالدین امان دھلوی فن داستان گوئی میں لکھتے ہیں کہ ,,تمہید قصہ میں بجنسہ تواریخ گذشتہ کا لطف حاصل ہو،، اسلئے تمہید قصہ میں نہ کہ قصے میں اسکا التزام کیا جاتا تھا کہ اسپر حقیقت کا دھوکا ہو۔ شہر نیمروز کب کسی نے دیکھا ہے لیکن داستان گو نے اسے ملک عمان میں دکھلایا ہے۔ حیرت ہے کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم ایسے پختہ کار بھی، داستان کی اس حقیقت کو پا نہ سکے اور انھوں نے میر امن کی جغرافیائی معلومات پر اعتراض کیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ یہ اعتراض جغرافیہ ہی تک محدود رکھا گیا، اور اسے تاریخ کی دنیا تک وسعت نہ دی گئی ورنہ آج ہم آپ قسطنطنیہ کے بادشاہ آزاد بخت کو

تاریخ میں ڈھونڈھتے پھرتے۔ کبھی کبھار تمہید قصہ میں زمان و مکان سے متعلق جو تفصیلات پیش کی جاتی ھیں تو اسکا مقصد قصے کو یقین آفرین بنانے کے لئے جغرافیہ اور تاریخ کا فریب پیش کرنا ھوتا ھے نہ کہ جغرافیہ اور تاریخ کو پیش کرنا۔ داستان کا معلم بیدار ھوتا ھے نہ کہ وہ جسکا کہ قصہ بیان کیا جاتا ھے۔ وہ تو عالم خواب میں ھوتا ھے۔ اسکے لئے کیا چین و ما چین اور کیا اصفہان، انکے فاصلے چٹکی بجاتے طے ھوتے ھیں۔ چین و ما چین کا شہزادہ ملک صادق کے ملک سے نکلتا ھے تو پھر سات برس کے سفر کے بعد ایک ایسے نگر میں پہونچتا ھے ,, جہاں کا ہر ایک متنفس اسم اعظم پڑھتا اور خدا کی عبادت بندگی کرتا نظر آتا ھے۔،، شاھزادے کو اسی نگر میں پیر مرد عجمی ملتا ھے لیکن داستان گو اسے ایک اندھے ھندوستانی فقیر کے روپ میں دکھاتا ھے۔ ,,ایک اندھا ھندوستانی فقیر بھیک مانگتا نظر آیا،، یہاں داستان گو اس پیر مرد عجمی کی ایک تصویر پیش کر رھا ھے نہ کہ یہ بات ھے کہ اسے یہ یاد نہ رھا کہ وہ پیر مرد عجمی ھے نہ کہ ایک اندھا ھندوستانی فقیر۔ اسی طرح وہ سراندیپ کے بت خانے میں لات و منات کو بٹھا دیتا ھے جنکا شاید آج کوئی ٹکڑا بھی باقی نہ ھوگا اور یہ بھول جاتا ھے کہ یہ بت تو عربوں کے تھے، وہ ایسا اسلئے کرتا ھے کہ اسے یہ معلوم ھے کہ اسکے سامعین کے شعور میں لات و منات کی اھمیت ھندؤں کے بتوں سے مختلف ھے، وہ لات و منات کے ذکر سے بت پرستی کے خلاف شدید نفرت کا جذبہ پیدا کر سکتا ھے جو کہ کسی اور صورت سے ممکن نہیں ھے لیکن جب اس مندر کے پجاریوں اور محافظوں کا ذکر آتا ھے تو وہ برھمن، مادر برھمن، چوبے اور پانڈؤں ھی کا حلیہ پیش کرتا ھے، کیونکہ اسے لات و منات کے پجاریوں کا کوئی علم نہیں، کہ وہ ان کی مصوری کر سکے۔ میں جس نکتے کو یہاں ابھارنا چاھتا ھوں وہ یہ ھے کہ داستانوں میں تاریخی صداقت، بجز اتنے عنصر کے جسے تمہید قصہ میں اس غرض سے پیش کیا جاتا ھے کہ تاریخ گذشتہ کا فریب پیدا ھو سکے کوئی خاص اھمیت نہیں رکھتی ھے، وہ نہ تو تاریخی رومان پیش کرتا ھے اور نہ تاریخ کو مصور کرتا ھے کہ اس سے ھم اسکی توقع رکھیں، اسکا عمل تو قصے کو صرف محسوس صورت میں پیش

مرکزی اردو کتب خانہ

کرنے کا ہوتا ہے، ایک ایسی محسوس صورت میں جو کہ سامعین کے تجربات سے قریب تر ہو۔ ان سارے امور میں وہ تجربات کی کیفیت پر زور دیتا ہے، نہ کہ انکی کمیت پر۔ وہ فاصلے کا احساس ہرج مرج کھینچنے اور صعوبتیں اٹھانے کے احساس سے پیدا کرتا ہے نہ کہ میلوں کے شمار سے۔ وہ زمانے کا احساس بچے کے نوجوان ہونے اور نوجوان کے بوڑھے ہونے کی کیفیات سے پیدا کرتا ہے نہ کہ دن اور سال کے شمار سے۔ اگر خواجہ سگ پرست اکاون سال کی عمر میں بھی بوڑھا نہیں ہو پاتا ہے تو اس میں مصنف کا کیا قصور ہے، دوس تو اس جوانی کو دینا چاہئے جس نے اتنا طول کھینچا۔

ناول کے نقادوں کا ایک تیسرا اعتراض ان داستان گویوں پر یہ ہے کہ وہ کردار نگاری کے گر سے واقف نہ تھے۔ انکے کردار ساکت ہیں نہ کہ متحرک وہ یک طرفہ ہیں نہ کہ کثیرالاوضاع، وہ گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں بلکہ جیسے ہوتے ہیں ویسے ہی رہ جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ ساری باتیں کسی اور داستان کی کردار نگاری کے بارے میں صحیح ہو تو ہو میر امن کے افراد داستان کے بارے میں صیح نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ شخصیت کا تصور ہر عہد میں بدلتا رہا ہے۔ لیکن کوئی بھی عہد ایسا نہیں گذرا ہے جسمیں اسکے بننے یا بگڑنے کا معیار نہ رہا ہو۔ ہم جس عہد کی باتیں کر رہے ہیں اس میں شخصیت کا ایک آئیڈیل تصور خلاف فطرت تصور نہ کیا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ برگزیدہ ہستیوں پر اعتقاد ہی کیوں رکھتے۔ لیکن ایسا سوچنا کہ انکے اس تصور میں کوئی لچک نہ تھی درست نہ ہوگا، انسان ضعیف‌البنیان ہے وہ جیسی صحبت اختیار کرتا ہے اسی کے مطابق بنتا یا بگڑتا ہے۔ تقریباً یہی نقطہ نظر کردار نگاری کا اس داستان میں بھی پایا جاتا ہے۔ پہلا درویش ،شیطان نما آدمیوں کے ہردم کہنے سننے سے شیطان بنتا ہے، پھر وہی شخص نیک خو بہن کے حسن سلوک سے سدھرتا ہے اور شہزادی دمشق کی رفاقت اور محبت میں جلا پاتا ہے۔ شہزادۂ چین، ملک صادق کی امانت میں خیانت کرتا ہے، کیونکہ اس حالت میں اسکا خیانت کرنا ہی قرین فطرت تھا۔ شاہزادہ نیم روز اپنے

قول و قرار کو پری کے آغوش میں بھول جاتا ہے کیونکہ آدم زاد کی یہی فطرت ہے، شہزادئی دمشق اپنے یوسف سے اسکی بیوفائی کا بدلہ چکاتی ہے، کیونکہ عاشق کی وفا کی بھی ایک حد ہے۔اذربائیجانی نوجوان ،، زندان گور ،، میں بھی شادی کر لیتا ہے، کیونکہ بشریت کا یہی تقاضا تھا۔ اور ملکۂ فرنگ اپنے عاشق کے قتل کئے جانے کے بعد شاہزادۂ عجم کے ساتھ بھاگنے پر تیار ہو جاتی ہے کیونکہ عاشق کی موت کے بعد اسکا عشق بھی فنا ہو جاتا ہے۔ یہ بتلائیے کہ ان میں کون سا کیریکٹر آئیڈیل ہے، آئیڈیل کیریکٹر تو بالعموم تمثیلات میں ہوتا ہے نہ کہ داستانوں میں۔ یہاں تو اجنا بھی انسانی فطرت سے ہمکنار ہیں۔ داستانوں کی یہی تو خوبی ہے کہ وہ سوپر نیچرل کو بھی نیچرل کردیتی ہیں، داستانوں کا کوئی بھی کریکٹر کسی مجرد اصول کا نشان نہیں ہوا کرتا کہ اسپر اسکے جامد ہونے کا اعتراض کیا جا سکے، وہ تو ایک زندہ حقیقت کا حامل ہوتا ہے جوکہ اپنی فطرت کو بروئے کار لاتا ہے۔ اور چونکہ اسکی فطرت معقول اور غیر معقول دونوں ہی ہوتی ہے اسلئے داستان گو اسکے ان دونوں ہی پہلوؤں کو بے نقاب کرتا ہے۔ یوسف سوداگر کا ایک بندوڑ سے محبت کرنا اور اپنے محسن شہزادئی دمشق کی محبت کو ٹھکرا کر اسے قتل کرنا جذبۂ عشق کی اسی غیر معقولیت کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس بے نقابی میں کوئی بات فحش نہیں ہے، درویش نہایت بے تعلقی سے اس واقعہ پر تبصرہ کرتا ہے ،، یارو عشق اور عقل میں ضد ہے، جو کچھ عقل میں نہ آوے یہ کافر عشق کر دکھاوے۔ لیلی کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو۔ سبھوں نے کہا آمنا یہی بات ہے،، لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ ان سے کردار نگاری میں خطا نہیں ہوئی ہے، پہلے درویش کی سیر میں سوداگر کا دمشق کی شہزادی کے گرد بار بار صدقے ہونا خوشامد کرنا اور کبھی کبھی اپنے احسانات کو جتانا بھی ایک عاشق کو زیب نہیں دیتا ہے ہر چند کہ وہ سوداگر رتبے میں شہزادی سے کم تھا اسکے کردار میں قدرے خود داری اور تمکنت اور دکھانی چاہئے تھی۔ اسیطرح چاروں درویشوں کا رویہ بھی بادشاہ کے حضور میں قلندرانہ دکھانا چاہئے تھا جوکہ نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مطلق العنان بادشاہوں کی سلطنت میں رہتے رہتے اس زمانے کے انسانوں کی خود داری اتنی کچلی جاچکی

تھی کہ اسکے اثر سے درویش کی خودی بھی آزاد نہ رہ سکی ۔، بادشاہ کا نام سنتے ہی ہر چھوٹا بڑا مرعوب ہو جاتا۔ بادشاہوں اور شاہزادوں سے مرعوب ہونے کا ایک ایسا ہی واقعہ تیسرے درویش کی سیر میں بھی اسوقت پیش آتا ہے جبکہ داروغہ بہزاد خاں شاہزادۂ عجم سے جو کہ اسکے لئے بیگانہ تھا اس پر معترض نہیں ہوتا ہے کہ اسنے اسکے گھر کا قفل اسکی اجازت کے بغیر کیوں توڑا بلکہ اسکے برعکس اسکا نام سنتے ہی وہ اپنے کو اسکا خادم ٹھہراتا ہے اور ہر طرح کی امداد کے لئے تیار ہو جاتا ہے ۔

چونکہ یہ داستان بنیادی حیثیت سے صوفیانہ ہے اسلئے اس میں جنگ و جدال اور معرکہ کار زار تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے ۔ کہیں کہیں تلوار اٹھتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اس موقع پر ہیرو مبازرت طلبی کے بدلے مسکینی اور عاجزی سے سر تسلیم خم کر دیتا ہے ۔ دوسرا درویش شہزادہ نیم روز کے رو برو اور تیسرا درویش مقتول شہزادۂ فرنگ کے کوکا کے سامنے اسیطرح پیش آتا ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ یہ قصہ درویشوں کی روحانی سیر کا ہے اسلئے یہ التزام برتا گیا ہے کہ انکے ہاتھ سے کسی کو قتل نہ کروایا جائے ۔ غالباً یہی سبب ہے کہ جب تیسرے درویش کی سیر میں لڑائی کا موقع ہاتھ آتا ہے ۔ درویش شہزادی فرنگ کو بھگاتا ہے اور غنیم کی فوج اسکا تعاقب کرتی ہے، تو اس معرکے کو صرف داروغہ بہزاد خاں سر کرتا ہے اور درویش کھڑا تماشا دیکھتا ہے لیکن داستان گو نے رزم آرائی کی ساری کمی کو، اس ایک گھڑی میں پورا کر دیا ہے ۔ داروغہ بہزاد خاں کی مبارزت طلبی کا جو انداز ہے وہ ہمیں داستان کے خواب سے چونکا دیتا ہے اور ہم ان درویشوں کے بیچ ایک جوانمرد کو جو کہ دلی کا کوئی بانکا سپاہی ہے اسطرح نعرہ زن پاتے ہیں ۔

,,جب شہزادہ دروازے پر آیا ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا کہ بڑچودو اپنے خاوند کو جا کر کہو کہ بہزاد خاں ملکہ مہر نگار اور شہزادۂ کامگار کو جو تمہارا داماد ہے ہانکے پکارے لئے جاتا ہے ۔ اگر مردمی کا کچھ نشہ ہے تو باہر نکلو اور

ملکہ کو چھین لو۔ یہ نہ کہیو چپ چاپ لیگیا۔ نہیں تو قلعے میں بیٹھے آرام کیا کرو،،

درویشوں کی اس حکایت عشق انگیز اور روایت درد امیز میں نہ تو جادوگروں کی طلسم آفرینی ہے اور نہ عیاروں کی عیاری۔ طلسم بس اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک گوسائیں کے اسم اعظم میں ہے یا خواجہ سرا، مبارک کے اس روغن میں ہے جسکو پیر مرد عجمی کی دختر نیک اختر کے جسم پر ملنے سے ملک صادق اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ جب طلسم کے میدان میں یہ احتیاط ہو تو پھر عیاری یہاں کیونکر راہ پاتی، لیکن چونکہ یہ داستان ہے اور داستان میں کسی نہ کسی عیار کا پایا جانا لازمی ہے اسلئے یہاں بھی تیسرے درویش کی سیر میں ایک کٹنی چند لمحوں کے لئے اپنی عیاری کا نقاب اوڑھے ہمارے سامنے آتی ہے۔

،،ایک بڑھیا شیطان کی خالہ (اسکا خدا کرے منہہ کالا) ہاتھ میں تسبیح لٹکائے برقع اوڑھے دروازہ کھلا پاکرے دھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑی ہو کر دعا دینے لگی کہ ،، الٰہی تیری نتھ چوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دوجی سے پورے دنوں درد زہ میں مرتی ہے اور مجھکو اتنی وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل چراغ میں جلاؤں۔ کھانے پینے کو تو کہاں لاؤں۔ اگر مر گئی تو گور و کفن کیونکر کرونگی۔ اور جنی تو دائی جنائی کو کیا دونگی۔ اور جچا کو سٹھورا اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی۔ آج دو دن ہوئے کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے اے صاحبزادی اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا تو اسکو پانی پینے کا آدھار ہو،،

اگر یہاں میر امن اسے شیطان کی خالہ نہ بھی کہتے تو بھی اس بڑھیا فقیرنی کی گفتگو کا انداز یہی بتاتا کہ اسکی باتوں میں مکاری ہے۔ میر امن کا کمال یہی ہے کہ وہ افراد قصہ کے کردار پر روشنی انکی گفتگو کے انداز سے ڈالتے ہیں۔ بہزاد خاں کی دلاوری اسکی للکار میں ہے۔ پہلے

درویش کی بہن کی سیرت اسکی گفتگو میں ہے ۔ ،،اے بہن تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کو موئی مٹی کی نشانی ہے تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔۔۔۔۔۔،، یوں تو شہزادیاں اس داستان میں کئی ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا کردار مختلف ہے اور وہ اختلاف کردار گفتگو سے ظاہر کیا گیا ہے نہ کہ اسے بیان کیا گیا ہے ۔ شہزادی دمشق کی گفتگو میں جو غرور و تمکنت اور چلترہے وہ شہزادئی بصرہ کی گفتگو میں نہیں ہے کیونکہ آخرالذکر دیندار اور یاد الہی میں مشغول رہنے والی ہے اور دمشق کی شہزادی شربت ورق الخیال یا حشیش کے شیرے پر پلی تھی۔

اس پوری داستان میں صرف خواجہ سگ پرست اور اسکے دو بھائیوں کا کردار ایسا ہے جسمیں لچک دکھائی نہیں پڑتی ہے ۔ اگر خواجہ سگ پرست نیکی کے ایک سرے پر ہے تو اسکے دونوں بھائی برائی کے دوسرے سرے پر۔ یہ احساس کسی حد تک صحیح ہے کیونکہ یہ کہانی جزوی حیثیت سے تمثیلی انداز کی ہے، اس کہانی میں خواجہ سگ پرست کا کتا اسکے بھائیوں کے بالمقابل ایک مثبت رول انجام دیتا ہے ۔ وہ انکی بے وفائیوں کا جواب اپنی وفاداری سے دیتا ہے ۔ لیکن یہ تمامتر حقیقت نہیں ہے خواجہ سگ پرست کا کردار نہ تو اٹل ہے اور نہ آئیڈیل ۔ بلکہ لچکدار اور ظاہردار ۔ اور جوکچھ کہ اسمیں آئیڈیلزم ہے وہ بڑی سطحی ہے۔ وہ اگر ایکطرف اسقدر نیک ہے کہ اپنے بھائیوں کی بیوفائی کا جواب اپنی نیکیوں اور حسن سلوک سے دیتا رہتا ہے تو دوسری طرف اتنا ظالم ہے کہ جب وہ اس نیکی سے عاجز آتا ہے تو انکے لئے ایک ایسی سزا تجویز کرتا ہے جو کہ قاہر سے قاہر بادشاہ کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ ایک ایسی ھی سطحیت اسکی مذہبی زندگی میں بھی ملتی ہے ۔ وہ جسقدر زیادہ متشرع، پابند روزہ نماز، حج زکواۃ ہے اتنا ھی زیادہ زنان کفار کو اپنے حرم میں داخل کرنے میں تیز بھی ہے ۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کہیں بھی مردوں کے درمیان نہیں کرتا ہے ۔ وہ تو صرف ان عورتوں کو کلمۂ اسلام پڑھاتا ہے جوکہ اسکے ساتھ بھاگ نکلنے پر آمادہ ہیں، اور وہ ایسا اس قباحت کے تحت کرتا ہے کہ چونکہ وہ متشرع تھا وہ بغیر

کلمہ پڑھائے ان عورتوں کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا تھا۔ اگر گارساں دتاسی نے اسکے اس کردار کا مطالعہ غور سے کیا ہوتا تو وہ داستان گو پر یہ اعتراض نہ کرتے کہ اس میں مذہبی جوش ہے۔ یا یہ کہ خواجہ سگ پرست جسطرح کے وعظ سے دم بھر میں دو عورتوں کو مسلمان بنا لیتا ہے وہ غیر فطری ہے۔ اگر داستان گو میں مذہبی جوش ہوتا تو اسکا اظہار صرف خواجہ سگ پرست کے قصے ہی میں کیوں ہوتا، اور جگہوں میں بھی کیا جاسکتا تھا۔ رہ گئی یہ بات کہ خواجہ سگ پرست کا وعظ سطحی ہے اور دم بھر میں کسی شخص کا مسلمان ہونا غیر فطری ہے، اس وقت صحیح ہوتی جبکہ خواجہ سگ پرست کا کردار بذات خود سطحی اور ظاہر دار، نہ ہوتا، اور جو اشخاص کہ مسلمان ہوتے ہیں وہ دام محبت کی گرفتار دو عورتیں نہ ہوتیں بلکہ غیر متعلق لوگ ہوتے اور اسکے صرف وعظ کے زور سے اسلام قبول کرتے۔ گارساں دتاسی کو خواجہ سگ پرست کی کہانی سے جو یہ غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اسکا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ بھی عام لوگوں کی طرح خواجہ سگ پرست کے کریکٹر کو آئیڈیل تصور کرنے اور یہ دیکھنے سے قاصر رہے کہ اسکی دینداری اور شرع دوستی کو اسکے اس فعل شنیع کا ایک پردہ بنایا گیا تھا کہ وہ دو انسانوں کو جو کہ اشرف المخلوقات میں سے ہیں کتے کا جھوٹا کھلاتا تھا۔ کیونکہ باوجود اس بات کہ وہ دونوں اشخاص اپنے افعال قبیحہ اور محسن کشی کے باعث سخت سے سخت سزا کے مستحق تھے رائے عامہ اس حق میں نہ تھی کہ انھیں کتے کا جھوٹا کھلایا جائے۔ چنانچہ خواجہ سگ پرست اس کام کے لئے سخت بدنام تھا اور ایک طرح سے عذاب شاہی میں مبتلا تھا ,, کہ اسے اپنے اس فعل کے لئے دگنا محصول ادا کرنا پڑتا تھا،،۔ چنانچہ بادشاہ آزاد بخت بھی جسوقت اسکے بارے میں یہ حکایت سنتا ہے کہ وہ دو آدمیوں کو قفس میں بند کرکے ایک کتے کا جھوٹا کھلاتا ہے تو وہ بھی اسکے اس فعل پر اسے قابل گردن زدنی قرار دیتا ہے اور سر دربار اس سے یہ سوال کرتا ہے ,,اے شیطان آدمی کی صورت تو نے یہ کیا جال بچھایا ہے اور اپنی راہ میں کنواں کھودا ہے۔ تیرا کیا دین ہے اور یہ کیا آئین ہے۔ کس پیغمبر کی امت ہے اگر کافر ہے تو بھی یہ کیسی مت ہے،،

اسکے جواب میں وہ اپنے کو مرد مسلمان پابند شرع، روزہ، نماز حج زکواۃ بتلاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی دینداری اور شرع دوستی کو اسکے اس فعل کے چھپانے کا پردہ بنایا گیا ہے کہ اس نے جو غیر انسانی سزا دو انسانوں کے لئے منتخب کی ہے وہ کچھ اس باعث نہیں ہے کہ وہ انسان کے رتبے اور اسلام کو پہچانتا نہیں ہے بلکہ اس باعث ہے کہ انہیں اپنی بیوفائی کی سزا بس اسی طرح ملنی چاہئے کہ انہیں ایک باوفا جانور کا جھوٹا کھلایا جائے تاکہ انہیں اپنا جرم ہر وقت یاد رہے۔ ایسی صورت میں جبکہ خواجہ سگ پرست اسقدر سخت منتقم ہے کہ سزا دیتے وقت وہ انسانیت کے جذبے سے عاری ہوجاتا ہے ہم اسکی دینداری کو سطحی سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اور اسکی یہ سطحیت مختلف موقعوں پر کھلتی جاتی ہے۔ وہ اپنے حصول مقصد کیلئے خواہ ایک جورو کو واپس لانے ہی کا کوئی عظیم مقصد کیوں نہ ہو، کفار کے سارے رسوم ادا کرتا ہے اور اندر سے اسقدر زیادہ شقی القلب نکلتا ہے کہ شاہ بندر کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کرتا ہے اور اسکا یہ جواز نکالتا ہے کہ کسی مسلمان کی جورو کو بھگانے کی یہی سزا ہے کہ اسکا سر قلم کیا جائے۔ معلوم نہیں یہ کس شریعت میں ہے۔ ان ساری باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خواجہ صحیح معنوں میں سگ پرست تھا۔ اسکے کردار میں بجز اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنے کے، جسے وہ غیر انسانی سزا دینے کے باعث دھو بھی دیتا ہے، کسی موقع پر بھی بلندی کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ وہ وزیر زادے سے محبت کرتا ہے، لیکن اس میں خلوص کم ہے اور یہ غرض زیادہ ہے کہ وہ اسے متبنی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جسوقت وہ وزیر زادی نکلتا ہے تو وہ شکست آرزو میں یہ کہاوت پڑھتا ہے ,, گھر میں رہے نہ تیرتھ گئے۔ مند منڈا فضیحت بھئے،،۔ لیکن جوں ہی بادشاہ اس کم سن وزیر زادی کا نکاح اس اکاون سالہ بوڑھے سے تجویز کرتا ہے تو اسکی بتیسی نکل پڑتی ہے اور وہ باپ اور فرزند کے خود ساختہ رشتے کو بھول جاتا ہے۔ اسکے کردار کا یہ نقشہ اچھا خاصہ کسی شرع جو ظاہر دار شیخ جی کا ہے جسے درویشوں کے پہلو میں تضاد کے لئے بٹھایا گیا ہے۔ اسکے یہاں صرف شرع ہے، دین کی

روحانیت نہیں، اسکے برعکس درویشوں کے یہاں دین کی روحانیت ہے، رسوم ظاہری کی پابندی کا کوئی مذکور نہیں ۔ یہ سب کہہ چکنے کے بعد ہمیں اسکی بھی گنجائش رکھنی چاہئے کہ مقبول انام جتنی بھی داستانیں ہیں، ان میں تبلیغ اسلام کا جز بھی موجود ہے ۔ ممکن ہے کہ یہاں بھی تبلیغ اسلام کا جز ہر چند کہ وہ ایک شیخ ہی کی سوغطت کے ذریعے کیوں نہ ہو اس لئے داخل کیا گیا ہو کہ ذرا عوام میں اسکی بھی دھاک رہے۔

جہاں تک اس داستان کے پلاٹ کا تعلق ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ چاروں درویشوں کی سیر کو ایک لنگر میں الجھانے کا تعلق ہے وہ تمامتر ایک ذہنی سازش کا نتیجہ ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پہلے یہ قصہ چار درویشوں کا الگ الگ تھا ۔ جب کسی داستان گو نے انہیں ایک رشتے میں پرونے کی کوشش کی تو اسکا یہ حل نکالا کہ بادشاہ آزاد بخت کی تکمیل آرزو کو ان چاروں درویشوں کی ملاقات پر ملتوی کردیا ۔ اس سے قصے کے آغاز اور انجام دونوں ہی میں وحدت پیدا ہو گئی جو ہر چند کہ سازشی ہے پھر بھی گورا ہے کیونکہ چاروں درویشوں کی سیر میں غزل کی ایسی ایک داخلی وحدت پائی جاتی ہے ۔ اس کا ناگوار پہلو یا بھرتی کا حصہ تو صرف خواجہ سگ پرست کی سر گزشت اور پھر اسکی زبانی اذر بایجانی نوجوان کا قصہ ہے جو کہ چاروں درویشوں کی روحانی سیر کی اسپرٹ سے قطعی ہم آہنگ نہیں ہے ۔ ہر چند کہ داستان کا مطول ہونا ہی حسن ہےع طول دینا ہی مزا ہے قصہ' کوتاہ کا، لیکن تاوقتیکہ طوالت میں کوئی حسن تعلیل پیدا نہ کیا جائے طوالت نہ صرف کھلتی ہے بلکہ داستان کی اسپرٹ کو مجروح بھی کرتی ہے، اور یہ نقص اس داستان میں خواجہ سگ پرست کی کہانی سے پیدا ہوا ہے ۔ جہانتک کہ فرداً فرداً ہر درویش کی سر گزشت کے پلاٹ کا تعلق ہے ان میں سے پہلے درویش کی سر گزشت کا پلاٹ اسقدر ٹھونکا ہوا ہے کہ اسپر انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے ۔ دوسرے درویش کی سر گزشت میں حاتم طائی کا قصہ بظاہر ضروری نہیں معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ سیر کا بنیادی جذبہ سخاوت ہے اسلئے وہ اپنا جواز اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے ۔ تیسرے درویش کی سر گزشت میں نعمان سیاح کا قصہ بھی بظاہر خارج سے عاید

کیا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن جسوقت یہ سوچتا ہوں کہ اسکی عدم موجودگی میں شہزادی فرنگ کا تعارف شہزادہ عجم سے کیونکر کرایا جاتا تو مجھے وہ قصہ دوسرے درویش کی سر گزشت کے پلاٹ کا ایک لازمی جز نظر آتا ہے۔ چوتھے درویش کی سر گزشت کا پلاٹ بالکل درست ہے ۔ اب داستان کے پلاٹ پر ایک نظر پھر ڈالئے ۔ ہر درویش کی سیر میں درویش کے عشق کی کہانی سے علیحدہ ایک اور کہانی عشق کی یا تو ہیروئن کی زندگی سے وابستہ کرکے سنائی گئی ہے یا پھر کسی اور بہانے سے ۔ پہلے درویش کی سرگزشت میں شہزادئی دمشق اور یوسف سوداگر کے عشق کی بھی کہانی ہے ۔ دوسرے درویش کی سرگزشت میں شہزادۂ نیم روز اور پری کی داستان محبت بھی ہے۔ تیسرے درویش کی سر گزشت میں شہزادی فرنگ اور اسکے چچا زاد بھائی کا بھی قصہ عشق بیان کیا گیا ہے ۔ چوتھے درویش کی کہانی میں پیر مرد عجمی کی دختر نیک اختر کا بھی ایک چاہنے والا شاہزادہ ہے جسے ملک صادق عین شب عروسی میں قتل کرتا ہے ۔ اس طرح عشق کا جال چاروںطرف سے پھیلایا گیا ہے ۔ جہانتک داستان کے اختتام کا تعلق ہے اس میں تائید غیبی کی بنیاد پر صرف رجائیت ھی کا پہلو اجاگر نہیں کیا گیا ہے بلکہ فطرت اور فوق فطرت کے درمیان، فروغ خیر اور نفئی شر کی بنیاد پر ایک اتحاد یا میل جول بھی پیدا کیا گیا ہے ۔ لیکن فوق فطرت طاقتوں کی برتری پر انسان کی عاجزی کے بالمقابل کچھ ایسا زور دیا گیا ہے کہ اس سے قصے کے تاریخی وجود پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے قصوں کا المیہ ساز، درویشوں کی مایوسی اور پھر تائید غیبی پر بھروسہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ داستان ایک بیمار قوم کو سنائی گئی تھی ۔ اس میں جذبہ عشق، اقرار خودی اور ناز فرمائی کے بالمقابل انکار خودی اور عجز و نیاز کی طرف زیادہ مائل ہے۔

زبان و بیان

غالب لکھتے ھیں کہ ,, داستان طرازی منجملہ فنون سخن ھے،، اور غالب کے بھتیجے خواجہ بدرالدین امان دھلوی حدایق الانظار (ترجمہء بوستان و خیال جلد سوم و چہارم) کے دیباچے میں اس فن سخن کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے سب سے زیادہ اھمیت اس بات کو دیتے ھیں کہ ,, عبارت سریع الفہم ھو کہ واسطے فن قصہ کے لازم ھے،، ساتھ ھی اسکے وہ ,, لطافت زبان اور فصاحت بیان،، کا بھی ذکر کرتے ھیں ۔ اسکے یہ معنی ہوئے کہ لطافت زبان اور فصاحت بیان تابع ھے اس خصوصیت کے کہ عبارت سریع الفہم ھو ۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ھے کہ عبارت کا صرف سریع الفہم ھونا کافی ھے ۔ داستان کی زبان لطیف اور اسکا بیان فصیح ھونا چاھئے ۔ کہیں ایسا تو نہیں ھے کہ یہی خصوصیات منجملہ اور خوبیوں کے ,, باغ و بہار،، کی عبارت کو سریع الفہم بناتی ھیں ۔ میرا خیال تو یہی ھے لیکن چونکہ ایک لکھنوی داستان طراز مرزا رجب علی بیگ سرور کو میرامن کی لطافت زبان اور فصاحت بیان کے بارے میں شبہہ ھے ۔ اسلئے زرا ان نکتوں کی وضاحت کچھ ضروری سی معلوم ھوتی ھے اور ان کی وضاحت میں اسی وقت زیادہ مزہ آئے گا جبکہ ھم میر امن کی زبان پر الزام لانے والے ھی کی تصنیف و تحریر کے حوالے سے ان پر روشنی ڈالیں ۔

مرزا رجب علی بیگ سرور میر امن کی زبان کے بارے میں لکھتے ھیں ,, دلی کے روڑے اٹکائے ھیں محاوروں کے ھاتھ پاؤں توڑے ھیں،، اس روڑے کی تلمیح یہ ھے کہ میر امن نے باغ و بہار کے دیباچے میں اپنی زباندانی کا دعوی ان الفاظ میں کیا ھے ,, اور جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑا ھوکر رھا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گذاریں اور اسنے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے عرس چھڑیاں سیر تماشا اور کوچہ گردی

اس شہر کی مدت تلک کی ہوگی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا اسکا بولنا (اردوئے معلی کا) البتہ ٹھیک ہوگا،،

بس میر امن کا یہی روڑا تھا جس سے الجھ کر مرزا صاحب نے اسکا قافیہ توڑا - اور جب کسی اور کا ہاتھ پاؤں نہ ملا تو بیچارے محاوروں کے ساتھ جوڑا - اسی قسم کی رعایت لفظی نے انہیں میر امن کے اسلوب سے دور کیا اور وہ تحسین کے ،،نو طرز مرصع،، کی طرف لوٹ گئے - ایسی صورت میں لطافت زبان اور فصاحت بیان کا معیار بھی ان کے یہاں بدلا اور فن قصہ گوئی کے لئے عبارت کا سریع الفہم ہونا ساقط ٹھہرا - ان دو اسالیب زبان میں سے ایک ٹھیٹھ ہندوستانی جسکو میر امن نے برتا اور دوسرا عربی اور فارسی کے الفاظ اور فقروں سے بوجھل اردو جسمیں مرزا رجب علی بیگ نے طبع آزمائی کی ہے کون مقبول انام ہے اسکا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن اسکے پس منظر کو سمجھنا آج بھی بے سود نہیں ہے قصہ یہ ہے کہ اردو زبان اپنی اصل میں ہندی ہے اور وہ ہندی ہے جو کہ دلی اور اسکے نواح میں بولی جاتی تھی- اسے اردوئے معلی کا لقب شاہجہاں باد میں ملا جبکہ بقول میر امن شاہی لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا - اس وقت سے اردو زبان صحیح معنوں میں پروان چڑھی - اور اسکا روز مرہ اور محاورہ متعین ہونے لگا - اس حقیقت سے کسی کو دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر زبان کا ایک مرکز ہوا کرتا ہے جہاں سے وہ پھیلتی ہے - جب دلی نادر شاہی اور ابدالی حملوں سے اجڑنے لگی تو جہاں ملک کے اور حصوں میں وہاں کے شعراء علما اور فضلا جا کر آباد ہونے لگے وہاں انکا ایک بہت بڑا گروہ لکھنؤ میں بھی جا کر آباد ہو گیا - اس وقت سے لکھنؤ بھی اردو کا ایک مرکز بنا لیکن چونکہ وہاں کے مضافات میں کھڑی بولی نہیں بلکہ اودھی بولی جاتی تھی اسلئے اردو بولنے والوں کے لہجے میں فرق آیا - اسی فرق کو چھپانے کے لئے وہ غیر شعوری طور سے عربی اور فارسی کے الفاظ اور فقرے زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے لگے، اسمیں کچھ دخل اس بات کو بھی تھا کہ وہ اسوقت عربی اور فارسی کی تعلیم کا ایک بہت بڑا مرکز بھی تھا - اور جس حد تک انکی تہذیب میں ایرانی کلچر کی نقالی نے جگہ بنائی اور وہ تصنع اور تکلف کی طرف

مائل ہوئے انکے طرز تحریر اور شعر و شاعری میں رعایت لفظی نے بھی زور پکڑا۔ کہ اسکا تعلق بناوٹ اور سجاوٹ سے تو ہے لیکن معنی آفرینی سے نہیں ہے اسی رعایت لفظی کو وہ اپنے محاورے میں رنگینئی عبارت کے نام سے یاد کرتے تھے۔ میر امن نے اس روش کو اختیار نہیں کیا، اسکے اسباب کیا تھے اسپر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اسکے برعکس انہوں نے ,, ٹھیٹھ ہندوستانی میں جو کہ اردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے خاص و عام بولتے تھے،، قصہ' چہار درویش کو لکھا۔ اور اسکا معیار دلی کے محاورے اور روز مرے کو یا بقول میر جامع مسجد کی سیڑھیوں کی زبان کو قرار دیا۔ جسطرح میر نے لہو کو لوھو، جگہ کو جاگہ بھی نظم کیا ہے کہ اسوقت یہ لہجہ بھی تھا میر امن نے بھی بضد کو بجد۔ مہربانی کو مہربانگی* وغیرہ لکھا ہے کہ عوام یوں بھی بولتے تھے اسکے ساتھ ساتھ انہوں نے ہندی زبان کے ایسے الفاظ بھی آزادانہ طور سے استعمال کئے ہیں جو کہ اسوقت اردو کے لوگ ہندو مسلمان کے درمیان عام طور پر رائج تھے اور آج کم کم استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً انند مگن وغیرہ۔ ملک زیر باد کی کنیا تو خیر ٹھیٹھ ہندی ہی بولتی ہے انہوں نے بصرہ کی شہزادی کی زبان سے بھی ہندی کا کبت پڑھوایا ہے۔ اس زمانے کے اعتبار سے یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ جہاں میر و سودا کے اشعار دھرائے جاتے ہندی کے دوہے اور کبت بھی اردو کے لوگ اپنی بات چیت میں لاتے۔ لکھنؤ والے برطانوی سپاہیوں کے تحفظ میں کلچر کے اس دھارے سے دور ہو چلے تھے، اب ان میں نہ تو ہندوستانی کی یہ ملاوٹ تھی۔ اور نہ انکے بیان میں وہ سادگی نرمی اور گھلاوٹ تھی جو کہ میر کی شاعری میں ہے۔ وہ آسان کو مشکل بنا کر پیش کرنے کے فن میں مہارت حاصل کر رہے تھے، اور ایک رنگ کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی دھن میں تھے۔ جب انکے سامنے میر امن کا یہ اسلوب آیا تو اس سے انہوں نے اپنی نمائش کی کشتی کو ڈوبتے ہوئے پایا۔ مرزا رجب علی بیگ، سرور کو ان کی زبان اور انکا بیان اسی لئے پسند نہ آیا۔ کہ انکی زبان ہندوستانی اور بیان بنیادی اعتبار سے تضع اور

---

* چاہے وہ ماہ ہم کو ٹک مہربانگی سے
اے آفتاب ہم نے اکثر یہ بات چاہی (شاہ عالم ثانی)

تکلف سے عاری ہے ۔ اور وہ اس عام فہم اور فطری انداز تحریر کے خوگر نہ تھے ۔ انکا انداز نگارش تو یہ ہے کہ اگر انہیں جان عالم کی خدمت میں طوطے سے یہ کہلانا ہے کہ اگر آپ گھڑی بھر اور دیر لگاتے تو میری روح شہزادی کے غیظ و غضب سے پرواز کر جاتی تو اسے اسطرح ادا کرتے ہیں ۔ ,, اگر آپ گھڑی بھر اور دیر لگاتے تشریف نہ لاتے تو میرا طائر روح گربہ' غضب شاہزادی سے مجروح ہو کر پرواز کر جاتا،، ۔ اور شہزادی کے غضب کی تصویر یوں کھینچتے ہیں ۔ ,, پھر تو شعلہ غضب کا کانون سینہ شہزادی میں مشتعل ہوا،، یہ بیچارے یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ شعلہ کانون سے باہر بھی مشتعل ہوا کرتا ہے ۔ یوں بھی کہا جاتا ہے ۔ کہ وہ مشتعل ہوئی ۔ اسکا غصہ بھڑک اٹھا ۔ ان فقروں میں نہ تو کہیں شعلہ ہے اور نہ کانون حالانکہ استعارہ سارا آگ ہی کا ہے ۔ اسی طرح ایک طائر مشت پر کی روح کے پرواز کرانے کے لئے انہیں شاہزادی کے غضب کی بلی کے لانے کی چنداں ضرورت نہ تھی ۔ فرض کیجئیے کہ اگر اس مشت پر کا طائر روح، گربہ' غضب شاہزادی سے مجروح ہوکر بھی پرواز نہ کرتا تو کیا اسکے لئے مصنف شیر ببر لاتا ۔ طائر روح، کا استعارہ ۔ طائر اور روح کے پرواز کرنے کی نسبت سے ہے نہ کہ ان دونوں کے درمیان کوئی جسدی مناسبت ہے جسے مجروح کرانے کی ضرورت تھی ۔ مجروح تو شاہزادی کے گربہ' غضب سے طوطا ہوتا نہ کہ اسکا طائر روح ۔ اسکی روح تو مجروح مصنف کے رعایت لفظی ہی سے ہوسکتی ہے ۔ تو عرض یہ ہے کہ نہ تو میر امن کے یہاں یہ رنگینی ہے جسمیں ایک طوطے کا دو طوطا بنتا ہو اور نہ لفظوں کا یہ کھڑپچ ہے کہ اگر شعلہ کا لفظ آئے تو شہزادی کے سینے میں کانون کا ڈالنا ضروری قرار پائے ۔ میر امن کی عبارت میں رنگینی استعاروں کے ایجاز و اختصار اور محاوروں کے برتنے سے پیدا ہوئی ہے نہ کہ ,, استعاروں کے ہاتھ پاؤں توڑنے سے،، ۔ اب میر امن کا انداز تحریر ملاحظہ کیجئیے ---

,, بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھسے مخاطب ہوئی کہ حق تعالی نے آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ہے کہ نہ پھٹے نہ میلا ہو ۔

اگرچہ پرانے کپڑوں سے اسکی آدمیت میں فرق نہیں آتا ہے پر ظاہر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا،،۔ اب ایک اور جگہ جامے کا استعارہ ملاحظہ کیجئے۔ ،،سوائے بصرہ کی شاہزادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے،،۔ مرزا رجب علی بیگ سرور ہوتے تو معلوم نہیں کتنے جملوں میں اس مفہوم کو ادا کرتے اور کیا عجب جو اس جامے کو قطع کرنے کے لئے قینچی لیکر دوڑتے۔ لیکن مجھے اس جھگڑے ٹنٹے سے کیا لینا ہے۔ میں نے تو میر امن کے اسلوب کو اجالنے کے لئے یہ تمہید باندھی ہے۔ لیکن چونکہ میرا کام ادب کو پرکھنا ہے نہ کہ کسی کی حمایت یا مخالفت کرنی ہے اسلئے ان کے حسن بیان پر روشنی ڈالنے سے پہلے میں ان کے ایسے چند محاوروں کا بھی ذکر کروں گا جہاں واقعی ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ،،میرا قصہ دور و دراز ہے*،، ،،سلطنت برباد دی،، برباد کی۔ دستر خوان مزید کیا۔ بڑھایا۔ ،،محنت کھینچا،، ، انتظار کھینچا،، ،،دستگیر کرکے لائے (گرفتار)۔ لیکن یہ شکستگی ہر جگہ نہیں ہے۔ بس اتنی ہی جگہوں میں ہے جنکا کہ ذکر کیا گیا۔ اول اول جب فارسی کے محاورے اردو میں ترجمہ کئے گئے تو انکا یہی عالم تھا۔ وہ آہستہ آہستہ خراد پر چڑھکر درست ہوئے ہیں۔ اب میں کچھ ایسے الفاظ کا ذکر کرونگا جنھیں انھوں نے غلط العوام اور غلط العام کی تمیز کے بغیر استعمال کیا ہے۔ بجد، مہربانگی، امراؤں، غرباؤں، سلاطینوں، پنڈت خانہ، جیسے الفاظ غلط العوام کے تحت آتے ہیں نہ کہ غلط العام کے تحت۔ ایک لفظ سنسکرت کا بھی غریب استعمال ہوا ہے ،،ایک گمت رہیں یا جدا جدا ہوجائیں،، گمت کی جگہ سنگھ زیادہ مستعمل ہے۔ یہ ہیں وہ چند محاورے اور الفاظ جنکی رسائی ان دنوں بارگاہ ادب میں نہیں ہے لیکن لاکھدو لاکھ الفاظ کی عبارت میں انکا وجود اسقدر غیر نمایاں ہے کہ ان سے امن کی زبان اور بیان پر کوئی حرف نہیں آتا ہے۔ وہ کب سہو و خطا سے اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں۔

* معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ محاورہ قدیم زمانے میں رائج تھا۔ قاسم اپنے تذکرے ،،مجموعہ نغز،، میں انشاء کے ذکر میں لکھتے ہیں ،، القصہ قصہ دور و دراز است . . . . . ،،

خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف
که پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انسان مرکب ز سہوو خطا
یہ چوکے گا ہر چند ہو ہوشیار

اب آپ انکی سہوو خطا سے درگذر کرکے جو کہ ہر ایک کے یہاں ہے انکے اسلوب کی خصوصیات پر غور کیجئے۔

یہ تاثر قائم کرنا تو بڑا سہل ہے کہ میر امن کی نثر رواں دواں، سلیس، با محاورہ اور سریع الفہم ہے لیکن ایسا کیوں ہے اسکا تجزیہ قدرے دشوار ہے ۔

میر امن کی نثر میں آہنگ ہے اسکی طرف مختلف حضرات ہمیں متوجہ کر چکے ہیں لیکن اسپر کم لوگوں نے دھیان دیا ہے کہ وہ آہنگ اتنی نا ملتزم نہیں ہے جتنی کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

(۱) ،،اگر خوبصورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ہوتا تو وہ بد بخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا،،

(۲) ،،میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسی کیا تقصیر کی ہے جسکے بدلے یہ تعزیر کی ہے،،

(۳) ،،تونے جان و مال سے خاطر کی اور جو کچھ اپنی بساط تھی حاضر کی ،،

(۴) ،،غرض دونوں نے مجھے خرد و خام کیا اور حضرت یوسف کے بھائیوں کا سا کام کیا،،۔

یہ سارے جملے مقفی ہیں۔ اور قافیوں کا یہ التزام بعض جگہوں میں گفتگو کو بے مزہ بھی کر دیتا ہے ۔ ایک موقع پر اسکی مثال ملاحظہ کیجئے۔

،،جب تو وہاں سے فراغت کر کر آیا اور میرے رُو برو عذر غیر حاضری کا شرمندگی سے لایا۔ میں نے تیری تشفی کے لئے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں جب اسنے رضا دی تب آیا،،۔

گفتگو کا یہ انداز کب کسی دور میں پایا گیا ہے اور کب کسی نے اپنے لئے فرمایا کہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آہنگ برجستہ انکے قلم سے نہیں پھوٹا ہے بلکہ اسکے لئے التزام بھی کیا ہے۔ لیکن ان کی نثر کی صرف یہی ایک خصوصیت نہیں ہے۔ وہ محمد حسین آزاد کی طرح ہر کیفیت کی مصوری کرتے ہیں۔ اور اسکا دستور انکے یہاں یہ ہے کہ وہ پہلے اعلان کیفیت کرتے ہیں اسکے بعد فوراً ہی اسکی مصوری یا توضیح کرتے ہیں اور جیسی کیفیت ہوتی ہے اسی کے مطابق آہنگ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً جہاں سکون ہے وہاں آہنگ بھی سست رو ہے اور جہاں حرکت ہے وہاں آہنگ بھی تیز ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس عبارت کا مطالعہ کیجئے۔

"اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کھینچے تاب بھوک کی نہ لاسکا۔ لاچار بے حیائی کا برقعہ منھ پر ڈال کر قصد کیا کہ بہن کے پاس چلئے (اب اسکے بعد بے حیائی کی توضیح ہے) لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا نہ خالی خط لکھا۔ بلکہ اس نے دو ایک خط خطوط ماتم پرسی اور اشتیاق کے جو لکھے اسکا بھی جواب اس خواب خرگوش میں نہ بھیجا (اب تذبذب کی منزل آتی ہے) اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا (تذبذب رفع ہوتا ہے اور ارادہ عمل کی صورت اختیار کرتا ہے) پر سوائے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانہ نظر میں نہ ٹھہرا (اب آہنگ تیز تر ہوتا ہے) جوں توں پاپیادہ خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے وہ کئی منزلیں کاٹ کر ہمشیر کے شہر میں جا کر اسکے مکان پر پہنچا"، آخری جملے میں "ہمشیر کے شہر میں جا کر"، ایک زاید فقرہ ہے جسے صرف آہنگ کی خاطر لایا گیا ہے۔

میر امن نہ تو اردو زبان کے قواعد سے بے خبر تھے اور نہ اس بات سے کہ پہلے مبتدا پھر خبر، پہلے مضاف اور پھر مضاف الیہ ہونا چاہئے لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے جملوں میں اس قاعدے کی پابندی بہت ہی کم کرتے ہیں اسکا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ اپنی عبارت کو آہنگ کا پابند رکھتے ہیں۔ اور جہاں کہیں ضرورت محسوس کرتے ہیں وہ شعرا کی

طرح خبر پہلے مبتدا بعد میں، مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں استعمال کرتے چلے جاتے ھیں۔ اور ایسا وہ اسلئے کرنے پر مجبور تھے کہ انکے زمانے کا یہی دستور تھا کہ جب نثر لکھی جاتی تو قافیہ وزن اور آھنگ سب کا خیال رکھا جاتا۔ میر امن اس ٹھوس سماجی حقیقت کو تمامتر نظرانداز نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وزن نہیں تو قافیہ اور قافیہ نہیں تو آھنگ تو ھرنا ھی چاھئے۔ لیکن میں نے یہ کیا بات کہی۔ آھنگ تو ھر نثر میں موجود ھوتا ھے خواہ وہ معریٰ ھو یا مسجع۔ ھاں یہ ضرور ھے کہ معریٰ نثر میں آھنگ متنوع ھوتا ھے وہ جگہ جگہ بہ اعتبار کیفیت بدلتا جاتا ھے اور یہی اسکی سب سے بڑی خوبی ھے۔ اسکے برعکس مسجع نثر میں آھنگ غیر متنوع ھوتا ھے۔ اس سے سب سے بڑا نقصان یہ ھوتا ھے کہ کان قافیئے کے عادی ھو جانے کے باعث اُن کے انتظار میں رھتے ھیں نہ کہ مطلب کو ذھن نشین کرنے میں مددگار رھتے ھیں۔ میر امن کے یہاں قافیئے کا التزام ھر جگہ نہیں ھے۔ گو اس سے ان کو بالکل بری بھی نہیں کیا جا سکتا ھے۔ تاھم انکی نثر کی یہ بنیادی خصوصیت نہیں ٹھہرائی جا سکتی ھے، انکی نثر کی بنیادی خصوصیت آھنگ ھی کا التزام ھے جو کہ متنوع ھے جیسا کہ ایک اچھی نثر میں ھونا چاھئے۔ زبان کو معنوی اعتبار کے ساتھ ساتھ صوتی اعتبار سے بھی دیکھنے کی یہی خوبی انکی عبارت کو فصیح بناتی ھے۔ آپ چونکے تو نہیں فصاحت کی بنیاد صوتیات ھی پرتو ھے۔ وہ تو بلاغت ھے جسکا تعلق معنی سے ھے۔

ع شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے

ع کھا کھا کے اوس اور بھی سبزا ھرا ھوا

یہ جو ساری مثالیں شبلی نے دی ھیں ان کا تعلق صوتیات ھی سے ھے۔ یہ فصاحت میر امن کے یہاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ھے " اے بیرن تو موئی مٹی کی نشانی ھے "۔ ذرا اس جملے میں بیرن کی جگہ بھائی بھیا وغیرہ رکھکر تو دیکھئے۔ ھاں انکی عبارت میں وہ لکھنوی بلاغت نہیں ھے کہ اگر ایک لفظ کشتی کا آجائے تو اسکی رعایت سے لنگر، بادبان، ناخدا سب کا لانا ضروری قرار دیا جائے اور اگر یہ بلاغت نہیں بلکہ رعایت لفظی ھے اور

بلاغت حرف مطلب کو موثر انداز میں دوسروں تک پہنچانے کا نام ہے تو پھر اسکی مثالیں بھی انکے یہاں استعاروں کے استعمال میں ڈھونڈھی جاسکتی ہیں ۔ لیکن میں نے یہاں یہ کیا بات اٹھائی ۔ بلاغت اور داستان میں ؟ یہ تو لفظ ہی کچھ اسکے لئے بھاری پڑتا ہے ۔ میر امن کی عبارت تو سریع الفہم ہے جیسا کہ خواجہ بدرالدین امان نے فن قصہ گوئی کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔

عبارت سریع الفہم حواس کو مخاطب کرنے سے ہوتی ہے ۔ اور اس کا آسان طریقہ تشبیہہ اور تمثیل (dramatization) ہے لیکن چونکہ داستان گوئی میں تمثیل کی ضرورت زیادہ اور تشبیہات کی کم ہوتی ہے، اسلئے میر امن نے زیادہ تر تمثیلات ہی سے کام نکالا ہے ویسے کہیں کہیں منظر نگاری کے موقعے پر انھوں نے اچھی تشبیہات بھی استعمال کی ہیں ، لیکن ایسے مواقع انکے یہاں اسقدر کم آتے ہیں ان کے ذکر کو حذف کیا جا سکتا ہے ۔ اب ہم آپ کی توجہ انکی تمثیل نگاری کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں ۔ دیوانگی کے عالم کی ایک تمثیل ملاحظہ ہو،، آخر وہاں سے مایوس ہو کر پھر آیا ۔ تو اس پری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا ۔ اس وقت کی حالت کیا کہوں کہ سرت جاتی رہی ۔ دیوانہ باؤلا ہو، کبھی درخت پر چڑھ جاتا اور ڈال ڈال پات پات پھرتا ۔ کبھی ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین پر گرتا اور اس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدق ہوتا ۔ کبھی چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر روتا ۔ کبھی پچھم سے پورب کو دوڑ جاتا ۔ کبھی اتر سے دکھن کو پھر آتا،، یہاں دیوانگی کی ایک اداکاری کی گئی ہے نہ کہ صرف یہ بیان واقعی ہے کہ میں دیوانہ اور باؤلا ہوگیا، وہ اپنی عبارت کو سریع الفہم بالعموم انھیں قسم کی تمثیلات، توضیحات اور مصوری سے کرتے ہیں لیکن چونکہ یہ عمل اختصار کا نہیں، بلکہ طوالت کا ہے ۔ اور میر امن فطرتاً اختصار پسند واقع ہوئے تھے اسلئے وہ اکثر اس عمل کے بجائے چھوٹے چھوٹے محاوروں اور اچھوتے استعاروں سے بھی کام نکال لیتے ہیں ۔ جس وقت کہ ادب کا ایک طالب علم انکی انشا پردازی کی کسی دایم اور باقی خدمت کا پتہ چلائے گا تو اسکی نظر انکی تمثیل نگاری اور مصوری پر نہیں بلکہ ان نئے استعاروں اور افعال پر پڑیگی جو کہ انھوں نے ہمیں دئے ہیں

کیونکہ زبان کے سرمائے میں انھیں سے اضافہ ہوتا رہتا ہے اس سلسلے میں ان کی خدمات بڑی اہم اور وسیع ہیں۔ میر امن نے جو ہمیں نئے استعارے دئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ ،، جب نشہ طلوع ہوا،، ۔ ،، مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے،، ۔ ،، دھری نوبتیں جھڑنے لگیں،، ،، دنیا کا یہی آوا گون ہے،، ،، کریال میں غلیلا لگا،،* تب میں نے دل چلا کر کہا ۔ ،،آدمی اناج کا کیڑا ہے،، ،، آدمی کا شیطان آدمی ہے،،** ۔ یہ صحیح ہے کہ ان کہاوتوں اور استعاروں میں سے چند پرانے بھی ہیں اور انھوں نے انھیں وضع نہیں کیا ہے۔ لیکن اس سے انکی خدمت کی اہمیت گھٹتی نہیں ہے۔ اسطرح انھوں نے ہمیں بہت سے نئے افعال اسم سے بنا کر دئے ہیں ۔ ،،وبات سے بتیانا ۔ ڈور سے ڈوریانا ۔ ٹانگ سے ٹنگیانا ۔ ایڑی سے اڑانا ۔ پانی سے پنیانا ۔ ننگا سے ننگیانا وغیرہ

وہ اپنی اسی اختصار اور جامعیت پسندی کے باعث جو کہ نئے سے نئے استعاروں اور افعال کی جستجو سے ظاہر ہے وہ مترادفات یا گارساں دتاسی کے الفاظ میں ،، ایسے الفاظ نہیں لاتے جنکے کوئی معنی (اس عبارت میں) نہیں ہوتے،، ۔ یہاں یہ سجھایا جا سکتا ہے کہ وہ تابع مہمل الفاظ اکثر استعمال کرتے ہیں لیکن ایسا وہ ایسے ہی موقع پر کرتے ہیں جہاں وہ گفتگو کا فطری انداز پیدا کرتے ہیں ۔ ورنہ انکی ٹھونکی ہوئی عبارت کا انداز تو یہ ہے کہ ایک فقرے میں ایک جملے کا مفہوم ادا کر جاتے ہیں ،، رعیت آباد خزانہ معمور، لشکر مرفہ، غربا آسودہ،، یہاں صفت اپنے موصوف کے ساتھ اسطرح جڑی ہوئی ہے گویا وہ صرف اسی کے لئے وضع ہوئی تھی۔ معاف کیجئے گا بلاغت انھیں باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔

پھول کے پہلو ہی میں تو خار ہوتے ہیں۔ جہاں انکی عبارت میں یہ ساری خوبیاں ہیں وہاں ایک بہت بڑی کمزوری بھی ہے۔ زبان کی نہیں بلکہ

---

* بیٹھے اگر خوشی سے آ کر چمن میں بلبل
کریال میں غلیلا ایسا لگے کہ اڑجا
(سجاد ہمعصر میر)

** نوراللغات

اس بات کی ہے کہ انہیں جذبات نگاری میں قدرت حاصل نہ تھی۔ وہ سفر کے ھرج مرج اور طلسم و حیرت کا سماں اچھا باندھتے ھیں، کہیں کہیں کسی کو دو ھتھی جھاڑتا اور ھانک پکار کے بھگاتا ھوا بھی پیش کر لیتے ھیں لیکن جب محبت یا غم کی کیفیت کے بیان کا وقت آتا ھے تو وہ توضیح اور تمثیل سے آگے بڑھ نہیں پاتے ھیں۔ وہ نہ تو جدائی کا کوئی نوحہ لکھ پاتے ھیں اور نہ محبت کی کوئی غزل۔ وہ عشق کی داستان لکھتے ھیں لیکن عشق کی کیفیات کو سوز اور درد کیساتھ بیان کرنے پر قادر نہیں ھیں۔ اسکے لئے تنہا تمثیل کافی نہیں ھے۔ اداکاری کے ساتھ کچھ شاعری کو بھی ساتھ لینا پڑتا ھے لیکن چونکہ بد قسمتی سے نہ تو وہ شاعر تھے اور نہ شاعر کے بھائی اسلئے وہ تلپھتے اور تڑپتے کے آگے کوئی اور حرف الم لکھ نہ سکے۔ کاش کہ انھوں نے یہ کام کچھ اساتذہ کے اشعار ھی سے لیا ھوتا۔ لیکن انھیں تو اچھے اشعار سے کچھ بیر سا معلوم ھوتا ھے ''نو طرز مرصع''، میں تحسین نے میر و سودا، اور سوز وغیرہ کے اشعار کثرت سے نقل کئے ھیں لیکن میر امن نے انھیں ایک سرے سے قلمزد کردیا اور ان کی جگہ ھندوستانی گفتگو میں ایسے بے معنی اور پھسپھسے اشعار پیش کئے ھیں جو غالباً انھیں کے طبع زاد ھیں:-

آفتوں کو عشق کی، عاشق سے پوچھا چاھئے
کیا خبر فاسق کو ھے صادق سے پوچھا چاھئے

اس عشق کی بدولت کیا کیا خرابیاں ھیں
دل میں اداسیاں ھیں اور اضطرابیاں ھیں

نہ جانوں کس پری رو کی نظر ھوئی
ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دل

قابو میں ھوں میں ترے اب گو جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسو نے پھر دم لیا تو پھر کیا

باغ و بہار میں دلی کی معاشرت کی جھلکیاں

ہماری ہر داستان خواہ اسکا محل وقوع چین و عرب ہو یا کہ عجم، اسکے ہیرو امیر حمزہ ہوں یا کہ ادنیٰ درویش، اپنے عہد کی معاشرت کا ایک آئینہ بھی ہے ۔ قوت متخیلہ حقیقت پر ایک رنگین فانوس چڑھاتی ہے نہ کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں لاتی ہے ۔ چنانچہ باغ وبہار کی مختلف حکایتوں کے در و بام بھی عہد مغلیہ ہی کی رنگینئی شفق سے آراستہ کئے گئے ہیں ۔ اس میں اسی دلی کی افسردہ سلگتی ہوئی شام کی رنگینی ہے جو کہ احمد شاہ ابدالی کی غارتگری سے کچھ روز پہلے تھی ۔ یا زیادہ سے زیادہ اس عہد کی کسی شام کی رنگینی ہے جبکہ محمد شاہ رنگیلے، ٹپے ٹھمری کے مصنف، داستان گویوں کے مربی، فقیر و درویش کے معتقد جاہ و جلال تیمور کو غرق مئے ناب کئے ہوئے تھے اور قلعے کی شہزادیاں شربت ورق الخیال کے نشے میں بے حجاب سی ہو رہی تھیں ۔ اس عیش و نشاط اور رقص و سرود کی محفل میں کیا شحنہ اور کیا محتسب دونوں کی زبان گنگ تھی ۔ ایک نے رشوت کھائی اور دوسرے نے مئے پی رکھی تھی ۔ دونوں گنہگار تھے، صرف آدمی پرہیزگار تھا ۔ اور چونکہ قصہ آدمی کی پرہیزگاری کا ہے نہ کہ ان دونوں کی گنہگاری کا اس لئے گلابیاں طاقوں پر چنی دھری رہتیں ۔ جب بھی کوئی مہمان آتا تو بلا تکلف اس سے انہیں نوازا جاتا ۔ اس سے شہزادیاں مستثنیٰ نہ تھیں ۔ لیکن شہزادیوں کا 'یہ آداب معاشرت، انکی یہ دیدہ دلیریاں کہ خواجہ سراؤں کے ذریعے اپنے عاشقوں کو بلوائیں، قلعے کے نیچے سُرنگیں لگوائیں، سوداگروں کی بہو بیٹیوں میں نہ تھا، ہر چند کہ اسوقت کا خواجہ زادہ اپنی دولت میں شہزادے سے کم نہ تھا ۔ پہلے درویش کی بہن کیسی گھریلو اور سگھڑ ہے ۔ رسم و رواج میں ٹھیٹھ ہندوستانی ہے ۔ بھائی کے آنے پر کالے ٹکے اور ماش کا صدقہ دیتی ہے ۔ جب رخصت کرتی ہے تو دھی کا ٹیکہ ماتھے پر لگاتی ہے ۔

یہی ہندی خلوص اور مہر و وفا، شہزادۂ فرنگ کے کوکا اور شہزادۂ چین کے خواجہ سرا مبارک کے یہاں بھی ملتا ہے ۔ حالانکہ ایک مرد جری ہے جو کہ تلوار دو دستی جھاڑتا ہے اور دوسرا نرا خواجہ سرا ہے جو کہ ننگا منگا تہمد جھاڑ کر ملک صادق کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے ۔ پھر بہزاد خاں داروغہ شہر بھی تو دلی ہی کا کوئی بانکا سپاہی تھا جسنے قلعے کے نامرد سپاہیوں کو للکارا اور ہانک پکار کے ملکۂ مہر نگار اور اسکے خصم کو اپنے ساتھ لیگیا *۔ کیا عجب جو اگلے وقتوں میں برات کی بہی رسم رہی ہو اور وہ کٹنی شیطان کی خالہ تو سراسر دلی ہی کے کسی گلی کوچے کی تھی جو کہ تسبیح کے ہر دانے پر عیاری کے اشلوک پڑھتی تھی، اور وہ دختر نیک اختر اندھے ہندوستانی بھکاری کی ہندی ہی تو تھی ۔ کیا عجب جو دلی ہی کی رہی ہو جو اس للچائے ہوئے انداز سے بولی ,,اے جوان خدا سے ڈر، بگانی استری پر نگاہ مت کر،، غرض کہ سارے افراد قصہ خواہ وہ زیر باد کی کنیا ہو یا کہ بصرے کی شاہزادی، شاہزادۂ نیم روز ہو یا کہ سراندیپ کے چوبے اور پانڈے سب اسی دیار کے لگتے ہیں جہاں میر امن کا آنول نال گڑا تھا ۔ بصرے کی شاہزادی باپ کے قہر و عتاب میں پڑ کر بھی اسکی محبت اور احترام کو فراموش نہیں کرتی ہے، خواجہ سگ پرست کی نیک بخت جورو ملک زیرباد کی کنیا جب یہ خبر سنتی ہے کہ اسکا شوہر مارا گیا تو وہ سینے میں خنجر مار کر ستی ہوتی ہے ۔ جب ہندوستان کی معاشرت اس حد تک قصے میں سرایت کئے ہوئے ہو کہ ایک متشرع کی کلمہ گو جورو، ستی ہوتی ہو تو پھر لباس و طعام، گہنے پاتے، نقل و حمل کے سامان، قلعے اور دربار کی شان، نوکر چاکر کے نام اور عیش و نشاط کے سامان کیونکر نہ اس زمانے کے ہوں ۔ وہی گوکھرو اور لہر ٹکے ہوئے پلو اور آنچل، وہی پشواز اور تہہ پوشی ہے، وہی نیمہ آستیں اچکن چپکن

---

*بہادری کا ایک ایسا ہی واقعہ تاریخ مغلیہ میں بھی ملتا ہے جسوقت ۱۷۶۱ع میں شہزادہ عالی گہر قلعہ کی دیوار کو پھاند کر بھاگا ہے تو اسکا رفیق جان سید علی اعظم خاں تن تنہا قلعے کی فوج سے لڑتا رہا ۔ اسکی بہادری کا یہ قصہ زبان زد خاص و عام رہا ہے ۔ (تاریخ ہند ذکاءاللہ)

چڑھواں جوتا اور پگڑی ہے ۔ وہی مرصع کنگن، سولہ ابھرن ہیں، وہی پالکی نالکی، چوڈول، ہوا دار، نواڑے، بجرے، لنبوت اور غراب ہیں ۔ وہی چھوچھو، انگا، دایہ، یساول، عصابرادا، بھوئی اور حمال ہیں، وہی گلابی اور حباب، وہی شراب اور ورق الخیال ۔ وہی گانے بجانے والے بھانڈ بھگتیئے۔ کلاونت اور قوال ہیں ۔ اور کھانوں کی فہرست تو ایک بوری کتاب خوان نعمت، سے بھی سوا ہے ۔ غرضیکہ یہ کتاب دلی کی معاشرت اور اسکے گلی کوچے کے اوراق مصور ہیں جہاں آدمی ہزاری بزاری طرح طرح کے ملتے ہیں۔ کہیں کسی نوجوان کو گھورنے کے لئے ایک میلہ سا لگا ہے تو کہیں کسی کے پاس باغ میں شراب کے دور، معشوق کی صحبت میں چل رہے ہیں اور ،،دو چار لڑکے امرد صاحب جمال زلفیں کھولے ہوئے ناچ رہے ہیں،، اور اگر کہیں کسی کے گھر پر ضیافت کی تیاری ہے تو پانی کے چھڑکاؤ، فرش فروش، جھاڑ فانوس، یساول، عصا بردار کے علاوہ کنچنیاں، بھانڈ بھگتیئے، کلاونت اور قوال بھی حاضر ہیں* ۔ خدا کا شکر ہے کہ ان میں کوئی شاعر نہیں ہے ۔ ایسے باغ کی سیر کی تمنا کسے نہ ہوگی جس سے حظ اٹھانے میں ہم خرما ہم ثواب کا مزا ہے ۔ سچ ہے اس باغ کو خزاں نہیں ۔ کب کوئی صاحب ہنر ایسا باغ سجاتا ہے ۔ آئیے ہم سب مرحوم کو یاد کریں ۔ اور یہ دعا مانگیں جو کوئی اس قصے کو پڑھے گا وہ نہ صرف حرص و ہوس سے نجات پائے گا بلکہ اپنی زبان کو بھی سیکھیگا کہ آدمی اسکی قوت سے محروم ہو کر اپنی قومیت کو کھوتا ہے ۔ اور ابد لا باد تک غلام رہتا ہے۔

ممتاز حسین

۸٦۷ - پیر الہی بخش کالونی - کراچی

نومبر سنہ ۱۹۵۷

---

* میر امن نے دلی کی جو یہ تصویر پیش کی ہے اسکے ایک ایک خدوخال کی تصدیق نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں سالار جنگ کے ،،مرقع دھلی،، سے ہوتی ہے۔ جو کہ محمد شاہی عہد کی بزم طرب کا ایک مستند خاکہ ہے ۔ میں نے طوالت کے خوف سے اقتباسات نہیں دئے ہیں ۔ مولف ۔

باغ و بہار

تالیف کیا ہوا میر امن دلّی والے کا

ماخذ اس کا "نو طرزِ مرصّع"

کہ وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہے

فارسی قصّۂ چہار درویش سے

فہرست باغ و بہار

صفحہ

مقدمہ جان گلکرایسٹ کا	(الف)
عرضی میر امن دلی والے کی	(ب)
مقدمہ میر امن کا	۱—۷
شروع قصہ میں	۸—۱۸
سیر پہلے درویش کی	۱۹—۶۶
سیر دوسرے درویش کی. . . .	۶۷—۱۱۳
سر گذشت آزاد بخت پادشاہ کی . . .	۱۱۴—۱۹۳
سیر تیسرے درویش کی . . .	۱۹۴—۲۱۷
سیر چوتھے درویش کی . . .	۲۱۸—۲۴۸
خاتمۂ کتاب میں	۲۴۹—۲۵۰

مقدمہ جان گلکرایسٹ کا

یہ قصہ اردو میں ترجمہ ہونے سے پہلے فارسی زبان میں قصۂ چہار درویش کے نام سے ایک زمانے سے مقبول خاص و عام رہا ہے ۔ اسکی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ امیر خسرو کے پیرومرشد حضرت نظام الدین اولیا کی طبیعت ناساز ہوئی ۔ تب ان کا دل بہلانے کے لئے امیر خسرو نے یہ قصہ فارسی زبان میں کہا ۔ اردو میں اس کا ترجمہ سب سے پہلے میر حسین عطا خاں تحسین نے کیا اور اسکا نام ,, نو طرز مرصع ،، رکھا لیکن اردو زبان کے ایک معیاری نمونے کی حیثیت سے انکا یہ ترجمہ ناقص قرار پایا کیونکہ اس میں عربی اور فارسی کے فقروں اور محاوروں کی بہتات ہے ۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے میر امن عالم و فاضل، دلی والے نے جو کہ فورٹ ولیم کالج سے وابستہ ہیں عطا خاں تحسین کے ترجمے سے اپنا یہ نیا اسلوب (Version) نکالا ہے ۔ میر امن ایک سہل و سادہ اور صاف اسلوب کے نکالنے میں کسقدر زیادہ کامیاب ہوئے ہیں اسکا اندازہ ہندوستانی زبان کا کوئی بھی عالم کر سکتا ہے ۔ وہ ریختہ کے محاوروں کو ایسی صحت اور عفت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ اسکے دیکھنے سے اس بات کا یقین کامل ہوتا ہے کہ انکی واقفیت اردو زبان سے بڑی گہری تھی ۔

اس قصے میں ایشائی رسم و رواج کا مذکور بہت خوب ہے ۔ اور ان کے بیان میں ایک ایسی کلاسیکی طہارت پائی جاتی ہے کہ اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ قصہ ان کا اپنا طبع زاد ہے ۔ یہ کتاب اپنی اس خصوصیت کے باعث ہندوستان کی ان کتابوں کے سرمائے میں ایک بیش بہا اضافہ کرتی ہے جو کہ حال ہی میں وہاں کی معروف اور مقبول زبانوں میں شائع ہوئی ہیں ــ

(ترجمہ انگریزی سے)

عرضی میر امن دلی والے کی

جو مدرسے کے مختار کار صاحبوں کے حضور میں دی گئی

صاحبان والا شان نجیبوں کے قدر دانوں کو خدا سلامت رکھے۔ اس بیوطن نے حکم اشتہار کا سنکر چار درویش کے قصے کو ہزار جد و کد سے اردوئے معلا کی زبان میں باغ وبہار بنایا ۔ فضل الہی سے سب صاحبوں کے سیر کرنے کے باعث سرسبز ہوا ۔ اب امیدوار ہوں کہ اسکا پھل مجھے بھی ملے ۔ تو میرا غنچۂ دل مانند گل کے کھلے۔ بقول حکیم فردوسی کے کہ شاھنامے میں کہتا ہے۔

بسے رنج بردم دریں سال سی
عجم زندہ کردم بہ ایں پارسی

سو اردو کی آراستہ کر زبان
کیا میں نے بنگالا ہندوستان

خاوند آپ قدر دان ھیں ۔ حاجت عرض کرنے کی نہیں ۔ الہی تارا اقبال کا چمکتا رہے۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان اللہ! کیا صانع ہے! کہ جسنے ایک مٹھی خاک سے کیا کیا صورتیں اور مٹی کی مورتیں پیدا کیں! باوجود دو رنگ کے ایک گورا ایک کالا۔ اور یہی ناک کان ہاتھ پاؤں سب کو دئے ہیں۔ تسپر رنگ برنگ کی شکلیں جدی جدی بنائیں۔ کہ ایک کی سج دھج سے دوسرے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں۔ کڑوڑن خلقت میں جسکو چاہئے پہچان لیجئے۔ آسمان اسکے دریائے وحدت کا ایک بلبلا ہے۔ اور زمین پانی کا بتاشا۔ لیکن یہ تماشا ہے کہ سمندر ہزاروں لہریں مارتا ہے۔ پر اسکا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ جسکی یہ قدرت اور سکت ہو۔ اسکی حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے۔ کہے تو کیا کہے! بہتر یوں ہے کہ جس بات میں دم نہ مار سکے چپکا ہو رہے۔

عرش سے لے فرش تک جسکا کہ یہ سامان ہے
حمد اسکی گر لکھا چاہوں تو کیا امکان ہے

جب پیمبر نے کہا ہو میں نے پہچانا نہیں
پھر جو کوئی دعویٰ کرے اسکا بڑا نادان ہے

رات دن یہ مہروسہہ پھرتے ھیں صنعت دیکھتے
پر ھر ایک واحد کی صورت دیدۂ حیران ھے

جسکا ثانی اور مقابل ھے نہ ھوویگا کبھو
ایسے یکتا کو خدائی سب طرح شایان ھے

لیکن اتنا جانتا ھوں خالق و رازق ھے وہ
ھر طرح سے مجھپر اس کا لطف اور احسان ھے

اور درود اسکے دوست پر جسکی خاطر زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور درجہ رسالت کا دیا۔

جسمِ پاکِ مصطفےٰ، اللہ کا اک نور ھے
اسلئے پرچھائیں اس قد کی نہ تھی مشہور ھے

حوصلہ میرا کہاں اتنا جو نعت اسکی کہوں
پر سخن گویوں کا یہ بھی قاعدہ دستور ھے

اور اسکی آل پر صلواۃ و سلام جو ھیں بارہ امام

حمدِ حق اور نعتِ احمد کو یہاں کر انصرام
اب میں آغاز اسکو کرتا ھوں جو ھے منظور کام

یا الٰہی واسطے اپنے نبی کی آل کے
کر یہ میری گفتگو مقبولِ طبع خاص و عام

منشا اس تالیف کا یہ ھے۔ کہ سن ایک ھزار دو سو پندرہ برس ھجری اور اٹھارہ سے ایک سال عیسوی مطابق ایک ھزار دو سو سات سن فصلی کے۔ عھد میں اشرف الاشراف مارکویس ولزلی گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن صاحب کے (جنکی تعریف میں عقل حیران اور فہم

سر گرداں ہے - جتنے وصف سرداروں کو چاہئے ان کی ذات میں خدا نے جمع کئے ہیں - غرض قسمت کی خوبی اس ملک کی تھی جو ایسا حاکم تشریف لایا جسکے قدم کے فیض سے ایک عالم نے آرام پایا۔ مجال نہیں کہ کوئی کسو پر زبردستی کر سکے - شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں - سارے غریب و غربا دعا دیتے ہیں - اور جیتے ہیں) چرچا علم کا پھیلا - صاحبان ذی شان کو شوق ہوا کہ اردو کی زبان سے واقف ہو کر ہندوستانیوں سے گفت و شنید کریں اور ملکی کام کو باگاہئی تمام انجام دیں - اس واسطے کتنی کتابیں اسی سال بموجب فرمائش کے تالیف ہوئیں -

جو صاحب دانا اور ہندوستان کی زبان بولنے والے ہیں - ان کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں - کہ یہ قصہ چہار درویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش جو ان کے پیر تھے - اور درگاہ ان کی دلی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر مٹیا دروازے سے آگے لال بنگلے کے پاس ہے - انکی طبیعت ماندی ہوئی - تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے - اور بیماری میں حاضر رہتے - اللہ نے چند روز میں شفا دی - تب انہوں نے غسل صحت کے دن یہ دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سنے گا خدا کے فضل سے تندرست رہے گا - جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا -

اب خداوند نعمت صاحب مروت نجیبوں کے قدردان جان گلکریسٹ صاحب نے (کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے جب تلک

گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا - کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو - موافق حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا، جیسے کوئی باتیں کرتا ہے -

پہلے اپنا احوال یہ عاصی گنہگار میر امن دلی والا بیان کرتا ہے - کہ میرے بزرگ ہمایوں پادشاہ کے عہد سے ہر ایک پادشاہ کی رکاب میں پشت بہ پشت جانفشانی بجا لاتے رہے - اور وہ بھی پرورش کی نظر سے قدردانی جتنی چاہئے فرماتے رہے - جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کرکر مالامال اور نہال کردیا - اور خانہ زاد موروثی اور منصب دار قدیمی زبان مبارک سے فرمایا - چنانچہ یہ لقب پادشاہی دفتر میں داخل ہوا - جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہونچی کہ ظاہر ہے - عیان را چہ بیان - تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کرلیا - اور احمد شاہ درانی نے گھر بار تاراج کیا - ایسی ایسی تباہی کھا کر ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے - اور آنول نال وہیں گڑا ہے) جلاوطن ہوا - اور ایسا جہاز (کہ جسکا ناخدا پادشاہ تھا) غارت ہوا - میں بیکسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا - ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے - کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا - کچھ بنی کچھ بگڑی - آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے - روزگار نے موافقت نہ کی - عیال و اطفال کو چھوڑ کر تن تنہا کشتی پر سوار ہو اشرف البلاد کلکتے میں آب دانے کے زور سے آپہنچا - چندے بیکاری گذری - اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے

بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا ۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا ۔ لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گلکریسٹ صاحب بہادر (دام اقبالہ) کے رسائی ہوئی ۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جوانمرد کا دامن ہاتھ لگا ہے۔ چاہئے کہ دن کچھ بھلے آویں۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں۔ اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدردان کو کرتے ہیں ۔ خدا قبول کرے۔

حقیقت اردو کی زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سنی ہے۔ کہ دلی شہر ہندؤں کے نزدیک چوجگی ہے ۔ انہیں کے راجہ پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے ۔ ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا ۔ سلطان محمود غزنوی آیا ۔ پھر غوری اور لودی پادشاہ ہوئے ۔ اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی ۔ آخر امیر تیمور نے (جنکے گھرانے میں اب تلک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے) ہندوستان کو لیا ۔ ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا ۔ اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا ۔ پھر ہمایوں پادشاہ پٹھانوں کے ہاتھ سے حیران ہو کر ولایت گئے ۔ آخر وہاں سے آن کر پسماندوں کو گوشمالی دی۔ کوئی مفسد باقی نہ رہا کہ فتنہ و فساد برپا کرے۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم، قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سنکر حضور میں آکر جمع ہوئے ۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔

اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی - جب حضرت شاھجہاں صاحب قران نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا اور تخت طاؤس میں جواھر جڑوایا اور دَل بادل سا خیمہ چوبوں پر استادہ کر طنابوں سے کھنچوایا اور نواب علی مردان خاں نہر کو لیکر آیا - تب پادشاہ نے خوش ھوکر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا - تب سے شاھجہان‌آباد مشہور ھوا۔(اگرچہ دلی جدی ھے - وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ھے) اور وھاں کے بازار کو اردوئے معلا خطاب دیا--

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاھت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تلک پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی- ندان زبان اردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی - لیکن قدردان منصف چاھئے جو تجویز کرے- سو اب خدا نے بعد مدت کے جان گلکریسٹ صاحب سا دانا نکتہ رس پیدا کیا کہ جنھوں نے اپنے گیان اور اگت سے اور تلاش و محنت سے قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں - اس سبب سے ھندوستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ھوا - اور نئے سر سے رونق زیادہ ھوئی - نہیں تو اپنی دستار و گفتار و رفتار کو کوئی برا نہیں جانتا - اگر ایک گنوار سے پوچھئے تو شہر والے کو نام رکھتا ھے - اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ھے - خیر - عاقلاں خود میدانند--

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا - شاہ عالم پورب کی طرف تھے - کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا - شہر

بے سر ہوگیا - سچ ہے - پادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی-
ایکبارگی تباہی پڑی - رئیس وہاں کے، میں کہیں تم کہیں، ہو کر
جہاں جسکے سینگ سمائے وہاں نکل گئے - جس ملک میں پہنچے
وہاں کے آدمیوں کی ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا - اور
بہت ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلی میں گئے
اور رہے - وہ بھی کہاں تلک بول سکینگے - کہیں نہ کہیں
چوک ہی جائینگے - اور جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑا
ہوکر رہا - اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گذریں - اور اسنے
دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے، عرس، چھڑیاں، سیر تماشا اور کوچہ
گردی اس شہر کی مدت تلک کی ہوگی - اور وہاں سے نکلنے کے بعد
اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا - اسکا بولنا البتہ ٹھیک ہے-
یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا دیکھتا یہاں تلک
پہنچا ہے--

شروع قصے میں

اب آغاز قصے کا کرتا ہوں۔ ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے۔ اور کہنے والے نے کہا ہے۔ کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا۔ کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اسکی ذات میں تھی۔ نام اس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جسکو استنبول کہتے ہیں) اس کا پایہ تخت تھا۔ اسکے وقت میں رعیت آباد۔ خزانہ معمور۔ لشکر مرفّہ۔ غریب غربا آسودہ۔ ایسے چین سے گذران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید۔ اور رات شب برات تھی۔ اور جتنے چور چکار جیب کترے صبح خیزے اٹھائی گیرے دغاباز تھے۔ سب کو نیست و نابود کرکر نام و نشان ان کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے۔ اور دوکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی مسافر جنگل میدان میں سونا اچھالتے چلے جاتے۔ کوئی نہ پوچھتا کہ تمھارے منھ میں کئے دانت ہیں۔ اور کہاں جاتے ہو۔

اس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے۔ اور کئی سلطان نعلبندی دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا جو چاہئے سب موجود تھا۔ لیکن فرزند کہ زندگانی کا پھل ہے، اسکی قسمت کے باغ

میں نہ تھا۔ اس خاطر اکثر فکر مند رہتا۔ اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا۔" کہ اے اللہ! مجھ عاجز کو تونے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا۔ لیکن ایک اس اندھیرے گھر کا دیا نہ دیا۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے۔ کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں۔ اور تیرے خزانہ غیب میں سب کچھ موجود ہے۔ ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے۔ تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان قائم رہے۔"

اسی امید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہوگئی۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر۔ وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ ایکبارگی آئینے کی طرف خیال جو کرتے ہیں۔ تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا۔ کہ مانند تار مقیش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ دیکھکر آبدیدہ ہوئے۔ اور ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر دل میں اپنے سوچ کیا۔ کہ افسوس! تو نے اتنی عمر ناحق برباد دی۔ اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اتنا ملک جو لیا۔ اب تیرے کس کام آویگا؟ آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اڑا دیگا۔ تجھے تو پیغام موت کا آچکا۔ اگر کوئی دن جئیے بھی۔ تو بدن کی طاقت کم ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث چھتر اور تخت کا پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے۔ اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھوڑ دوں۔ اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں۔

یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر پائیں باغ میں جاکر، سب مجرائیوں کو جواب دیکر فرمایا۔ کہ "کوئی آج سے میرے پاس نہ

آوے ۔ سب دیوان عام میں آیا جایا کریں ۔ اور اپنے کام میں مستعد رهیں،، ۔ یہ کہکر آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مصلا بچھا کر عبادت میں مشغول ہوئے۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا ۔ اسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گذرے ۔ شام کو روزہ کھولنے کے وقت، ایک چھوهارا کھاتے اور تین گھونٹ پانی پیتے ۔ اور تمام دن رات جائے نماز پر پڑے رہتے ۔ اس بات کا باهر چرچا پھیلا ۔ رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر گئی کہ بادشاہ نے بادشاهت سے هاتھ کھینچکر گوشہ نشینی اختیار کی ۔ چاروں طرف غنیموں اور مفسدوں نے سر اٹھایا ۔ اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاها ملک دبا لیا ۔ اور سرانجام سرکشی کا کیا ۔ جہاں کہیں حاکم تھے ۔ ان کے حکم میں خلل عظیم واقع هوا ۔ هر ایک صوبے سے عرضی بدعملی کی حضور میں پہنچی ۔ درباری امرا جتنے تھے جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔

آخر یہ تجویز ٹھہری ۔ کہ نواب وزیر عاقل اور دانا ھے ۔ اور بادشاہ کا مقرب اور معتمد ھے ۔ اور درجے میں بھی سب سے بڑا ھے ۔ اسکی خدمت میں چلیں ۔ دیکھیں وہ کیا مناسب جانکر کہتا ھے ۔ سب عمدہ، امیر، وزیر کے پاس آئے اور کہا ۔ بادشاہ کی یہ صورت ۔ اور ملک کی وہ حقیقت ۔ اگر چندے اور تغافل هوا ۔ تو اس محنت کا ملک لیا هوا مفت میں جاتا رهیگا ۔ پھر هاتھ آنا بہت مشکل ھے ۔ وزیر پرانا، قدیم نمک حلال اور عقل مند، نام بھی خرد مند اسم با مسمیٰ تھا، بولا ۔ ''اگر چہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ھے ۔ لیکن تم چلو میں بھی چلتا هوں ۔ خدا کرے بادشاہ کی مرضی آوے جو رو برو بلاوے،، ۔ یہ کہکر سب کو اپنے ساتھ

دیوان عام تلک لایا ۔ ان کو وھاں چھوڑ کر آپ دیوان خاص میں آیا ۔ اور بادشاہ کی خدمت میں محلی کے ھاتھ کہلا بھیجا ۔ کہ ''یہ پیر غلام حاضر ھے ۔ کئی دنوں سے جمال جہان آرا نہیں دیکھا۔ امیدوار ھوں کہ ایک نظر دیکھکر ۔ قدم بوسی کروں۔ تو خاطر جمع ھو،، ۔ یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سنی ۔ از بسکہ قدامت اور خیر خواھی اور تدبیر اور جان نثاری اسکی جانتے تھے ۔ اور اکثر اسکی بات مانتے تھے۔ بعد تامل کے فرمایا ۔ ''خرد مند کو بلاؤ ،، ۔ بارے جب پروانگی ھوئی ۔ وزیر حضور میں آیا ۔ آداب بجا لایا ۔ اور دست بستہ کھڑا رھا ۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجب صورت بن رھی ھے ۔ کہ زار بزار رونے اور دبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ھیں ۔ اور چہرہ زرد ھو گیا ھے۔

خرد مند کو تاب نہ رھی ۔ بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ھاتھ سے سر اسکا اٹھایا ۔ اور فرمایا ۔'' لو ۔ مجھے دیکھا۔ خاطر جمع ھوئی؟ اب جاؤ۔ زیادہ مجھے نہ ستاؤ ۔ تم سلطنت کرو،،۔ خرد مند سنکر ۔ دھاڑ* مار کر رویا ۔ اور عرض کی ۔'' غلام کو آپ کے تصدق اور سلامتی سے همیشہ بادشاھت میسر ھے ۔ لیکن۔جہاں پناہ کی یک بہ یک اس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ھے ۔ اور انجام اسکا اچھا نہیں ۔ یہ کیا خیال مزاج مبارک میں آیا؟ اگر اس خانہ زادِ موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجے تو بہتر ھے ۔ جو کچھ عقل ناقص میں آوے ۔ التماس کرے۔ غلاموں کو ۔ جو یہ سرفرازیاں بخشی ھیں ۔ اسی دن کے واسطے۔ کہ بادشاہ عیش و آرام کریں ۔ اور نمک پروردے تدبیر میں ملک کی

---

*دکن کے یہاں ڈاڑھ

رہیں - خدا نخواستہ جب فکر مزاج عالی کے لاحق ہوئی-تو بندھائے پادشاھی کسدن کام آوینگے؟،، بادشاہ نے کہا ’’سچ کہتا ھے - پر جو فکر میرے جی کے اندر ھے - سو تدبیر سے باھر ھے-

سن اے خرد مند میری ساری عمر اسی ملک گیری کے درد سر میں کٹی - اب یہ سن وسال ھوا - آگے موت باقی ھے - سو اسکا بھی پیغام آیا - کہ سیاہ بال سفید ھو چلے - وہ مثل ھے- ساری رات سوئے- اب صبح کو بھی نہ جاگیں؟ اب تلک ایک بیٹا پیدا نہ ھوا-جو میری خاطر جمع ھوتی - اس لئے دل سخت اداس ھوا - اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا - جسکا جی چاھے ملک لے-یا مال لے-مجھے کچھ کام نہیں-بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکھتا ھوں- کہ سب چھوڑ چھاڑ کر- جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں اور منہ اپنا کسی کو نہ دکھاؤں-اسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں- اگر کوئی مکان خوش آیا-تو وھاں بیٹھ کر بندگی اپنے معبود کی بجا لاؤں گا- شاید عاقبت بخیر ھو- اور دنیا کو تو خوب دیکھا- کچھ مزہ نہ پایا،، - اتنی بات بولکر-اور ایک آہ بھر کر-بادشاہ چپ ھوئے-

خرد مند ان کے باپ کا وزیر تھا- جب یے شہزادے تھے-تب سے محبت رکھتا تھا-علاوہ، دانا اور نیک اندیشں تھا - کہنے لگا - ’’خدا کی جناب سے ناامید ھونا ھرگز مناسب نہیں-جس نے ھیژدہ ھزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا-تمہیں اولاد دینی اسکے نزدیک کیا بڑی بات ھے؟ قبلہ عالم اس تصور باطل کو دل سے دور کرو- نہیں تو تمام عالم درھم برھم ھوجائے گا- اور یہ سلطنت کس کس محنت اور مشقت سے تمھارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ھے؟ ایک ذرا میں ھاتھ سے نکل جائے گی - اور بے خبری سے ملک ویران

ہو جائیگا - خدا نخواستہ بدنامی حاصل ہو گی - اسپر بھی باز پرس روز قیامت کے ہوا چاہے - کہ مجھے بادشاہ بنا کر - اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا - تو ہماری رحمت سے مایوس ہوا - اور رعیت کو حیران پریشان کیا - اس سوال کا کیا جواب دو گے؟ پس عبادت بھی اس روز کام نہ آئے گی - اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے - اور پادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائینگے - غلام کی بے ادبی معاف ہو - گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا کام جوگیوں اور فقیروں کا ہے - نہ کہ بادشاہوں کا - تم اپنے جوگا کام کرو - خدا کی یاد اور بندگی جنگل پہاڑ پر موقوف نہیں - آپ نے یہ بیت سنی ہو گی -

خدا اِس پاس - یہ ڈھونڈھے جنگل میں
ڈھنڈھورا شہر میں - لڑکا بغل میں

اگر منصفی فرمائیے - اور اس فدوی کی عرض قبول کیجئیے - تو بہتر یوں ہے - کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں - اسکی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا - دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف عدالت غریب غربا کی فرمایں - تو بندے خدا کے، دامن دولت کے سائے میں امن و امان، خوش گذران رہیں - اور رات کو عبادت کیجئیے - اور درود پیمبر کی روح پاک کو نیاز کر کر، درویش گوشہ نشین متوکلوں سے مدد لیجئیے - اور روز راتب یتیم اسیر عیالداروں محتاجوں اور رانڈ بیواؤں کو کر دیجئیے - ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے - خدا چاہے - تو امید قوی ہے کہ تمہارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں - اور جس واسطے مزاج عالی مکدر ہو رہا ہے

وہ آرزو بر آوے - اور خوشی خاطر شریف کو ھوجاوے - پروردگار کی عنایت پر نظر رکھئیے- کہ وہ ایک دم میں-جو چاہتا ھے سو کرتا ھے،، - بارے خرد مند وزیر کی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی - فرمایا - ''اچھا- تو جو کہتا ھے- بھلا - یہ بھی کر دیکھیں- آگے- جو اللہ کی مرضی ھے - سو ھوگا،،-

جب بادشاہ کے دل کو تسلی ھوئی -تب وزیر سے پوچھا - کہ ''اور سب امیر و دبیر کیا کرتے ھیں- اور کسطرح ھیں؟،، اس نے عرض کی کہ ''سب ارکان دولت قبلہ' عالم کی جان و مال کو دعا کرتے ھیں- آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ھورھے ھیں- جمال مبارک اپنا دکھائیے تو سب کی خاطر جمع ھوے- چنانچہ اس وقت دیوان عام میں حاضر ھیں،، - یہ سن کے بادشا نے حکم کیا- ''انشاء اللہ تعالی-کل دربار کرونگا- سب کو کہدو-حاضر رھیں،،- خردمند یہ وعدہ سنکر خوش ھوا- اور دونوں ھاتھ اٹھا کر دعا دی- کہ ''جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ھیں- تمھارا تاج و تخت قائم رھے،،- اور حضور سے رخصت ھوکر - خوشی خوشی باھر نکلا - اور یہ خوشخبری امراؤں سے کہی - سب امیر ھنسی خوشی گھر کو گئیے - سارے شہر میں آنند ھوگئی - رعیت پرجا مگن ھوئی - کہ کل بادشاہ دربار عام کریگا - صبح کو سب خانہ زاد اعلا ادنا - اور ارکان دولت چھوٹے بڑے- اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آکر کھڑے ھوئے- اور منتظر جلوۂ بادشاھی کے تھے-

جب پہر دن چڑھا- ایکبارگی پردہ اٹھا-اور بادشاہ نے برآمد ھوکر تخت مبارک پر جلوس فرمایا - نوبت خانے میں شادیانے

بجنے لگے - سبھوں نے نذریں مبارکبادی کی گذرانیں - اور مجربگاہ میں تسلیمات و کورنشات بجالائے - موافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی - سب کے دل کو خوشی اور چین ہوا - جب دوپہر ہوئی - برخاست ہو کر - اندرون محل داخل ہوئے - خاصہ، نوشِ جان فرما کر - خواب گاہ میں آرام کیا - اس دن سے بادشاہ نے یہی مقرر کیا - کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا - اور تیسرے پہر کتاب کا شغل - یا ورد، وظیفہ پڑھنا - اور خدا کی درگاہ میں توبہ استغفار کر کر اپنے مطلب کی دعا مانگنی -

ایک روز کتاب میں بھی لکھا دیکھا - کہ اگر کسی شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو - کہ اسکا علاج تدبیر سے نہ ہوسکے - تو چاہئے کہ تقدیر کے حوالے کرے - اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے - درود - طفیل، پیغمبر کی روح کے - ان کو بخشے - اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھکر دل کو اس غفلت دنیوی سے ہشیار رکھے - اور عبرت سے رووے - اور خدا کی قدرت کو دیکھے - کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحب ملک و خزانہ اس زمین پر پیدا ہوئے لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لاکر خاک میں ملادیا - یہ کہاوت ہے -

چلتی چکّی دیکھ کر - دیا کبیرا رو
دو پاٹن کے بیچ آ - ثابت گیانہ کو

ب جو دیکھئے سوائے ایک مٹی کے ڈھیر کے - ان کا کچھ نشان باقی نہیں رہا - اور سب دولت دنیا، گھر بار، آل و اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر اکیلے پڑے ہیں - یہ سب

ان کے کچھ کام نہ آیا بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ کہ یے کون تھے۔ اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں۔(کہ کیڑے مکوڑے چیونٹے سانپ ان کو کھا گئے) یا ان پر کیا بیتی اور خدا سے کیسی بنی - یہ باتیں اپنے دل میں سوچ کر ساری دنیا کو پیکھنے کا کھیل، جانے۔ تب اسکے دل کا غنچہ ہمیشہ شگفتہ رھیگا۔ کسی حالت میں پژمردہ نہ ھوگا - یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی بادشاہ کو خرد مند وزیر کا کہنا یاد آیا۔ اور دونوں کو مطابق پایا - یہ شوق ھوا - کہ اس پر عمل کروں - لیکن سوار ھو کر اور بھیڑ بھاڑ لیکر - بادشاھوں کی طرح سے جانا اور پھرنا مناسب نہیں - بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر رات کو اکیلے مقبروں میں یا کسی مرد خدا گوشہ نشین کی خدمت میں جایا کروں۔ اور شب بیدار رھوں۔ شاید ان مردوں کے وسیلے سے دنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسر ھو۔

یہ بات دل میں مقرر کر کر ایک روز رات کو موٹے جھوٹے کپڑے پہنکر کچھ روپے اشرفی لیکر - چپکے قلعے سے باھر نکلے اور میدان کی راہ لی۔ جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے۔ نہایت صدق دل سے درود پڑھ رہے تھے - اور اس وقت بادِ تند چل رھی تھی۔ بلکہ آندھی کہنا چاھئے - ایک بارگی بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے - دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی حکمت سے نہیں - یا یہ طلسم ہے۔ کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتی کے آس پاس چھڑک دیجئے۔ تو کیسی ھی ھوا چلے - چراغ گل نہ ھوگا - یا کسی ولی کا چراغ ہے کہ جلتا ہے۔

جو کچھ ہو سو ہو۔چل کر دیکھنا چاہئے۔شاید اس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو۔اور دل کی مراد ملے۔یہ نیّت کرکے اس طرف کو چلے۔جب نزدیک پہنچے۔دیکھا تو چار فقیر بے نوا کفنیاں گلے میں ڈالے، اور سر زانو پر دھرے، عالم بے ہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں۔اور ان کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے ملک اور قوم سے بچھڑ کر، بیکسی اور مفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہو کر حیران رہ جاتا ہے۔اسی طرح سے یہ چاروں نقش دیوار ہو رہے ہیں۔اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹمٹما رہا ہے۔ہرگز ہوا اسکو نہیں لگتی گویا فانوس اس کی* آسمان بنا ہے۔کہ بے خطرے جلتا ہے۔

آزاد بخت کو دیکھتے ہی یقین آیا کہ مقرر تیری آرزو ان مردان خدا کے قدم کی برکت سے بر آویگی۔اور تیری امید کا سوکھا درخت ان کی توجہ سے ہرا ہو کر پھلے گا۔ان کی خدمت میں چلکر اپنا احوال کہہ۔اور مجلس کا شریک ہو۔شاید مجھپر رحم کھا کر دعا کریں جو بے نیاز کے یہاں قبول ہو۔یہ ارادہ کر کر چاہا کہ قدم آگے دھرے۔وہیں عقل نے سمجھایا کہ بیوقوف جلدی نہ کر۔ذرا دیکھ لے۔تجھے کیا معلوم ہے کہ یے کون ہیں۔اور کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیدھر جاتے ہیں؟ کیا جانیں یہ دیو ہیں یا غول بیابانی ہیں۔کہ آدمی کی صورت بنکر باہم مل بیٹھے ہیں؟ بہر صورت جلدی کرنا اور ان کے درمیان جا کر مخل ہونا خوب نہیں۔ابھی ایک گوشے میں چھپکر حقیقت ان

---

* فانوس مذکر ہے۔

درویشوں کی جاننا چاہئے۔آخر باشاہ نے یہی کیا کہ ایک کونے میں
اس مکان کے چپکا جا بیٹھا کہ کسی کو اسکے آنے کی آہٹ کی خبر نہ
ہوئی۔ اپنا دھیان انکی طرف لگایا کہ دیکھئے آپس میں کیا بات چیت
کرتے ھیں۔ اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی۔شکر خدا کا کیا۔
وہ تینوں قلندر اسکی آواز سے چونک پڑے۔ چراغ کو اکسایا۔
ٹھیپ تو روشن تھا۔ اپنے اپنے بستروں پر حقے بھر کر پینے لگے۔
ایک ان آزادوں میں سے بولا۔ ''اے یاران ہمدرد و رفیقان جہاں گرد!
ہم چار صورتیں آسمان کی گردش سے اور لیل و نہار کے انقلاب سے
در بہ بدر خاک بسر ایک مدت پھریں۔ الحمدللہ کہ طالع کی
مدد اور قسمت کی یاوری سے آج اس مقام پر باھم ملاقات ہوئی۔ اور
کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے۔ ایک گمت
رھیں یا جدا جدا ھو جائیں۔ رات بڑی پہاڑ ھوتی ھے۔ ابھی سے
پڑپڑ رہنا خوب نہیں۔ اس سے یہ بہتر ھے کہ اپنی اپنی سرگذشت
جو اس دنیا میں جسپر بیتی ھو (بشرطیکہ جھوٹ اس میں کوڑی بھر
نہ ھو) بیان کرے۔ تو باتوں میں رات کٹ جائے گی۔ جب تھوڑی
شب باقی رھے تو لوٹ پوٹ رھینگے،،۔ سبھوں نے کہا ''یا ھادی
جو کچھ ارشاد ھوتا ھے ھم نے قبول کیا۔ پہلے آپ ھی اپنا حال
جو دیکھا ھے شروع کیجئے۔تو ھم مستفید ھوں،،۔

سیر پہلے درویش کی

پہلا درویش دو زانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا۔ ''یا معبود اللہ! ذرا ادھر متوجہ ہو اور ماجرا اس بے سروپا کا سنو۔

یہ سر گذشت میری ذرا کان دھر سنو
مجھکو فلک نے کردیا زیروزبر سنو
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت میرے تئیں
اس کا بیان کرتا ہوں تم سر بسر سنو

اے یاراں! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملک یمن ہے۔ والد اس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام بڑا سوداگر تھا۔ اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیوپاری ان کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے۔ اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی گھر میں موجود تھی۔ ان کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک تو یہی فقیر جو کفنی سیلی پہنے ہوئے مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے۔ دوسری ایک بہن جسکو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی شہر کے ایک سوداگر بچے سے شادی کر دی تھی۔ وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ غرض جسکے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو۔ اسکے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانہ ہے؟ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چوز سے ماں باپ کے سائے میں پرورش پائی۔ اور پڑھنا لکھنا، سپاہ گری کا کسب و فن،

سوداگری کا بہی کھاتہ، روزنامہ سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بے فکری میں گذری۔ کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا۔ یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین قضائے الٰہی سے مر گئے۔

عجب طرح کا غم ہوا۔ جسکا بیان نہیں کر سکتا۔ ایکبارگی یتیم ہو گیا۔ کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا۔ اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا۔ کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ چالیس دن جوں توں کر کٹے۔ چہلم میں اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی۔ سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی۔ اور سمجھایا۔ ''دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آئے ہیں۔ اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے۔ پس صبر کرو۔ اپنے گھر کو دیکھو۔ اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے۔ اپنے کاروبار لین دین سے ہشیار رہو،،۔ تسلی دے کر وے رخصت ہوئے۔ گماشتے کاروباری نوکر چاکر جتنے تھے آن کر حاضر ہوئے۔ نذریں دیں اور بولے۔ ''کوٹھی نقد و جنس کی اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجئے،،۔ ایکبارگی جو اس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی۔ آنکھیں کھل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کو حکم کیا۔ فراشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت پردے چلونیں تکلف کی لگادیں۔ اور اچھے اچھے خدمت گار دیدارو نوکر رکھے۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ ویسے ہی، آدمی غنڈے پھانکڑے مفت پر کھانے پینے والے جھوٹے خوشامدی آکر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے۔ ان سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ ہر کہیں کی باتیں اور زٹلیں، واہی تباہی ادھر ادھر کی کرتے اور کہتے۔'' اس جوانی کے

عالم میں کیتکی کی شراب یا گل گلاب کھنچوائیے۔ نازنین معشوقوں کو بلوا کر ان کے ساتھ پیجئیے اور عیش کیجئیے،،۔

غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہونچی کہ سوداگری بھولکر تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا۔ اپنے نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی جو جسکے ہاتھ پڑا الگ کیا۔ گویا لوٹ مچادی۔ کچھ خبر نہ تھی کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ کہاں سے آتا اور کیدھر جاتا ہے؟ مال مفت دل بے رحم۔ اس در خرچی کے آگے اگر گنج قارون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایکبارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے۔ اور چمچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے کافور ہوگئے۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی۔ تو آنکھیں چرا کر منہ پھیرلیتے۔ اور نوکر چاکر، خدمت گار، بہلیئے، ڈھلیت، خاص بردار، ثابت خانی، سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا جو کہے یہ کیا تمہارا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔

اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کھینچے، تاب بھوک کی نہ لا سکا۔ لاچار بیحیائی کا برقعہ منھ پر ڈال کر یہ قصد کیا۔ کہ بہن کے پاس چلئیے۔ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد

نہ بہن سے کچھ سلوک کیا۔نہ خالی خط لکھا۔بلکہ اس نے دو ایک خط خطوط ماتم پرسی اور اشتیاق کے جو لکھے۔ان کا بھی جواب اس خواب خرگوش میں نہ بھیجا۔اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا۔پر سوائے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانہ نظر میں نہ ٹھہرا۔جوں توں پا پیادہ خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے وہ کئی منزلیں کاٹ کر ھمشیر کے شہر میں جاکر اسکے مکان پر پہنچا۔وہ ماجائی میرا یہ حال دیکھکر بلائیں لے اور گلے ملکر بہت روئی۔تیل ماش اور کالے ٹکے مجھپر سے صدقے کئے۔کہنے لگی ''اگرچہ ملاقات سے دل خوش ہوا۔لیکن بھیّا۔تیری یہ کیا صورت بنی؟،، اس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا۔آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہورہا۔بہن نے جلدی خاصی پوشاک سلوا کر حمام میں بھیجا۔نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔صبح کو شربت اور لوزیات، حلوہ سوھن، پستہ مغزی ناشتے کو۔اور تیسرے پہر میوے خشک و تر، پھل پھلاری۔ اور رات دن دونوں وقت پلاؤ نان قلیئے، کباب تحفہ تحفہ مزیدار منگوا کر اپنے رو برو کھلا کر جاتی۔سب طرح خاطر داری کرتی۔میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا۔خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجا لایا۔کئی مہینے اس فراغت سے گذرے کہ پاؤں اس خلوت سے باھر نہ رکھا۔

ایک دن وہ بہن جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی کہنے لگی۔''اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ما باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا۔جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔تونے مجھے نہال کیا۔لیکن

مردوں کو خدا نے کمانے کے لئے بنایا ہے۔ گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے۔ اسکو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں۔ خصوصاً اس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے بے سبب تمھارے رہنے پر کہینگے۔ اپنے باپ کی دولت دنیا کھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمھاری ھنسائی اور ما باب کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے۔ نہیں تو میں اپنے چمڑی کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں۔ اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب یہ صلاح ہے۔ کہ سفر کا قصد کرو۔ خدا چاہے تو دن پھریں اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو،،۔ یہ بات سنکر مجھے بھی غیرت آئی۔ اس کی نصیحت پسند کی۔ جواب دیا۔ ''اچھا اب تم ما کی جگہ ہو۔ جو کہو سو کروں،،۔ یہ میری مرضی پا کر گھر میں جا کے پچاس توڑے اشرفی کے اصیل لونڈیوں کے ھاتھوں میں لوا کر میرے آگے لا رکھے۔ اور بولی۔ ''ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے۔ تم ان روپیؤں سے جنس تجارت کی خرید کرو۔ ایک تاجر ایماندار کے حوالے کر کے۔ دست آویز پکی لکھوالو۔ اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وھاں جب خیریت سے جا پہنچو۔ اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو یا آپ بیچیو،،۔ میں وہ نقد لیکر بازار میں گیا۔ اسباب سوداگری کا خرید کر کر۔ ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا۔ نوشت خواند سے خاطر جمع کرلی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ھوا۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا۔ بہن نے ایک سرے پاؤ،* بھاری اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا۔

---

* سروپا

اور مٹھائی پکوان ایک خاصدان میں بھر کر ہرنے سے لٹکا دیا۔ اور چھاگل پانی کی شکار بند میں بندھوا دی۔ امام ضامن کا روپیا میرے بازو پر باندھا۔ دھی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسو پی کر بولی۔ ''سدھارو! تمھیں خدا کو سونپا۔ پیٹھ دکھائے جاتے ہو۔اسی طرح جلد اپنا منھ دکھائیو،،۔ میں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا۔ ''تمھارا بھی اللہ حافظ ہے۔ میں نے قبول کیا،،۔ وہاں سے نکلکر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور خدا کے توکل پر بھروسہ کر کے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

غرض جب شہر کے دروازے پر گیا۔ بہت رات جا چکی تھی۔ دربان اور نگاہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے بہت منت کی کہ مسافر ہوں، دور سے دھاوا مارے آتا ہوں۔اگر کواڑ کھول دو شہر میں جا کر دانے گھاس کا آرام پاؤں۔ اندر سے گھڑک کر بولے ''اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں۔ کیوں اتنی رات گئے تم آئے؟،، جب میں نے جواب صاف ان سے سنا۔ شہر پناہ کی دیوار کے تلے گھوڑے پر سے اتر زین پوش بچھا کر بیٹھا۔ جاگنے کی خاطر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ جس وقت آدھی رات ادھر اور آدھی رات ادھر ہوئی۔سنسان ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ہے۔ یہ دیکھکر میں اچنبھے میں ہوا کہ یہ کیا طلسم ہے؟ شاید خدا نے میری حیرانی و سرگردانی پر رحم کھا کر خزانہ غیب سے عنایت کیا۔ جب وہ صندوق زمین پر ٹھہرا ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا۔ دیکھا تو کاٹھ کا صندوق ہے۔ لالچ سے اسے کھولا۔ ایک معشوق خوبصورت کامنی سی عورت (جسکے دیکھنے سے ہوش جاتا رہے) گھایل لہو میں تر بتر

آنکھیں بند کئے پڑی کلبلاتی ہے۔ آہستہ آہستہ ہونٹھ ہلتے ہیں۔ اور یہ آواز منہ سے نکلتی ہے۔ ''اے کم بخت بے وفا! اے ظالم پرجفا! بدلا اس بھلائی اور محبت کا یہی تھا جو تو نے کیا؟ بھلا ایک زخم اور بھی لگا۔ میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا''۔ یہ کہکر اسی بیہوشی کے عالم میں دوپٹے کا آنچل منہہ پر لے لیا۔ میری طرف دھیان نہ کیا۔

فقیر اسکو دیکھکر اور یہ بات سنکر سن ہوا۔ جی میں آیا۔ کسی بے حیا ظالم نے کیوں ایسی نازنیں صنم کو زخمی کیا؟ کیا اسکے دل میں آیا؟ اور ہاتھ اسپر کیوں کر چلایا؟ اسکے دل میں تو محبت اب تلک باقی ہے جو اس جان کندنی کی حالت میں اسکو یاد کرتی ہے۔ میں آپ ہی آپ یہ کہہ رہا تھا۔ آواز اسکے کان میں گئی۔ ایک مرتبہ کپڑا منہ سے سرکا کر مجھکو دیکھا۔ جسوقت اسکی نگاہیں میری نظروں سے لڑیں۔ مجھے غش آنے اور جی سنسنانے لگا۔ بہ زور اپنے تئیں تھانبا۔ جرأت کر کے پوچھا۔ ''سچ کہو تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے؟ اگر بیان کرو تو دل کو تسلی ہو''۔ یہ سنکر اگرچہ طاقت بولنے کی نہ تھی آہستے سے کہا ''شکر ہے۔ میری حالت زخموں کے مارے یہ کچھ ہو رہی ہے۔ کیا خاک بولوں؟ کوئی دم کی مہمان ہوں۔ جب میری جان نکل جاوے تو خدا کے واسطے جواں مردی کرکے مجھ بد بخت کو اسی صندوق میں کسی جگہ گاڑ دیجو۔ تو میں بھلے برے کی زبان سے نجات پاؤں۔ اور تو داخل ثواب کے ہو''۔ اتنا بول کر چپ ہوئی۔

رات کو مجھسے کچھ تدبیر نہ ہوسکی۔ وہ صندوق اپنے پاس

اٹھا لایا۔اور گھڑیاں گننے لگا کہ کب اتنی رات تمام ہو تو فجر کو شہر میں جا کر جو کچھ علاج اسکا ہو سکے بہ مقدور اپنے کروں۔ وہ تھوڑی سی رات ایسی پہاڑ ہو گئی کہ دل گھبرا گیا۔ بارے خدا خدا کر صبح جب نزدیک ہوئی۔مرغ بولا۔ آدمیوں کی آواز آنے لگی۔ میں نے فجر کی نماز پڑھکر صندوق کو خورجی میں کسا۔ جونہیں دروازہ شہر کا کھلا۔میں شہر میں داخل ہوا۔ ہر ایک آدمی اور دوکاندار سے حویلی کرائے کی تلاش کرنے لگا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک مکان خوش قطع، نیا، فراغت کا بھاڑے لیکر جا اترا۔ پہلے اس معشوق کو صندوق سے نکال کر روئی کے پہلوں پر ملایم بچھونا کرکے ایک گوشے میں لٹایا۔اور آدمی اعتباری وہاں چھوڑکر فقیر، جراح کی تلاش میں نکلا۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جراح کاریگر کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ایک شخص نے کہا۔ ”ایک حجام جراحی کے کسب اور حکیمی کے فن میں یکتا ہے۔ اور اس کام میں نپٹ پکا ہے۔اگر مردے کو اس پاس لیجاؤ۔خدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار وہ بھی جی اٹھے۔ وہ اس محلے میں رہتا ہے اور عیسیٰ نام ہے،،۔

میں یہ مژدہ سنکر بے اختیار چلا۔ تلاش کرتے کرتے پتے سے اسکے دروازے پر پہنچا۔ ایک مرد سفید ریش کو دھلیز پر بیٹھا دیکھا۔اور کئی آدمی مرہم کی تیاری کے لئے کچھ پیس پاس رہے تھے۔ فقیر نے مارے خوشامد کے ادب سے سلام کیا اور کہا۔ ” میں تمھارا نام اور خوبیاں سنکر آیا ہوں۔ ماجرا یہ ہے کہ میں اپنے ملک سے تجارت کے لئے چلا۔قبیلے کو بہ سبب محبت کے ساتھ

لیا۔جب نزدیک اس شہر کے آیا۔تھوڑی سی دور رہا تھا جو تمام پڑ گئی۔ ان دیکھے ملک میں رات کو چلنا مناسب نہ جانا۔ میدان میں ایک درخت کے تلے اتر پڑا۔ پچھلے پہر ڈاکا آیا۔جو کچھ مال اسباب پایا لوٹ لیا۔گہنے کے لالچ سے اس بی بی کو بھی گھایل کیا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔رات جو باقی تھی۔جوں توں کر کاٹی۔فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرائے لیا۔ان کو وہاں رکھکر میں تمھارے پاس دوڑا آیا ہوں۔ خدا نے تمھیں یہ کمال دیا ہے۔اس مسافر پر مہربانی کرو، غریب خانے تشریف لیچلو۔اسکو دیکھو۔اگر اسکی زندگی ہوئی تو تمھیں بڑا جس ہوگا اور میں ساری عمر غلامی کروں گا،،۔ عیسیٰ جراح بہت رحم دل اور خدا پرست تھا۔ میری غریبی کی باتوں پر ترس کھا کر میرے ساتھ اس حویلی تک آیا۔ زخموں کو دیکھتے ہی میری تسلی کی۔ بولا کہ ،، خدا کے کرم سے اس بی بی کے زخم چالیس دن میں بھر آوینگے۔ غسل شفا کا کروا دوں گا ،،۔

غرض اس مرد خدا نے سب زخموں کو نیم کے پانی سے دھو دھا کر صاف کیا۔جو لائق ٹانکوں کے پائے انھیں سیا۔باقی گھاؤ پر اپنے کھیسے سے ایک ڈبیا نکال کر کتنوں میں پٹی رکھی۔اور کتنوں پر پھائے چڑھا کر پٹی سے باندھ دیا۔ اور نہایت شفقت سے کہا۔ ،،میں دونوں وقت آیا کروں گا۔تو خبر دار رہیو، ایسی حرکت نہ کرے جو ٹانکے ٹوٹ جائیں۔ مرغ کا شوربا بہ جائے غذا اسکے حلق میں چوائیو اور اکثر عرق بید مشک گلاب کے ساتھ دیا کیجیئو جو قوت رہے ،،۔ یہ کہکر رخصت چاہی۔ میں نے بہت منت کی اور

ھاتھ جوڑ کر کہا۔ ''تمھاری تشفی دینے سے میری بھی زندگی ہوئی۔ نہیں تو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہ تھا۔ خدا تمھیں سلامت رکھے،،۔ عطر پان دیکر رخصت کیا۔ میں رات دن خدمت میں اس پری کی حاضر رھتا۔ آرام اپنے اوپر حرام کیا۔ خدا کی درگاہ سے روز روز اسکے چنگے ہونے کی دعا مانگتا۔

اتفاقاً وہ سوداگر بھی آ پہنچا۔ اور میرا مال امانت میرے حوالے کیا۔ میں نے اسے اونے پونے بیچ ڈالا۔ اور دارو درمن میں خرچ کرنے لگا۔ وہ مرد جراح ھمیشہ آتا جاتا۔ تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔ بعد کئی دن کے غسل شفا کیا۔ عجب طرح کی خوشی حاصل ہوئی۔ خلعت اور اشرفیاں عیسیٰ حجام کے آگے دھریں۔ اور اس پری کو تکلف فرش بچھا کر مسند پر بٹھایا۔ فقیر غریبوں کو بہت سی خیر خیرات کی۔ اس دن گویا بادشاھت ھفت اقلیم کی اس فقیر کے ھاتھ لگی۔ اور اس پری کا شفا پانے سے ایسا رنگ نکھرا کہ مکھڑا سورج کے مانند چمکنے اور کندن کی طرح دمکنے لگا۔ نظر کی مجال نہ تھی جو اسکے جمال پر ٹھہرے۔ فقیر بہ سروچشم اسکے حکم میں حاضر رھتا۔ جو فرماتی سو بجا لاتا۔ وہ اپنے حسن کے غرور اور سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی۔ ''خبردار۔ اگر تجھے ھماری خاطر منظور ہے تو ھرگز ھماری بات میں دم نہ ماریو۔ جو ھم کہیں سو بلا عذر کئے جائیو۔ اپنا کسی بات میں دخل نہ کریو۔ نہیں تو پچھتاوے گا،،۔ اسکی وضع سے یہ معلوم ھوتا تھا کہ حق میری خدمت گذاری اور فرمانبرداری کا اسے البتہ منظور ہے۔ فقیر بھی اسکی بے مرضی ایک کام نہ کرتا۔ اس کا فرمانا بسروچشم بجا لاتا۔

ایک مدت اسی راز و نیاز میں کٹی - جو اسنے فرمائش کی - وونہیں میں نے لا کر حاضر کی - اس فقیر پاس جو کچھ جنس اور نقد اصل و نفع کا تھا سب صرف ہوا - اس بیگانے ملک میں کون اعتبار کرے جو قرض وام سے کام چلے؟ آخر تکلیف روز مرے کے خرچ کی ہونے لگی - اس سے دل بہت گھبرایا - فکر سے دبلا ہوتا چلا - چہرے کا رنگ کلجھنواں ہو گیا - لیکن کس سے کہوں؟ جو کچھ دل پر گذری سو گذری - قہر درویش بر جان درویش - ایک دن اس پری نے اپنے شعور سے دریافت کر کے کہا - " اے فلانے! تیری خدمتوں کا حق ہمارے جی میں نقش کالحجر ہے - پر اس کا عوض بالفعل ہم سے نہیں ہو سکتا - اگر واسطے خرچ ضروری کے کچھ درکار ہو تو اپنے دل میں اندیشہ نہ کر - ایک ٹکڑا کاغذ اور دوات قلم حاضر کر - میں نے تب معلوم کیا کسی ملک کی بادشاہزادی ہے جو اس دل و دماغ سے گفتگو کرتی ہے - فی الفور قلمدان آگے رکھدیا - اس نازنین نے ایک شقہ دستخط خاص سے لکھکر میرے حوالے کیا اور کہا - " قلعے کے پاس ترپولیا ہے - وہاں اس کوچے میں ایک حویلی بڑی سی ہے - اس مکان کے مالک کا نام شیدی بہار ہے - تو جا کر اس رقعے کو اس تلک پہنچادے "-

فقیر موافق فرمانے اسکے اسی نام و نشان پر منزل مقصود تک جا پہنچا - دربان کی زبانی کیفیت خط کی کہلا بھیجی - وونہیں سنتے ہی ایک حبشی جوان خوبصورت ایک پھینٹا طرحدار سجے ہوئے باہر نکل آیا - اگرچہ رنگ سانولا تھا پر گویا تمام نمک بھرا ہوا - میرے ہاتھ سے خط لے لیا - نہ بولا نہ کچھ پوچھا - انہیں قدموں پھر اندر چلا گیا - تھوڑی دیر میں گیارہ کشتیاں سر بہ مہر، زربفت کے

تورہ پوش پڑے ہوئے، غلاموں کے سر ،، پر دھرے باھر آیا ۔ کہا ''اس جوان کے ساتھ جا کر جو گوشے پہنچا دو ۔ میں بھی سلام کر رخصت ہو اپنے مکان میں لایا ۔ آدمیوں کو دروازے کے باھر سے رخصت کیا۔ وہ کشتیاں امانت حضور میں اس پری کے گذرانیاں ۔ دیکھکر فرمایا۔ '' یہ گیارہ بدرے اشرفیوں کے لے اور خرچ میں لا۔ خدا رزاق ھے،،۔ فقیر اس نقد کو لیکر ضروریات میں خرچ کرنے لگا ۔ اگرچہ خاطر جمع ھوئی پر دل میں یہ خلش رھی ۔ یا الھی! یہ کیا صورت ھے؟ بغیر پوچھے گچھے اتنا مال نا آشنا صورت اجنبی نے ایک پرزے کاغذ پر میرے حوالے کیا ۔ اگر اس پری سے یہ بھید پوچھوں ۔ تو اس نے پہلے ھی منع کر رکھا تھا ۔ مارے ڈر کے دم نہیں مار سکتا تھا۔

بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھسے مخاطب ھوئی کہ ''حق تعالیٰ نے ، آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ھے کہ نہ پھٹے نہ میلا ھو۔ اگرچہ پرانے کپڑے سے اسکی آدمیت میں فرق نہیں آتا۔ پر ظاھر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا ۔ دو توڑے اشرفی کے ساتھ لیکر چوک کے چوراھے پر یوسف سوداگر کی دوکان میں جا اور کچھ رقم جواھر کے بیش قیمت اور دو خلعتیں زرق برق کی مول لے آ ،، ۔ فقیر وونھیں سوار ھو کر اسکی دوکان پر گیا ۔ دیکھا تو ایک جوان شکیل زعفرانی جوڑا پہنے گدی پر بیٹھا ھے ۔ اور اس کا یہ عالم ھے کہ ایک عالم دیکھنے کے لئے دوکان سے بازار تک کھڑا ھے ۔ فقیر کمال شوق سے نزدیک جا کر سلام علیک کر کر بیٹھا اور جو جو چیز مطلوب تھی ۔ طلب کی ۔ میری بات چیت اس شہر کے باشندوں کی سی نہ تھی ۔ اس جوان نے گرم جوشی سے کہا ۔ '' جو صاحب کو چاھئے سب موجود ھے۔ لیکن یہ فرمائیے

کس ملک سے آنا ہوا؟ اور اس اجنبی شہر میں رہنے کا کیا باعث ہے؟ اگر اس حقیقت سے مطلع کیجئے تو مہربانی سے بعید نہیں،،۔ میرے تئیں اپنا احوال ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ کچھ بات بنا کر اور جواہر پوشاک لیکر اور قیمت اسکی دیکر رخصت چاہی۔ اس جوان نے روکھے پھیکے ہوکر کہا۔ ،، صاحب! اگر تم کو ایسی ہی نا آشنائی کرنی تھی۔ تو پہلے دوستی اتنی گرمی سے کرنی کیا ضرور تھی؟ بھلے آدمیوں میں صاحب سلامت کا پاس بڑا ہوتا ہے،،۔ یہ بات اس مزے اور انداز سے کہی۔ بے اختیار دل کو بھائی اور بے مروت ہوکر وہاں سے اٹھنا انسانیت کے مناسب نہ جانا۔ اسکی خاطر پھر بیٹھا اور بولا۔ ،، تمہارا فرمانا سر آنکھوں پر۔ میں حاضر ہوں،،۔

اتنے کہنے سے بہت خوش ہوا۔ ہنس کر کہنے لگا۔ ،، اگر آج کے دن غریب خانے میں کرم کیجئے تو تمہاری بدولت مجلس خوشی کی جما کر دو چار گھڑی دل بہلاویں۔ اور کچھ کھانے پینے کا شغل باہم بیٹھ کر کریں،،۔ فقیر نے اس پری کو کبھو اکیلا نہ چھوڑا تھا۔ اسکی تنہائی یاد کرکر چند در چند عذر کئے۔ پر اس جوان نے ہرگز نہ مانا۔ آخر وعدہ ان چیزوں کو پہنچا کر میرے پھر آنے کا لیکر اور قسم کھلا کر رخصت دی۔ میں دکان سے اٹھکر جواہر اور خلعتیں اس پری کی خدمت میں لایا۔ اس نے قیمت جواہر کی اور حقیقت جوہری کی پوچھی۔ میں نے سارا احوال مول تول کا اور مہمانی کے بجد ہونے کا کہہ سنایا۔ فرمانے لگی۔ ،،آدمی کو اپنا قول قرار پورا کرنا واجب ہے۔ ہمیں خدا کی نگہبانی

میں چھوڑ کر اپنے وعدے کو وفا کر۔ ضیافت قبول کرنی سنت رسول کی ہے،،۔ تب میں نے کہا۔ ،، میرا دل چاھتا نہیں کہ تمھیں اکیلا چھوڑ کر جاؤں۔ اور حکم یوں ہوتا ہے۔ لاچار جاتا ہوں۔ جب تلک آؤں گا دل یہیں لگا رہیگا،،۔ یہ کہکر پھر اس جوہری کی دکان پر گیا۔ وہ مونڈھے پر بیٹھا میرا انتظار کھینچ رہا تھا۔ دیکھتے ہی بولا ،، آؤ مہربان۔ بڑی راہ دکھائی،،۔

وہیں اٹھکر میرا ھاتھ پکڑ لیا اور چلا۔ جاتے جاتے ایک باغ میں لے گیا۔ وہ بڑی بہار کا باغ تھا۔ حوض اور نہروں میں فوارے چھوٹتے تھے۔ میوے طرح بہ طرح کے پھل رہے تھے۔ ہر ایک درخت مارے بوجھ کے جھوم رہا تھا۔ رنگ برنگ کے جانور ان پر بیٹھے چہچہے کر رہے تھے۔ اور ہر مکانِ عالیشان میں فرش ستھرا بچھا تھا۔ وھاں لب نہر ایک بنگلے میں جا کر بیٹھا۔ ایک دم کے بعد اٹھ کر چلا گیا۔ پھر دوسری پوشاک معقول پہن کر آیا۔ میں نے دیکھکر کہا ،، سبحان اللہ! چشم بد دور،،۔ سنکر مسکرایا اور بولا۔ ،، مناسب یہ ہے کہ صاحب بھی اپنا لباس بدل ڈالیں،،۔ اس کی خاطر میں نے بھی دوسرے کپڑے پہنے۔ اس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی کی۔ اور سامان خوشی کا جیسا چاھئے موجود کیا۔ اور فقیر سے صحبت بہت گرم کر مزے کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں ساقی صراحی و پیالہ بلور کا لیکر حاضر ہوا اور گزک کئی قسم کی لا رکھی۔ نمکدان چن دئے۔ دور شراب کا شروع ہوا۔ جب دو چار جام کی نوبت پہنچی چار لڑکے امرد صاحب جمال زلفیں کھولے ہوئے مجلس میں آئے گانے بجانے لگے۔ یہ عالم ہوا اور ایسا سماں بندھا اگر تان سین اس گھڑی ہوتا۔ تو اپنی تان بھول جاتا۔ اور

بیجو باؤرا سنکر باؤلا ہوجاتا۔ اس مزے میں ایکبارگی وہ جوان آنسو بھر لایا۔ دو چار قطرے بے اختیار نکل پڑے اور فقیر سے بولا۔ ''اب ہماری تمھاری دوستی جانی ہوئی۔ پس دل کا بھید دوستوں سے چھپانا کسو مذہب میں درست نہیں۔ ایک بات بے تکلف آشنائی کے بھرو سے کہتا ہوں۔ اگر حکم کرو تو اپنی معشوقہ کو بلوا کر اس مجلس میں تسلی اپنے دل کی کروں۔ اسکی جدائی سے جی نہیں لگتا،،۔

یہ بات ایسی اشتیاق سے کہی کہ بغیر دیکھے بھالے فقیر کا دل بھی مشتاق ہوا۔ میں نے کہا ''مجھے تمھاری خوشی درکار ہے۔ اس سے کیا بہتر؟ دیر نہ کیجئے۔سچ ہے معشوق بن کچھ اچھا نہیں لگتا،،۔ اس جوان نے چلون کی طرف اشارت کی۔ وونہیں ایک عورت کالی کلوٹی بھتنی سی جسکے دیکھنے سے انسان بے اجل مرجاوے۔ جوان کے پاس آن بیٹھی۔ فقیر۔ اسکے دیکھنے سے ڈر گیا۔دل میں کہا یہی بلا محبوبہ ایسے جوان پریزاد کی ہے جسکی اتنی تعریف اور اشتیاق ظاہر کیا! میں لاحول پڑھکر چپ ہورہا۔ اسی عالم میں تین دن رات مجلس، شراب اور راگ رنگ کی جمی رہی۔چوتھی شب کو غلبہ نشے اور نیند کا ہوا۔ میں خواب غفلت میں بے اختیار سو گیا۔جب صبح ہوئی اس جوان نے جگایا۔ کئی پیالے خمار شکنی کے پلا کر اپنی معشوقہ سے کہا۔ اب زیادہ تکلیف مہمان کو دینی خوب نہیں۔

دونوں ہاتھ پکڑ کے اٹھے۔میں نے رخصت مانگی، خوشی بخوشی اجازت دی۔ تب میں نے جلد اپنے قدیمی کپڑے پہن لئے، اپنے گھر کی راہ لی۔اور اس پری کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ مگر ایسا اتفاق

کبھو نہ ہوا تھا کہ اسے تنہا چھوڑ کر شب باش کہیں ہوا ہوں۔ اس تین دن کی غیر حاضری سے نہایت خجل ہو کر عذر کیا۔اور قصہ ضیافت کا اور اسکے نہ رخصت کرنے کا سارا عرض کیا ۔ وہ ایک دانا زمانے کی تھی ۔ تبسم کرکے بولی ۔''کیا مضایقہ اگر ایک دوست کی خاطر رہنا ہوا؟ ہم نے معاف کیا۔ تیری کیا تقصیر ہے؟ جب آدمی کسو کے گھر جاتا ہے تب اسکے مرضی سے پھر آتا ہے۔ لیکن یہ مفت کی مہمانیاں کھا پی کر چپکے ہو رہو گے یا اس کا بدلا بھی اتارو گے؟ اب یہ لازم ہے کہ جاکر اس سوداگر بچے کو اپنے ساتھ لے آؤ۔اور اس سے دو چند ضیافت کرو۔ اور اسباب کا کچھ اندیشہ نہیں۔خدا کے کرم سے ایک دم میں سب لوازمہ تیار ہو جاویگا۔اور بہ خوبی مجلس ضیافت کی رونق پاوے گی،، ۔ فقیر موافق حکم کے جوہری کے پاس گیا اور کہا ۔ ''تمھارا فرمانا میں تو سر آنکھوں سے بجا لایا۔اب تم بھی مہربانی کی راہ سے میری عرض قبول کرو،، ۔ اس نے کہا ''جان و دل سے حاضر ہوں،،—

تب میں نے کہا ''اگر اس بندے کے گھر تشریف لے چلو عین غریب نوازی ہے،، ۔ اس جوان نے بہت عذر اور حیلے کئے ۔ پر میں نے پنڈ نہ چھوڑا جب تلک وہ راضی نہ ہوا ۔ ساتھ ہی ساتھ اسکو اپنے مکان پر لے چلا ۔ لیکن راہ میں یہی فکر کرتا آتا تھا کہ اگر آج اپنے تئیں مقدور ہوتا تو ایسی تواضع کرتا کہ یہ بھی خوش ہوتا ۔ اب میں اسے لئے جاتا ہوں۔دیکھئے کیا اتفاق ہوتا ہے۔ اسی حیص بیص میں گھر کے نزدیک پہنچا ۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر دھوم دھام ہورہی ہے ۔ گلیاری میں جھاڑو دیکر چھڑکاؤ کیا ہے ۔ یساول اور عصا بردار کھڑے ہیں ۔ میں حیران

ہوا لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا ۔ دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مکلف لائق ہر مکان کے جا بہ جا بچھا ہے ۔ اور مسندیں لگی ہیں ۔ پاندان، گلاب پاش، عطردان، پیکدان، چنگیریں، نرگس دان قرینے سے دھرے ہیں ۔ طاقوں پر رنگترے، کنو ے، نارنگیاں اور گلابیاں رنگ برنگ کی چنی ہیں ۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے ۔ ایک طرف جھاڑ اور سرو کنول کے روشن ہیں ۔ اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں ۔ اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں ۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں ۔ باورچی خانے میں دیگیں ٹھنٹھنا رہی ہیں ۔ آبدار خانے کی ویسی ہی تیاری ہے ۔ کوری کوری ٹھلیاں روپے کی گھڑونچیوں پر صافیوں سے بندھی ہیں ۔ اور بجھروں سے ڈھکی رکھی ہیں ۔ آگے چوکی پر ڈونگے کٹورے بمعہ تھالی سرپوش دھرے ۔ برف کی آبخورے لگ رہے ہیں ۔ اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں ۔

غرض سب اسباب پادشاہانہ موجود ہے ۔ اور کنچنیاں ۔ بھانڈ ۔ بھگتئے ۔ کلاونت ۔ قوال ۔ اچھی پوشاک پہنے ساز کے سر ملائے حاضر ہیں ۔ فقیر نے اس جوان کو لیجا کر مسند پر بٹھایا اور دل میں حیران تھا کہ یا الہی ! اتنے عرصے میں یہ سب تیاری کیونکر ہوئی؟ ہر طرف دیکھتا پھرتا تھا لیکن اس پری کا نشان کہیں نہ پایا ۔ اسی جستجو میں ایک مرتبہ باورچی خانے کی طرف جا نکلا ۔ دیکھتا ہوں تو وہ نازنین ایک مکان میں گلے میں کرتی ۔ پاؤں میں تہ پوشی ۔ سر پر سفید رومالی اوڑھے ہوئے سادی خوزادی بن گھنے پاتے بنی ہوئی ۔

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوشنما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

خبر گیری میں ضیافت کی لگ رہی ہے۔ اور تاکید ہر ایک کھانے کی کر رہی ہے۔ کہ خبر دار بامزہ ہو اور آب و نمک بو باس درست رہے۔ اس محنت سے وہ گلاب سا بدن سارا پسینے پسینے ہو رہا ہے۔

میں پاس جا کر تصدق ہوا اور اس شعور و لیاقت کو سراہ کر دعائیں دینے لگا۔ یہ خوشامد سنکر تیوری چڑھا کر بولی۔" آدمی سے ایسے ایسے کام ہوتے ہیں کہ فرشتے کی مجال نہیں۔ میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تو اتنا حیران ہو رہا ہے؟ بس بہت باتیں بنانیں مجھے خوش نہیں آتیں۔ بھلا کہہ تو یہ کون آدمیت ہے کہ مہمان کو اکیلا بٹھا کر ادھر ادھر پڑے پھرے؟ وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا؟ جلد جا مجلس میں بیٹھکر مہمان کی خاطر داری کر اور اسکی معشوقہ کو بھی بلوا کر اسکے پاس بٹھلا"۔ فقیر وونہیں اس جوان کے پاس گیا اور گرم جوشی کرنے لگا۔ اتنے میں دو غلام صاحب جمال صراحی اور جام جڑاؤ ہاتھ میں لئے رو برو آئے شراب پلانے لگے۔ اس میں میں نے اس جوان سے کہا۔" میں سب طرح مخلص اور خادم ہوں۔ بہتر یہ ہی ہے کہ وہ صاحب جمال کہ جسکی طرف دل صاحب کا مائل ہے تشریف لاوے تو بڑی بات ہے۔ اگر فرماؤ تو آدمی بلانے کی خاطر جاوے"۔ یہ سنتے ہی خوش ہو کر بولا "بہت اچھا۔ اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی"۔ میں نے ایک خوجے کو بھیجا۔ جب آدھی رات گئی وہ چڑیل خاصے چوڈول پر سوار ہو کر بلائے ناگہانی سی آپہنچی۔

فقیر نے لاچار، خاطر سے مہمان کی، استقبال کر کر نہایت تپاک سے برابر اس جوان کے لا بٹھایا - جوان اسکے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دنیا کی نعمت ملی - وہ بھتنی بھی اس جوان پریزاد کے گلے لپٹ گئی - سچ مچ یہ تماشا ہوا جیسے چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے - جتنے مجلس میں آدمی تھے - اپنی اپنی انگلیاں دانتوں میں دابنے لگے - کہ کیا کوئی بلا اس جوان پر مسلط ہوئی؟ سب کی نگاہ اسی طرف تھی - تماشا مجلس کا بھولکر اسکا تماشا دیکھنے لگے - ایک شخص کنارے سے بولا - "یارو! عشق اور عقل میں ضد ہے - جو کچھ عقل میں نہ آوے یہ کافر عشق کر دکھاوے - لیلی کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو" - سبھوں نے "کہا آمنا - یہی بات ہے" -

یہ فقیر بموجب حکم کے مہمان داری میں حاضر تھا - ہرچند جوان ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کو مجوز ہوتا تھا - پر میں ہرگز اس پری کے خوف کے مارے اپنا دل کھانے پینے یا سیر تماشے کی طرف رجوع نہ کرتا تھا - اور عذر مہمانداری کا کرکے اسکے شامل نہ ہوتا - اس کیفیت سے تین شبانہ روز گذرے - چوتھی رات وہ جوان نہایت جوشش سے مجھے بلا کر کہنے لگا - "اب ہم بھی رخصت ہونگے، تمھاری خاطر اپنا سب کار و بار چھوڑ چھاڑ کر تین دن سے تمھاری خدمت میں حاضر ہیں - تم بھی تو ہمارے پاس ایک دم بیٹھ کر ہمارا دل خوش کرو" - میں نے اپنے جی میں خیال کیا اگر اس وقت کہا اس کا نہیں مانتا تو آزردہ ہوگا - پس نئے دوست اور مہمان کی خاطر رکھنی ضروری ہے - تب یہ کہا - "صاحب کا حکم بجالانا منظور - کہ الامر فوق الادب" - سنتے ہی اسکو - جوان نے پیالہ تواضع کیا اور میں نے پی لیا - پھر تو ایسا پیہم دور چلا کہ

تھوڑی دیر میں سب آدمی مجلس کے کیفی ہو کر بے خبر ہو گئے - اور میں بھی بے ہوش ہو گیا-

جب صبح ہوئی اور آفتاب دو نیزے بلند ہوا-تب میری آنکھ کھلی - تو دیکھا میں نے نہ وہ تیاری ہے نہ وہ مجلس نہ وہ پری- فقط خالی حویلی پڑی ہے-مگر ایک کونے میں کمبل لپٹا ہوا دھرا ہے - جو اسکو کھول کر دیکھا تو وہ جوان اسکی رنڈی دونوں سر کٹے پڑے ہیں - یہ حالت دیکھتے ہی حواس جاتے رہے - عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ یہ کیا تھا اور کیا ہوا؟ حیرانی سے ہر طرف تک رہا تھا - اتنے میں ایک خواجہ سرا (جسے ضیافت کے کام کاج میں دیکھا تھا) نظر پڑا - فقیر کو اسکے دیکھنے سے کچھ تسلی ہوئی-احوال اس واردات کا پوچھا - اس نے جواب دیا- ''تجھے اس بات کی تحقیق کرنے سے کیا حاصل جو تو پوچھتا ہے؟،، میں نے بھی اپنے دل میں غور کی* کہ سچ تو کہتا ہے- پھر ایک ذرہ تامل کرکے میں بولا ''خیر نہ کہو- بھلا یہ تو بتاؤ وہ معشوقہ کس مکان میں ہے؟،، تب اس نے کہا ''البتہ جو میں جانتا ہوں سو کہدونگا - لیکن تجھ سا آدمی عقل مند بے مرضی حضور کے دو دن کی دوستی پر بے محابا بے تکلف ہو کر صحبت مئے نوشی کی باہم گرم کرے - یہ کیا معنی رکھتا ہے ؟،،

فقیر اپنی حرکت اور اسکی نصیحت سے بہت نادم ہوا - سوائے اس بات کے زبان سے کچھ نہ نکلا - ''فی الحقیقت اب تو تقصیر ہوئی معاف کیجئیے،، - بارے محلی نے مہربان ہو کر اس پری کے مکان کا

---

* غور مذکر ہے -

نشان بتایا اور مجھے رخصت کیا ۔ آپ ان دونوں زخمیوں کے گاڑنے دابنے کی فکر میں رہا ۔ میں تہمت سے اس فساد کی الگ ہوا اور اشتیاق میں اس پری کے ملنے کے لئے گھبرایا ہوا ۔ گرتا پڑتا ڈھونڈھتا شام کے وقت اس کوچے میں اسی پتے پر جا پہنچا اور نزدیک دروازے کے ایک گوشے میں ساری رات تلپھتے کٹی۔ کسو کی آمد و رفت کی آہٹ نہ ملی۔اور کوئی احوال پرساں میرا نہ ہوا ۔ اسی بیکسی کی حالت میں صبح ہو گئی۔جب سورج نکلا اس مکان کے بالا خانے کی ایک کھڑکی سے وہ ماہ رو میری طرف دیکھنے لگی ۔ اس وقت عالم خوشی کا جو مجھپر گذرا۔دل ہی جانتا ہے ۔ شکر خدا کا کیا۔

اتنے میں ایک خوجے نے میرے پاس آ کر کہا۔''اس مسجد میں تو جا کر بیٹھ شاید تیرا مطلب اس جگہ بر آوے۔اور اپنے دل کی مراد پاوے،، ۔ فقیر فرمانے سے اسکے وہاں سے اٹھکر اسی مسجد میں جا رہا۔لیکن آنکھیں دروازے کی طرف لگ رہی تھیں۔کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمام دن جیسے روزہ دار شام ہونے کا انتظار کھینچتا ہے ۔ میں نے بھی وہ روز ویسی ہی بیقراری میں کاٹا ۔ بارے جس تس طرح سے شام ہوئی اور دن پہاڑ سا چھاتی پر سے ٹلا ۔ ایکبارگی وہی خواجہ سرا (جن نے اس پری کے مکان کا پتہ دیا تھا) مسجد میں آیا ۔ بعد فراغت نماز مغرب کے میرے پاس آ کر اس شفیق نے (کہ راز و نیاز کا محرم تھا) نہایت تسلی دے کر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے چلا ۔ رفتہ رفتہ ایک باغیچے میں مجھے بٹھا کر کہا۔''یہاں رہو جب تک تمھاری آرزو بر آوے،،۔اور آپ رخصت ہو کر شاید میری حقیقت حضور میں کہنے گیا ۔ میں

اس باغ کے پھولوں کی بہار اور چاندنی کا عالم اور حوض، نہروں میں فوارے، ساون بھادوں کے اچھلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب پھولوں کو دیکھتا تب اس گل بدن کا خیال آتا۔ جب چاند پر نظر پڑتی تب اس مہرو کا مکھڑا یاد کرتا۔ یہ سب بہار اس کے بغیر میری آنکھوں میں خار تھی۔

بارے خدا نے اسکے دل کو مہربان کیا۔ ایک دم کے بعد وہ پری دروازے سے جیسے چودھویں رات کا چاند بناؤ کئے گلے میں پشواز، بادلے کی سنجاف موتیوں کا در دامن ٹکا ہوا اور سر پر اوڑھنی جس میں آنچل پلو، لہر، گوکھرو لگا ہوا۔ سر سے پاؤں تک موتیوں میں جڑی روش پر آکر کھڑی ہوئی۔ اسکے آنے سے تر و تازگی نئے سر سے اس باغ کو اور اس فقیر کے دل کو ہوگئی۔ ایک دم ادھر ادھر سیر کرکر شہ نشین میں مغرق مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھی۔ میں دوڑ کر پروانے کی طرح جیسے شمع کے گرد پھرتا ہے تصدق ہوا۔ اور غلام کے مانند دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا۔ اس میں وہ خوجہ میری خاطر بطور سفارش کے عرض کرنے لگا میں نے اس محلی سے کہا۔ ''بندہ گنہگار تقصیر وار ہے۔ جو کچھ سزا میرے لائق ٹھہرے سو ہو،،۔ وہ پری از بسکہ ناخوش تھی۔ بد دماغی سے بولی کہ ''اب اسکے حق میں یہی بھلا ہے۔ کہ سو توڑے اشرفی کے لیوے۔ اپنا اسباب درست کرکے وطن کو سدھارے،،۔

میں یہ بات سنتے ہی کاٹھ ہوگیا اور سوکھ گیا۔ کہ اگر کوئی میرے بدن کو کاٹے تو ایک بوند لہو کی نہ نکلے۔ اور تمام دنیا آنکھوں کے آگے اندھیری لگنے لگی۔ اور ایک آہ نامرادی کی بے

اختیار جگر سے نکلی۔ آنسو بھی ٹپکنے لگے۔ سوائے خدا کے اسوقت کسو کی توقع نہ رہی۔ مایوس محض ہو کر اتنا بولا۔ ''بھلا ٹک اپنے دل میں غور فرمائیے۔ اگر مجھ کم نصیب کو دنیا کا لالچ ہوتا۔ تو اپنا جان و مال حضور میں نہ کھوتا۔ کیا ایکبارگی حق خدمت گذاری اور جان نثاری کا عالم سے اٹھ گیا؟ جو مجھ سے کم بخت پر اتنی بے مہری فرمائی۔ خیر اب میرے تئیں بھی زندگی سے کچھ کام نہیں۔ معشوقوں کی بیوفائی سے بیچارے عاشق نیم جان کا نباہ نہیں ہوتا،،۔

یہ سنکر تیکھی ہو تیوری چڑھا کر خفگی سے بولی۔ ''چہ خوش! آپ ہمارے عاشق ہیں؟ مینڈکی کو بھی زکام ہوا؟ اے بیوقوف! اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانیں خیال خام ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ بس چپ رہ۔ یہ نکمی بات چیت مت کر۔ اگر کسی اور نے یہ حرکت بے معنی کی ہوتی۔ پروردگار کی سوں۔ اسکی بوٹیاں کٹوا چیلوں کو بانٹتی۔ پر کیا کروں؟ تیری خدمت یاد آتی ہے۔ اب اسی میں بھلائی ہے کہ اپنی راہ لے۔ تیری قسمت کا دانا پانی ہماری سرکار میں یہیں تلک تھا،،۔ پھر میں نے روتے بسورتے کہا۔ ''اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے، کہ اپنے دل کے مقصد کو نہ پہنچوں اور جنگل پہاڑ میں سر ٹکراتا پھروں تو لاچار ہوں،،۔ اس بات سے بھی دق ہو کہنے لگی۔ ''میرے تئیں یہ پھسھندے چوچلے اور رمز کی باتیں پسند نہیں آتیں۔ اس اشارے کی گفتگو کے جو لائق ہو اس سے جا کر کر،،۔ پھر اسی خفگی کے عالم میں اٹھکر اپنے دولتخانے کو چلی۔ میں نے بہتیرا سر پٹکا۔ متوجہ نہ ہوئی۔ لاچار میں بھی اس مکان سے اداس اور ناامید ہو کر نکلا۔

غرض چالیس دن تک یہی نوبت رہی ۔ جب شہر کی کوچہ گردی سے اکتاتا جنگل میں نکل جاتا ۔ جب وہاں سے گھبراتا ۔ پھر شہر کی گلیوں میں دیوانہ سا آتا ۔ نہ دن کو کھاتا نہ رات کو سوتا۔ جیسے دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ۔ زندگی انسان کے کھانے پینے سے ہے ۔ آدمی اناج کا کیڑا ہے ۔ طاقت بدن میں مطلق نہ رہی۔ اپاھج ھوکر اسی مسجد کی دیوار کے تلے جاپڑا ۔ کہ ایک روز وہی خواجہ سرا جمعے کی نماز پڑھنے آیا ۔ میرے پاس سے ھوکر چلا۔ میں یہ شعر آہستہ ناطاقتی سے پڑھ رہا تھا۔

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو

اگرچہ ظاہر میں صورت میری بالکل تبدیل ھوگئی تھی۔ چہرے کی یہ شکل بنی تھی کہ جن نے مجھے پہلے دیکھا تھا۔وہ بھی نہ پہچان سکتا کہ یہ وھی آدمی ہے ۔ لیکن وہ محلی آواز درد کی سنکر متوجہ ھوا۔ میرے تئیں بغور دیکھکر افسوس کیا اور شفقت سے مخاطب ھوا کہ آخر یہ حالت اپنی پہنچائی ۔ میں نے کہا۔ "اب تو جو ھوا سو ھوا ۔ مال سے بھی حاضر تھا ۔ جان بھی تصدق کی ۔ اسکی خوشی یوں ھی ھوئی تو کیا کروں؟"

یہ سنکر ایک خدمتگار میرے پاس چھوڑ کر مسجد میں گیا۔ نماز اور خطبے سے فراغت کرکر جب باھر نکلا ۔ فقیر کو ایک میانے میں ڈالکر اپنے ساتھ خدمت میں اس پری بے پروا کی لیجا کر چق کے باھر بٹھایا ۔ اگرچہ میری روھٹ کچھ باقی نہ رھی تھی پر مدت تلک شب و روز اس پری کے پاس اتفاق رھنے کا ھوا تھا ۔ جان بوجھ

کر بیگانی ہو کر خوجے سے پوچھنے لگی - ''یہ کون ہے؟،، اس مرد آدمی نے کہا - ''یہ وہی کم بخت بد نصیب ہے جو حضور کی خفگی اور عتاب میں پڑا تھا - اسی سبب سے اسکی یہ صورت بنی ہے - عشق کی آگ سے جلا جاتا ہے - ہر چند آنسوؤں کے پانی سے بجھاتا ہے - پر وہ دونی بھڑکتی ہے - کچھ فائدہ نہیں ہوتا - علاوہ اپنی تقصیر کی خجالت سے موا جاتا ہے،، - پری نے ٹھٹولی سے فرمایا ''کیوں جھوٹ بکتا ہے؟ بہت دن ہوئے اسکی خبر وطن پہنچنے کی مجھے خبرداروں نے دی ہے - واللہ عالم - یہ کون ہے اور تو کسکا ذکر کرتا ہے؟،، اس دم خواجہ سرا نے ہاتھ جوڑ کر التماس کیا - ''اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں،، - فرمایا ''کہہ - تیری جان تجھے بخشی،، - خوجا بولا - ''آپ کی ذات قدردان ہے - واسطے خدا کے چلون کو درمیان سے اٹھوا کر پہچانئے اور اسکی بیکسی کی حالت پر رحم کیجئے - ناحق شناسی خوب نہیں - اب اسکے احوال پر جو کچھ ترس کھائیے بجا ہے اور جائے ثواب ہے - آگے حد ادب - جو مزاج مبارک میں آوے سو ہی بہتر ہے،، -

اتنے کہنے پر مسکرا کر فرمایا - ''بھلا - کوئی ہو، اسے دارالشفا میں رکھو - جب بھلا چنگا ہوگا تب اسکے احوال کی پرسش کی جائیگی،، - خوجے نے کہا ''اگر اپنے دست خاص سے گلاب اسپر چھڑکئے اور زبان سے کچھ فرمائیے تو اسکو اپنے جینے کا بھروسہ بندھے - ناامیدی بری چیز ہے - دنیا بہ امید قائم ہے،، - اس پر بھی اس پری نے کچھ نہ کہا - یہ سوال جواب سنکر میں بھی اپنے جی سے اکتا رہا تھا - ندھڑک بول اٹھا کہ ''اب اس طور کی زندگی کو دل نہیں چاہتا - پاؤں تو گور میں لٹکا چکا ہوں - ایک روز مرنا ہے اور

علاج میرا پادشاہزادی کے ہاتھ میں ہے۔ کریں یا نہ کریں وہ جانیں۔،، بارے مقلب القلوب نے اس سنگدل کے دم کو نرم کیا۔ مہربان ہو کر فرمایا ''جلد پادشاہی حکیموں کو حاضر کرو،،۔ وونہیں طبیب آکر جمع ہوئے۔ نبض قارورہ دیکھکر بہت غور کی۔ آخرش تشخیص میں ٹھہرا کہ یہ شخص کہیں عاشق ہوا ہے۔ سوائے وصل معشوق کے اسکا کچھ علاج نہیں۔ جس وقت وہ ملے یہ صحت پاوے۔ جب حکیموں کی بھی زبانی یہی مرض میرا ثابت ہوا۔ حکم کیا ''اس جوان کو گرمابے میں لیجاؤ۔ نہلا کر خاصی پوشاک پہنا کر حضور میں لے آؤ،،۔ وونہیں مجھے باہر لیگئے۔ حمام کروا اچھے کپڑے پہنا خدمت میں پری کی حاضر کیا۔ تب وہ نازنین تپاک سے بولی ''تونے مجھے بیٹھے بٹھائے ناحق بدنام اور رسوا کیا۔ اب اور کیا کیا چاھتا ہے؟ جو تیرے دل میں ہے صاف صاف بیان کر،،۔

یا فقرا! اس وقت یہ عالم ہوا کہ شادی مرگ ہوجاؤں۔ خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا۔ اور صورت شکل بدل گئی۔ شکر خدا کا کیا اور اس سے کہا۔ ''اس دم ساری حکیمی آپ پر ختم ہوئی کہ مجھ سے مردے کو ایک بات میں زندہ کیا۔ دیکھو تو اسوقت سے اسوقت تک میرے احوال میں کیا فرق ہوگیا،، یہ کہکر تین بار گرد پھرا اور سامنے آکر کھڑا ہوا اور کہا۔ ''حضور سے یوں حکم ہوتا ہے کہ جو تیرے جی میں ہو سو کہہ۔ بندے کو ھفت اقلیم کی سلطنت سے زیادہ یہ ہے کہ غریب نوازی کر کر اس عاجز کو قبول کیجئے اور اپنی قدم بوسی سے سرفرازی دیجئے،،۔ ایک لمحہ تو سنکر غوطے میں گئی۔ پھر

کن آنکھیوں سے دیکھکر کہا ''بیٹھو۔ تم نے خدمت اور وفاداری ایسی ہی کی ہے۔ جو کچھ کہو سو پھبتی ہے اور اپنے بھی دل پر نقش ہے۔ خیر ہم نے قبول کیا،،۔

اسی دن اچھی ساعت، سبھہ لگن میں چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھ دیا۔ بعد اتنی محنت اور آفت کے خدا نے یہ دن دکھایا کہ میں نے اپنے دل کا مدعا پایا۔لیکن جیسی دل میں آرزو اس پری سے ہم بستر ہونے کی تھی۔ ویسی ہی جی میں بے کلی اس واردات عجیب کے معلوم کرنے کی تھی۔ کہ آج تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے؟ اور وہ حبشی سانولا سجیلا جسنے ایک پرزے کاغذ پر اتنی اشرفیوں کے بدرے میرے حوالے کئے کون تھا؟ اور تیاری ضیافت کی پادشاہوں کے لائق ایک پہر میں کیوں کر ہوئی؟ اور وہ دونوں بیگناہ اس مجلس میں کس لئے مارے گئے؟ اور سبب خفگی اور بے مروتی کا (باوجود خدمت گذاری اور ناز برداری کے) مجھ پر کیا ہوا؟ اور پھر ایکبارگی اس عاجز کو یوں سربلند کیا؟ غرض اسی واسطے بعد رسم رسومات عقد کے آٹھ دن تلک باوصف اس اشتیاق کے قصد مباشرت کا نہ کیا۔ رات کو ساتھ سوتا۔ دن کو یونہیں اٹھ کھڑا ہوتا۔

ایک دن غسل کرنے کے لئے میں نے خواص کو کہا کہ تھوڑا پانی گرم کردے تو نہاؤں۔ ملکہ مسکرا کر بولی ''کس برتے پر تتا پانی؟،، میں خاموش ہو رہا۔ لیکن وہ پری میری حرکت سے حیران ہوئی۔ بلکہ چہرے پر آثار خفگی کے نمود ہوئے۔ یہاں تلک کہ

ایک روز بولی "تم بھی عجب آدمی ہو۔ یا اتنے گرم یا ایسے ٹھنڈے۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ اگر تم میں قوت نہ تھی تو کیوں ایسی کچی ہوس پکائی؟"۔ اس وقت میں نے بھی بیدھڑک ہو کر کہا "اے جانی! منصفی شرط ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ انصاف سے نہ چوکے"۔ بولی "اب کیا انصاف رہ گیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا سو ہوچکا"۔ فقیر نے کہا۔ "واقعی بڑی آرزو اور مراد میری یہی تھی سو مجھے ملی۔ لیکن دل میرا دبدھے میں ہے۔ اور دودلی آدمی کی، خاطر پریشان رکھتی ہے۔ اس سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں یہ قول کیا تھا کہ بعد اس نکاح کے (کہ عین دل کی شادی ہے) بعضی بعضی باتیں (جو خیال میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتیں) حضور میں پوچھونگا کہ زبان مبارک سے اس کا بیان سنوں تو جی کو تسکین ہو"۔ اس پری نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا "کیا خوب! ابھی سے بھول گئے۔ یاد کرو بارہا ہم نے کہا ہے کہ ہمارے کام میں ہرگز دخل نہ کیجیو۔ اور کسی بات کے متعرض نہ ہوجیو۔ خلاف معمول یہ بے ادبی کرنی کیا لازم ہے؟"۔ فقیر نے ہنس کر کہا "جیسے اور بے ادبیاں معاف کرنے کا حکم ہے۔ ایک یہ بھی سہی"۔ وہ پری نظریں بدلکر تیہے میں آ کر آگ کا بگولا بن گئی اور بولی۔ "اب تو بہت سر چڑھا! جا اپنا کام کر۔ ان باتوں سے تجھے کیا فائدہ ہوگا؟"۔ میں نے کہا۔ "دنیا میں اپنے بدن کی شرم سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن ایک دوسرے کا واقف کار ہوتا ہے۔ پس جب ایسی چیز دل پر روا رکھی تو اور کون سا بھید چھپانے کے لائق ہے؟"۔

میری اس رمز کو وہ پری وقوف سے دریافت کر کر کہنے لگی۔

''یہ بات سچ ہے پر جی میں یہ سوچ آتا ہے۔ کہ اگر مجھ نگوڑی کا راز فاش ہو تو بڑی قیامت مچے،،۔ میں بولا ''یہ کیا مذکور ہے؟ بندے کی طرف سے یہ خیال دل میں نہ لاؤ۔ اور خوشی سے ساری کیفیت جو بیتی ہے فرماؤ۔ ہرگزہرگز میں دل سے زبان تک نہ لاؤنگا۔ کسو کے کان پڑنا کیا امکان ہے؟،، جب اسنے دیکھا کہ اب سوائے کہنے کے اس عزیز سے چھٹکارا نہیں۔ لاچار ہو کر بولی۔''ان باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔تو خواہ نخواہ در پئے، ہوا۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے۔ اسلئے اپنی سرگذشت بیان کرتی ہوں۔ تجھے بھی اسکا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے۔ خبر شرط،،۔

غرض بہت سی تاکید کرکر کہنے لگی۔''کہ میں بدبخت ملک دمشق کے سلطان کی بیٹی ہوں۔ اور وہ سلاطینوں سے بڑا پادشاہ ہے۔ سوائے میرے کوئی لڑکا بالا اسکے یہاں نہیں ہوا۔ جس دن سے میں پیدا ہوئی ما باپ کے سائے میں ناز و نعمت اور خوشی خرمی سے پلی۔ جب ہوش آیا تب اپنے دل کو خوبصورتوں اور نازنینوں کے ساتھ لگایا۔ چنانچہ ستھری پریزاد ہمجولی امیرزادیاں مصاحبت میں۔ اور اچھی اچھی قبول صورت ہم عمر خواصیں سہیلیاں خدمت میں رہتی تھیں۔ تماشا ناچ اور راگ رنگ کا ہمیشہ دیکھا کرتی۔ دنیا کے بھلے برے سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی بے فکری کے عالم کو دیکھکر سوائے خدا کے شکر کے کچھ منھ سے نہ نکلتا تھا۔

اتفاقاً طبیعت خود بخود ایسی بے مزہ ہوئی کہ نہ مصاحبت کسو کی بھاوے۔ نہ مجلس خوشی کی خوش آوے۔ سودائی سا مزاج ہوگیا۔ دل اداس اور حیران۔ نہ کسو کی صورت اچھی لگے۔ نہ بات

کہنے سننے کو جی چاہے۔ میری یہ حالت دیکھکر دائی، ددا چھوچھو، انگا، سب کی سب متفکر ہوئیں۔ اور قدم پر گرنے لگیں۔ یہی خواجہ سرا نمک حلال قدیم سے میرا محرم اور ہمراز ہے اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔ میری وحشت دیکھکر بولا کہ "اگر پادشاہزادی تھوڑا سا شربت ورق الخیال کا نوش جان فرمائیں۔تو اغلب ہے کہ طبیعت بحال ہو جاوے اور فرحت مزاج میں آوے"۔ اسکے اس طرح کے کہنے سے مجھے بھی شوق ہوا۔ تب میں نے فرمایا "جلد حاضر کر"۔

محلی باہر گیا اور ایک صراحی اسی شربت کی تکلف سے بنا کر برف میں لگا کر لڑکے کے ہاتھ لوا کر آیا۔ میں نے پیا اور جو کچھ اس کا فائدہ بیان کیا تھا ویسا ھی دیکھا۔ اسی وقت اس خدمت کے انعام میں ایک بھاری خلعت خوجے کو عنایت کی۔ اور حکم کیا کہ ایک صراحی ہمیشہ اسی وقت حاضر کیا کر۔ اس دن سے یہ مقرر ہوا کہ خواجہ سرا صراحی اسی چھوکرے کے ہاتھ لوا لاویں۔ اور بندی پی جاوے۔ جب اسکا نشہ طلوع ھوتا تو اسکی لہر میں اس لڑکے سے ٹھٹھا مزاخ کر کر دل بہلاتی تھی۔ وہ بھی جب ڈھیٹھ ہوا تب اچھی اچھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔ اور اچنبھے کی نقلیں لانے۔ بلکہ آہ آوھی بھی بھرنے۔ اور سسکیاں لینے۔ صورت تو اسکی طرحدار لائق دیکھنے کے تھی۔ بے اختیار جی چاھنے لگا۔ میں دل کے شوق سے اور اٹھکھیلیوں کے ذوق سے ہر روز انعام بخشش دینے لگی۔ پر وہ کمبخت انھیں کپڑوں سے جیسے ہمیشہ پہن رہا تھا حضور میں آتا۔ بلکہ وہ لباس بھی میلا کچیلا ہو جاتا۔

ایک دن پوچھا کہ "تجھے سرکار سے اتنا کچھ ملا۔ پر تونے

اپنی صورت ویسی کی ویسی ہی پریشان بنا رکھی - کیا سبب ہے - وے روپے کہاں خرچ کئے - یا جمع کر رکھے،،؟ لڑکے نے یے خاطرداری کی باتیں جو سنیں - اور مجھے اپنا احوال پرساں پایا - آنسو ڈبڈبا کر کہنے لگا - ''جو کچھ آپ نے اس غلام کو عنایت کیا سب استاد نے لے لیا - مجھے ایک پیسہ نہیں دیا - کہاں سے دوسرے کپڑے بناؤں جو پہنکر حضور میں آؤں؟ اس میں میری تقصیر نہیں - میں لاچار ہوں،، - اس غریبی کے کہنے پر اسکے ترس آیا - وونہیں خواجہ سرا کو فرمایا کہ ''آج سے اس لڑکے کو اپنی صحبت میں تربیت کر - اور اچھا لباس تیار کرواکر پہنا - اور لونڈوں میں بے فائدہ کھیلنے کودنے نہ دے - بلکہ اپنی خوشی یہ ہے کہ آداب لائق حضور کی خدمت کے سیکھے اور حاضر رہے،، - خواجہ سرا موافق فرمانے کے بجالایا - اور میری مرضی جو ادھر دیکھی نہایت اسکی خبر گیری کرنے لگا - تھوڑے دنوں میں فراغت اور خوش خوری کے سبب سے اس کا رنگ و روغن کچھ کا کچھ ہوگیا اور کینچلی سی ڈال دی - میں اپنے دل کو ہرچند سنبھالتی پر اس کافر کی صورت جی میں ایسی کھب گئی تھی - یہی جی چاہتا تھا کہ مارے پیار کے اسے کلیجے میں ڈال رکھوں - اور اپنی آنکھوں سے ایک پل جدا نہ کروں -

آخر اسکو مصاحبت میں داخل کیا - اور خلعتیں طرح بطرح کی اور جواہر رنگ برنگ کے پہنا کر دیکھا کرتی - بارے اسکے نزدیک رہنے سے آنکھوں کو سکھ کلیجے کو ٹھنڈک ہوئی - ہردم اسکی خاطرداری کرتی - آخر کو میری یہ حالت پہنچی کہ اگر ایک دم کچھ ضروری کام کو میرے سامنے سے جاتا - تو چین نہ آتا - بعد کئی برس کے وہ بالغ ہوا - مسیں بھیگنے لگیں - چھب تختی درست

ہوئی ۔ تب اسکا چرچا باہر درباریوں میں ہونے لگا ۔ دربان اور رَوّنے، میوڑے، باریدار اور یساول، چوبدار اسکو محل کے اندر آنے جانے سے منع کرنے لگے ۔ آخر اسکا آنا موقوف ہوا ۔ مجھے تو اس بغیر کل نہ پڑتی تھی ۔ ایک دم پہاڑ تھا ۔ جب یہ احوال ناامیدی کا سنا۔ ایسی بدحواس ہوگئی گویا مجھپر قیامت ٹوٹی ۔ اور یہ حالت ہوئی کہ نہ کچھ کہہ سکتی ہوں ۔ نہ اس بن رہ سکتی ہوں ۔ کچھ بس نہیں چل سکتا ۔ الٰہی کیا کروں! عجب طرح کا قلق ہوا ۔ مارے بے قراری کے اسی محلی کو (جو میرا بھیدو تھا) بلا کر کہا کہ ''مجھے غور اور پرداخت اس لڑکے کی منظور ہے ۔ بالفعل صلاح وقت یہ ہے کہ ہزار اشرفی پونجی دیکر چوک کے چوراہے میں دوکان جوہری کی کروادو ۔ تو تجارت کرکے اسکے نفع سے اپنی گذران فراغت سے کیا کرے ۔ اور میرے محل کے قریب ایک حویلی اچھے نقشے کی رہنے کے لئے بنوا دو ۔ لونڈے، غلام نوکر چاکر جو ضرور ہوں مول لیکر اور درماہا مقرر کرکر اسکے پاس رکھوادو کہ کسو طرح بے آرام نہ ہو،، ۔ خواجہ سرا نے اسکے بود و باش کی اور جوہری پنے اور تجارت کی سب تیاری کردی ۔ تھوڑے عرصے میں اسکی دوکان ایسی چمکی اور نمود ہوئی کہ جو خلعتیں فاخرہ اور جواہر بیش قیمت، سرکار میں پادشاہ کی اور امیروں کی، درکار و مطلوب ہوتے، اسی کے یہاں بہم پہنچتے ۔ آہستہ آہستہ یہ دوکان جمی کہ جو تحفہ ہر ایک ملک کا چاہئے وہیں ملے ۔ سب جوہریوں کا روزگار اسکے آگے مندا ہوگیا ۔ غرض اس شہر میں کوئی برابری اسکی نہ کر سکتا ۔ بلکہ کسی ملک میں ویسا کوئی نہ تھا ۔

اسی کاروبار میں اسنے تو لاکھوں روپے کمائے ۔ پر جدائی اسکی

روز بروز نقصان میرے تن بدن کا کرنے لگی۔ کوئی تدبیر نہ بن آئی کہ اسکو دیکھکر اپنے دل کی تسلّی کروں۔ ندان صلاح کی خاطر، اسی واقف‌کار محلی کو بلایا اور کہا۔ کہ ''کوئی ایسی صورت بن نہیں آتی کہ ذرا اسکی صورت میں دیکھوں اور اپنے دل کو صبر دوں۔ مگر یہ طرح ہے کہ ایک سرنگ اسکی حویلی سے کھدوا کر محل میں ملا دو،،۔ حکم کرتے ہی تھوڑے دنوں میں ایسی نقب تیار ہوئی کہ جب سانجھ ہوتی چپکے ہی وہ خواجہ سرا اس جوان کو اسی راہ سے لے آتا۔ تمام شب شراب و کباب و عیش و عشرت میں کٹتی۔ میں اسکے ملنے سے آرام پاتی۔ وہ میرے دیکھنے سے خوش ہوتا۔ جب فجر کا تارا نکلتا اور موذن اذان دیتا، محلی اسی راہ سے اس جوان کو اسکے گھر پہنچا دیتا۔ ان باتوں سے سوائے اس خوجے کے اور دو دائیوں کے (جنھوں نے مجھے دودھ پلایا اور پالا تھا) چوتھا آدمی کوئی واقف نہ تھا۔

مدت تلک اسی طرح سے گذری۔ایک روز یہ اتفاق ہوا۔ کہ موافق معمول کے خواجہ سرا جو اسکو بلانے گیا دیکھے تو وہ جوان فکر مند سا چپکا بیٹھا ہے۔ محلی نے پوچھا ''آج خیر ہے کیوں ایسے دلگیر ہو رہے ہو؟ چلو حضور میں، یاد فرمایا ہے،،۔ اسنے ہرگز کچھ جواب نہ دیا۔ زبان نہ ہلائی۔ خواجہ سرا اپنا سا منہ لیکر اکیلا پھر آیا۔اور احوال اسکا عرض کیا۔ میرے تئیں شیطان جو خراب کرے اسپر بھی محبت آسکی دل سے نہ بھولی۔ اگر یہ جانتی کہ عشق اور چاہ ایسے نمک حرام بے وفا کی آخر کو بدنام اور رسوا کریگی۔اور ننگ و ناموس سب ٹھکانے لگے گا۔تو اسی دم اس کام سے باز آتی۔ اور توبہ کرتی۔پھر اسکا نام نہ لیتی نہ اپنا دل اس

بے حیا کو دیتی - پر ہونا تو یوں تھا۔ اسلئیے حرکت بیجا اسکی خاطر میں نہ لائی - اور اسکے نہ آنے کو معشوقوں کا چوچلا اور ناز سمجھا - اسکا نتیجہ یہ دیکھا کہ اس سرگذشت سے بغیر دیکھے بھالے تو بھی واقف ہوا۔نہیں تو میں کہاں اور تو کہاں؟ خیر جو ہوا سو ہوا - اس خر دماغی پر اس گدھے کی خیال نہ کر، دوبارہ خوجے کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ ''اگر تو اسوقت نہیں آویگا، تو میں کسو نہ کسو ڈھب سے وہیں آتی ہوں۔لیکن میرے آنے میں بڑی قباحت ہے۔اگر یہ راز فاش ہوا تیرے حق میں بہت برا ہے - تب ایسا کام نہ کر جسمیں سوائے رسوائی کے اور کچھ پھل نہ ملے - بہتر یہی ہے کہ جلد چلا آ - نہیں تو مجھے پہنچا جان - جب یہ سندیسا گیا اور اشتیاق میرا نپٹ دیکھا۔بھونڈی سی صورت بنائے ہوئے ناز نخرے سے آیا،،۔

جب میرے پاس بیٹھا تب میں نے اس سے پوچھا کہ ''آج رکاوٹ اور خفگی کا کیا باعث ہے؟ اتنی شوخی اور گستاخی تونے کبھو نہ کی تھی ہمیشہ بلا عذر حاضر ہوتا تھا،، - تب اس نے کہا کہ ''میں گمنام غریب حضور کی توجہ سے اور دامن دولت کے باعث اس مقدور کو پہنچا۔بہت آرام سے زندگی کٹتی ہے - آپ کے جان و مال کو دعا کرتا ہوں۔یہ تقصیر بادشاہزادی کے معاف کرنے کے بھروسے اس گنہگار سے سرزد ہوئی۔امیدوار عفو کا ہوں،،۔ میں تو جان و دل سے اسے چاہتی تھی۔اسکی بناوٹ کی باتوں کو مان لیا۔اور شرارت پر نظر نہ کی۔بلکہ پھر دلداری سے پوچھا کہ ''کیا تجھکو ایسی مشکل کٹھن پیش آئی۔جو ایسا متفکر ہورہا ہے؟ اسکو عرض کر۔اسکی بھی تدبیر ہوجائیگی،،۔

غرض اسنے اپنی خاکساری کی راہ سے یہی کہا۔ کہ ''مجھکو سب مشکل ہے۔ آپ کے رو برو سب آسان ہے''۔ آخر اسکے فحوائے کلام اور بت کہاؤ سے یہ کھلا کہ ایک باغ نہایت سرسبز اور عمارت عالی، حوض، تالاب، کوئے پختہ سمیت، غلام کی حویلی کے نزدیک ناف شہر میں بکاؤ ہے۔ اور اس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی گائن کہ علم موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ہے۔ لیکن یہ دونوں باہم بکتے ہیں نہ اکیلا باغ۔ جیسے اونٹ کے گلے میں بلی۔ جو کوئی وہ باغ لیوے اس کنیز کی بھی قیمت دیوے۔ اور تماشہ یہ ہے کہ باغ کا مول پانچ ہزار روپے۔ اور اس باندی کا بہا پانچ لاکھ۔ فدوی سے اتنے روپے بالفعل سرانجام نہیں ہو سکتے۔ میں نے اسکا دل بہت بے اختیار شوق میں ان کی خریداری کے پایا۔ کہ اسی واسطے دل حیران اور خاطر پریشان تھا۔ باوجودیکہ رو برو میرے بیٹھا تھا۔ تب بھی اسکا چہرا ماین اور جی اداس تھا۔ مجھے تو خاطر داری اسکی ہر گھڑی اور ہر پل منظور تھی۔ اسی وقت خواجہ سرا کو حکم کیا۔ کہ ''کل صبح کو قیمت اس باغ کی لونڈی سمیت چکا کر قبالہ باغ کا اور خط کنیزک کا لکھوا کر اس شخص کے حوالے کرو۔ اور مالک کو زر قیمت خزانہ عامرہ سے دلوا دو''۔

اس پروانگی سنتے ہی جوان نے آداب بجا لایا اور منہ پر رونق آئی۔ ساری رات اسی قاعدے سے جیسے ہمیشہ گذرتی تھی ہنسی خوشی سے کٹی۔ فجر ہوتے ہی وہ رخصت ہوا۔ خوجے نے موافق فرمانے کے اس باغ کو اور لونڈی کو خرید کردیا۔ پھر وہ جوان رات کو موافق معمول کے آیا جایا کرتا۔ ایک روز بہار کے موسم

میں کہ مکان بھی دلچسپ تھا بدلی گھمنڈ رہی تھی - پھونہیاں پڑ رہی تھیں - بجلی بھی کوند رہی تھی - اور ہوا نرم نرم بہتی تھی - غرض عجب کیفیت اس دم تھی - جونہی رنگ بہ رنگ کے حباب اور گلابیاں طاقوں پر چنی ہوئی نظر پڑیں - دل للچایا کہ ایک گھونٹ لوں - جب دو تین پیالوں کی نوبت پہنچی وونہیں خیال اس باغ نو خرید کا گذرا - کمال شوق ہوا کہ ایکدم اس عالم میں وہاں کی سیر کیا چاہئے - کم بختی جو آوے - اونٹ چڑھے کتا کاٹے - اچھی طرح بیٹھے بٹھائے ایک دائی کو ساتھ لیکر سرنگ کی راہ سے اس جوان کے مکان کو گئی - وہاں سے باغ کی طرف چلی - دیکھا تو ٹھیک اس باغ کی بہار بہشت کی برابری کر رہی ہے - قطرے مینھ کے درختوں کے سبز سبز پتوں پر جو پڑے ہیں - گویا زمرد کی پٹریوں پر موتی جڑے ہیں - اور سرخی پھولوں کی اس ابر میں ایسی چُھچُھی لگتی ہے جیسے شام کو شفق پھولی ہے - اور نہریں لبالب مانند فرش آئینے کے نظر آتی ہیں اور موجیں لہراتی ہیں -

غرض اس باغ میں ہر طرف سیر کرتی پھرتی تھی - کہ دن ہوچکا - سیاہی شام کی نمود ہوئی - اتنے میں وہ جوان ایک روش پر نظر آیا - اور مجھے دیکھکر بہت ادب اور گرم جوشی سے آگے بڑھکے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر دھر کر بارہ دری کی طرف لے چلا - جب وہاں میں گئی تو وہاں کے عالم نے سارے باغ کی کیفیت کو دل سے بھلا دیا - یہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا - (جابجا قمقمے، سرو چراغاں، کنول اور فانوس خیال، شمع مجلس حیران اور فانوسیں روشن تھیں) کہ شب برات باوجود چاندنی اور چراغاں کے اسکے آگے اندھیری لگتی - ایکطرف آتشبازی پھل جھڑی، انارداؤدی،

بھچنپا ، مرواید ، مہتابی، ہوائی ، چرخی، ھتھ پھول ، جاھی جوھی ، پٹاخے، ستارے چھٹتے تھے۔

اس عرصے میں بادل پھٹ گیا اور چاند نکل آیا بعینہ جیسے نافرمانی جوڑا پہنے ہوئے کوئی معشوق نظر آجاتا ھے - بڑی کیفیت ہوئی- چاندنی چھٹکتے ھی جوان نے کہا کہ ''اب چلکر باغ کے بالا خانے پر بیٹھئے،،- میں ایسی احمق ہوگئی تھی کہ جو وہ نگوڑا کہتا سو میں مان لیتی - اب یہ ناچ نچایا کہ مجھکو اوپر لیگیا - وہ کوٹھا ایسا بلند تھا کہ تمام شہر کے مکان اور بازار کے چراغاں گویا اسکے پائیں باغ تھے - میں اس جوان کے گلے میں بانھ ڈالے ہوئے خوشی کے عالم میں بیٹھی تھی - اتنے میں ایک رنڈی نہایت بھونڈی سی - صورت نہ شکل- چولھے میں سے نکل- شراب کا شیشہ ھاتھ میں لئے ہوئے آ پہنچی - مجھے اسوقت اسکا آنا نپٹ برا لگا- اور اسکی صورت دیکھنے سے دل میں ہول اٹھی۔

تب میں نے گھبرا کر جوان سے پوچھا کہ ''یہ تحفہ علت کون ھے؟ تونے کہاں سے پیدا کی؟،، وہ جوان ھاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ ''یہ وھی لونڈی ھے جو اس باغ کے ساتھ حضور کے عنایت سے خرید ہوئی،،- میں نے معلوم کیا کہ اس احمق نے بڑی خواھش سے اسکو لیا ھے - شاید اس کا دل اس پر مائل ھے اسی خاطر سے پیچتاب کھا کر میں چپکی ہورھی - لیکن دل اسی وقت سے مکدر ہوا اور ناخوشی مزاج پر چھا گئی - تسپر قیامت اس ایسے تیسے نے یہ کی - کہ ساقی اسی چھنال کو بنایا - اسوقت میں اپنا لہو پیتی تھی اور جیسے طوطی کو کوئی کوے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کرتا ھے،

ط ۸۶۶

نہ جانے کی فرصت پاتی تھی، اور نہ بیٹھنے کوجی چاہتا تھا۔ قصہ مختصر وہ شراب بوند کی بوند تھی جسکے پینے سے آدمی حیوان ہوجاوے۔ دو چار جام پے در پے اسی تیزآب کے جوان کو دئے۔ اور آدھا پیالہ جوان کی منت سے میں نے بھی زہرمار کیا۔ آخر وہ پِلشت بے حیا بھی بدمست ہوکراس مردود سے بیہودہ ادائیں کرنے لگی۔ اور وہ چِبلاّ بھی نشے میں بے لحاظ ہو چلا اور نامعقول حرکتیں کرنے لگا۔

مجھے یہ غیرت آئی اگر اسوقت زمین پھاٹے تو میں سماجاؤں۔ لیکن اسکی دوستی کے باعث میں بللی اسیر بھی چپ ہورھی۔ پر وہ‌تو اصل کا پاجی تھا۔ میرے اس درگذر کرنے کو نہ سمجھا۔نشے کی لہر میں اور بھی دو پیالے چڑھا گیا۔ کہ رہتا سہتا* ہوش جو تھا وہ بھی گم ہوگیا۔ اور میری طرف سے مطلق دھڑکا جی سے اٹھا دیا۔ بے شرمی سے شہوت کے غلبے میں میرے روبرو اس بیحیا نے اس بندوڑ سے صحبت کی۔ اور وہ پچھل پائی بھی اس حالت میں نیچے پڑی ہوئی نخرے تلے کرنے لگی۔ اور دونوں میں چوما چاٹی ہونے لگی۔ نہ اس بے وفا میں وفا نہ اس بے حیا میں حیا۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔ میری اسوقت یہ حالت تھی جیسے اَوسَر چُوکی، ڈومنی گاوے تال بے تال۔ اپنے اوپر لعنت کرتی تھی۔ کہ کیوں تو یہاں آئی جسکی یہ سزا پائی؟ آخر کہاں تک سہوں۔ میرے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی۔ اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔ اس غصے اور طیش

---

* مستعمل رہا سہا ہے

میں یہ کہاوت - بیل نہ کودا، کودے گون- یہ تماشا دیکھے کون- کہتی ہوئی وہاں سے اٹھی--

وہ شرابی اپنی خرابی دل میں سوچا - کہ اگر پادشاہزادی اسوقت ناخوش ہوئی - تو کل میرا کیا حال ہوگا - اور صبح کو کیا قیامت مچیگی؟ اب یہ بہتر ہے کہ شاہزادی کو مارڈالوں- یہ ارادہ اس غیبانی کی صلاح سے جی میں ٹھہراکر گلے میں پٹکا ڈال میرے پاؤں آکر پڑا- اور پگڑی سر سے اتار کر منت و زاری کرنے لگا- میرا دل تو اسپر لٹو ہورہا تھا-جدھر لئے پھرتا تھا پھرتی تھی- اور چکی کی طرح میں اسکے اختیار میں تھی- جو کہتا تھا سو کرتی تھی - جوں توں مجھے پھسلا پنڈھلا کر پھر بٹھلایا- اور اسی شراب دو آتشہ کے دو چار پیالے بھربھر کر آپ بھی پیئے- اور مجھے بھی دیئے - ایک تو غصے کے مارے جل بھن کر کباب ہورہی تھی- دوسرے ایسی شراب پی جلد بے ہوش ہوگئی- کچھ حواس باقی نہ رہے - تب اس بے رحم نمک حرام کٹر سنگدل نے تلوار سے مجھے گھایل کیا - بلکہ اپنی دانست میں مارچکا - اس دم میری آنکھ کھلی تو منھ سے یہی نکلا - '' خیر - جیسا ہم نے کیا ویسا پایا- لیکن تو اپنے تئیں، میرے اس خون ناحق سے بچائیو-

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کوتو دامن سے دھو-ہوا سو ہوا

کسی سے یہ بھید ظاہر نہ کیجیو- ہم نے تو تجھسے جان تک بھی در گذر نہ کی ،، - پھر اسکو خدا کے حوالے کرکر میرا جی ڈوب گیا - مجھے اپنی سدھ بدھ کچھ نہ رہی - شاید اس قصائی نے

مجھے مردہ خیال کر اس صندوق میں ڈالکر قلعے کی دیوار کے تلے لٹکا دیا۔ سو تونے دیکھا۔ میں کسو کا برا نہ چاہتی تھی۔لیکن یے خرابیاں قسمت میں لکھی تھیں۔

مٹتی نہیں کرم کی ریکھا
ان آنکھوں کے سبب یہ کچھ دیکھا

اگر خوبصورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ہوتا۔تو وہ بد بخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ کام کیا کہ تجھکو وہاں پہنچا دیا۔ اور سبب میری زندگی کا کیا۔ اب حیا جی میں آتی ہے کہ یے رسوائیاں کھینچکر اپنے تئیں جیتا نہ رکھوں۔یا کسو کو منھ نہ دکھاؤں۔پر کیا کروں۔مرنے کا اختیار اپنے ھاتھ میں نہیں۔خدا نے مار کر پھر جلایا۔آگے دیکھئے کہ کیاقسمت میں بدا ہے۔ظاھر میں تو تیری دوڑ دھوپ اور خدمت کام آئی جو ویسے زخموں سے شفا پائی۔ تونے جان و مال سے میری خاطر کی۔اور جو کچھ اپنی بساط تھی حاضر کی۔ ان دنوں تجھے بے خرچ اور دودلا دیکھکر وہ شقہ شیدی بہار کو (جو میرا خزانچی ہے) لکھا۔ اسمیں یہی مضمون تھا کہ میں خیروعافیت سے مکان میں ہوں۔مجھ بد طالع کی خبر والدۂ شریفہ کی خدمت میں پہنچائیو۔

اس نے تیرے ساتھ دو کشتیاں نقد کی خرچ کی خاطر بھیج دیں۔ اور جب تجھے خلعت اور جواھر کے خرید کرنے کو یوسف، سوداگر بچے کی دوکان کو بھیجا، مجھے یہ بھروسہ تھا کہ وہ کم حوصلہ جلد ھر ایک سے آشنا ھو بیٹھتا ہے، تجھے بھی اجنبی جان کر اغلب ہے کہ دوستی کرنے کے لئے اترا کر دعوت اور ضیافت کریگا۔ سو میرا منصوبہ ٹھیک بیٹھا۔جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا اسنے ویسا ھی کیا۔ تو جب اس سے قول قرار

پھر آنے کا کر کر میرے پاس آیا۔اور مہمانی کی حقیقت اور اس کا بجد ہونا مجھسے کہا۔میں دل میں خوش ہوئی کہ جب تو اسکے گھر میں جا کر کھاوے پیویگا تب اگر تو بھی اسکو مہمانی کی خاطر بلاوے گا وہ دوڑا چلا آوے گا۔ اس لئے تجھے جلد رخصت کیا۔ تین دن کے پیچھے جب تو وہاں سے فراغت کرکے آیا۔ اور میرے رو برو عذر غیر حاضری کا شرمندگی سے لایا۔ میں نے تیری تشفی کے لئے فرمایا۔کچھ مضائقہ نہیں۔جب اسنے رضا دی تب تو آیا۔لیکن بے شرمی خوب نہیں کہ دوسرے کا احسان اپنے سر پر رکھئیے اور اسکا بدلا نہ کیجئیے۔اب تو بھی جا کر اسکی استدعا کر۔ اور اپنے ساتھ ہی ساتھ لے آ۔ جب تو اسکے گھر کو گیا تب میں نے دیکھا کہ یہاں کچھ اسباب مہمان داری کا تیار نہیں۔ اگر وہ آجاوے تو کیا کروں؟ لیکن یہ فرصت پائی کہ اس ملک میں قدیم سے پادشاہوں کا یہ معمول ہے، کہ آٹھ مہینے کاروبار ملکی اور مالی کے واسطے ملک گیری میں باہر رہتے ہیں، اور چار مہینے موسم برسات کے قلعۂ مبارک میں جلوس فرماتے ہیں، ان دنوں دو چار مہینے سے پادشاہ یعنی ولی نعمت مجھ بد بخت کے بند و بست کی خاطر ملک میں تشریف لے گئے تھے۔

جب تک تو اس جوان کو ساتھ لیکر آوے کہ شیدی بہار نے میرا احوال خدمت میں پادشاہ بیگم کی (کہ والدہ مجھ ناپاک کی ہیں) عرض کیا۔ پھر میں اپنی تقصیر اور گناہ سے خجل ہو کر ان کے رو برو جا کر کھڑی ہوئی اور جو سر گذشت تھی بیان کی۔ ہر چند انھوں نے میرے غائب ہونے کی کیفیت دور اندیشی اور مہر مادری سے چھپا رکھی تھی کہ خدا جانے اسکا انجام

کیا ہو۔ابھی یہ رسوائی ظاہر کرنی خوب نہیں۔میرے بدلے میں میرے عیبوں کو اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑا تھا ۔ لیکن میری تلاش میں تھیں ۔ جب مجھے اس حالت میں دیکھا اور سب ماجرا سنا آنسو بھر لائیں اور فرمایا۔ ''اے کم بخت ناشدنی! تونے جان بوجھکر نام و نشان بادشاہت کا سارا کھویا۔ہزار افسوس! اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھویا ۔ کاش کے تیرے عوض میں پتھر جنتی تو صبر آتا! اب بھی توبہ کر۔جو قسمت میں تھا سو ہوا۔اب آگے کیا کریگی؟ جیویگی یا مریگی؟،، میں نے نہایت شرمندگی سے کہا ''کہ مجھ بے حیا کے نصیبوں میں یہی لکھا تھا۔جو اس بدنامی اور خرابی میں ایسی ایسی آفتوں سے بچکر جیتی رہوں ۔ اس سے مرنا ھی بھلا تھا۔ اگر چہ کلنک کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگا، پر ایسا کام نہیں کیا جس میں ما باپ کے نام کو عیب لگے''

اب یہ بڑا دکھ ہے کہ وے دونوں بیحیا میرے ھاتھ سے بچ جاویں۔اور آپس میں رنگ رلیاں مناویں ۔ اور میں ان کے ھاتھوں سے یہ کچھ دُکھ دیکھوں ۔ حیف ھے کہ مجھسے کچھ نہ ھوسکے۔ یہ امیدوار ھوں کہ خانساماں کو پروانگی ھو۔تو اسباب ضیافت کا بخوبی تمام اس کم بخت کے مکان میں تیار کرے۔تو میں دعوت کے بہانے سے ان دونوں بد بختوں کو بلوا کر ان کے عملوں کی سزا دوں۔ اور اپنا عوض لوں ۔ جسطرح اسنے مجھپر ھاتھ چھوڑا۔ اور گھایل کیا میں بھی دونوں کے پرزے پرزے کروں ۔ تب میرا کلیجا ٹھنڈا ھو۔نہیں تو اس غصے کی آگ میں پھک رہی ھوں۔ آخر جل بل کر بھوبھل ھوجاؤنگی ۔ یہ سنکر اماں نے آمنا کے درد سے مہربان ھوکر میری عیب پوشی کی ۔ اور سارا لوازمہ ضیافت کا

اسی خواجہ سرا کے ساتھ (جو میرا محرم ہے) کردیا۔ سب اپنے اپنے کارخانے میں آکر حاضر ہوئے۔ شام کے وقت تو اس موئے کو لیکر آیا۔ مجھے اس قحبہ باندی کا بھی آنا منظور تھا۔

چنانچہ پھر تجھکو تَقَیّد کر کر۔ اسے بھی بلوایا۔ جب وہ بھی آئی اور مجلس جمی شراب پی پی کر سب بدمست اور بے ہوش ہوئے۔ اور ان کے ساتھ تو بھی کیفی ہو کر مردا سا پڑا۔ میں نے قلماقنی کو حکم کیا کہ ان دونوں کا سر تلوار سے کاٹ ڈال۔ اسنے وونہیں ایک دم میں شمشیر نکال کر دونوں کے سر کاٹ، بدن لال کردئے۔ اور تجھپر غصے کا یہ باعث تھا۔ کہ میں نے اجازت ضیافت کی دی تھی، نہ دو دن کی دوستی پر اعتماد کر کے شریک مئے خوری کا ہو۔ البتہ یہ تیری حماقت اپنے تئیں پسند نہ آئی۔ اس واسطے کہ جب تو پی پا کر بے ہوش ہوا۔ تب توقع رفاقت کی تجھ سے کیا رہی؟ پر تیری خدمت کے حق ایسے میری گردن پر ہیں۔ کہ جو تجھ سے ایسی حرکت ہوتی ہے تو معاف کرتی ہوں۔ لے۔ میں نے اپنی حقیقت ابتدا سے انتہا تک کہہ سنائی۔ اب بھی دل میں کچھ اور ہوس باقی ہے؟ جیسے میں نے تیری خاطر کر کے تیرے کہنے کو سب طرح قبول کیا۔ تو بھی میرا فرمانا اسی صورت سے عمل میں لا۔ صلاح وقت یہ ہے کہ اب اس شہر میں رہنا میرے اور تیرے حق میں بھلا نہیں۔ آگے تو مختار ہے،،۔

یا معبود اللہ! شہزادی اتنا فرما کر چپ رہی۔ فقیر تو دل و جان سے اسکے حکم کو سب چیز پر مقدم جانتا تھا۔ اور اسکی محبت کے جال میں پھنسا تھا۔ بولا۔ ،،جو مرضی مبارک میں آوے سو بہتر ہے۔

یہ فدوی بے عذر بجا لاویگا''۔ جب شہزادی نے میرے تئیں فرمانبردار و خدمتگار اپنا پورا سمجھا۔ فرمایا۔ ''دو گھوڑے چالاک اور جانباز (کہ چلنے میں ہوا سے باتیں کریں) بادشاہ کے خاص اصطبل سے منگوا کر تیار رکھ''۔ میں نے ویسے ہی، پریزاد چار گردے کے گھوڑے چنکر زین بندھوا کر منگوائے۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہی۔ بادشاہ زادی مردانہ لباس پہن اور پانچوں ہتھیار باندھ کر ایک گھوڑے پر سوار ہوئی۔ اور دوسرے مرکب پر میں مسلح ہو کر چڑھ بیٹھا اور ایک طرف کی راہ لی۔

جب شام تمام ہوئی اور پرچھا ہونے لگا۔ تب ایک پوکھر کے کنارے پہنچے۔ اتر کر منھ ہاتھ دھوئے۔ جلدی جلدی کچھ ناشتہ کرکے پھر سوار ہو کر چلے۔ کبھو ملکہ کچھ کچھ باتیں کرتی۔ اور یوں کہتی۔ کہ ''ہم نے تیری خاطر شرم حیا ملک مال ما باپ سب چھوڑا۔ ایسا نہ ہو کہ تو بھی اس ظالم بیوفا کی طرح سلوک کرے''۔ کدھو میں کچھ احوال ادھر ادھر کا راہ کٹنے کے لئے کہتا۔ اور اس کا بھی جواب دیتا کہ ''پادشاہزادی! سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔ اس پاجی کے نطفے میں کچھ خلل ہوگا جو اس سے ایسی حرکت واقع ہوئی۔ اور میں نے تو جان و مال تم پر تصدق کیا۔ اور تم نے مجھے ہر طرح سرفرازی بخشی۔ اب میں بندہ بغیر داموں کا ہوں۔ میرے چمڑے کی اگر جوتیاں بنوا کر پہنو۔ تو میں آہ نہ کروں''۔ ایسی ایسی باتیں باہم ہوتی تھیں۔ اور رات دن چلنے سے کام تھا۔ کبھو جو ماندگی کے سبب کہیں اترتے۔ تو جنگل کے چرند و پرند شکار کرتے۔ حلال کرکے نمکدان سے لون نکال، چکمک سے آگ جھاڑ بھون بھان کر کھا لیتے۔ اور

گھوڑوں کو چھوڑ دیتے - وے اپنے منھ سے گھاس پات چر چگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے-

ایک روز ایسے کف دست میدان میں جا نکلے کہ جہاں بستی کا نام نہ تھا- اور آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی- اس پر بھی پادشاہزادی کی رفاقت کے سبب سے دن عید اور رات شب برات معلوم ہوتی تھی- جاتے جاتے انچت ایک دریا (کہ جسکے دیکھنے سے کلیجا پانی ہو) راہ میں ملا- کنارے پر کھڑے ہو کر جو دیکھا تو جہاں تلک نگاہ نے کام کیا- پانی ھی تھا- کچھ تھل بیڑا نہ پایا- یا الہی! اب اس سمندر سے کیونکر پار اتریں! ایکدم اسی سوچ میں کھڑے رہے- آخر یہ دل میں لہر آئی- کہ ملکہ کو یہیں بٹھا کر میں تلاش میں ناؤ نواڑے کی جاؤں- جب تلک اسباب گذارے کا ھاتھ آوے- تب تلک وہ نازنین بھی آرام پاوے- تب میں نے کہا- ’’اے ملکہ! اگر حکم ہو تو گھاٹ باٹ اس دریا کا دیکھوں-‘‘ فرمانے لگی ’’میں بہت تھک گئی ہوں- اور بھوکی پیاسی ہورھی ہوں- میں ذرا دم لے لوں جب تئیں تو پار چلنے کی کچھ تدبیر کر‘‘-

اس جگہ ایک درخت پیپل کا تھا- بڑا- چھتر باندھے ہوئے- کہ اگر ہزار سوار آوے تو دھوپ اور مینھ میں اسکے تلے آرام پاوے- وھاں اسکو بٹھا کر میں چلا- اور چاروں طرف دیکھتا تھا کہ کہیں بھی زمین پر یا دریا میں نشان انسان کا پاؤں- بہتیرا سر مارا پر کہیں نہ پایا- آخر مایوس ہو کر وھاں سے پھر آیا- تو اس پری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا- اس وقت کی حالت کیا کہوں کہ سرت

جاتی رہی ۔ دیوانہ باؤلا ہوگیا ۔ کبھو درخت پر چڑھ جاتا۔ اور ڈال ڈال پات پات پھرتا۔ کبھو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین میں گرتا۔ اور اس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدق ہوتا ۔ کدھو چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر روتا ۔ کبھو پچھم سے پورب کو دوڑا جاتا۔ کدھو اتر سے دکھن کو پھر آتا ۔ غرض بہتیری خاک چھانی لیکن اس گوھر نایاب کی نشانی نہ پائی ۔ جب میرا کچھ بس نہ چلا تب روتا اور خاک سر پر اڑاتا ہوا تلاش ھر کہیں کرنے لگا۔

دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی جن اس پری کو اٹھاکر لیگیا ۔ اور مجھے یہ داغ دیگیا ۔ یا اسکے ملک سے کوئی اس کے پیچھے لگا چلا آیا تھا ۔ اسوقت اکیلا پاکر منا منو کر پھر شام کی طرف لے ابھرا ۔ ایسے خیالوں میں گھبرا کر کپڑے و پڑے پھینک پھانک دئے۔ ننگا منگا فقیر بنکر شام کے ملک میں صبح سے شام تک ڈھونڈھتا پھرتا رہا ۔ اور رات کو کہیں پڑ رہتا ۔ سارا جہان روند مارا ۔ پر اپنی بادشاھزادی کا نام و نشان کسی سے نہ سنا ۔ نہ سبب غائب ہونے کا معلوم ہوا ۔ تب دل میں یہ آیا کہ جب اس جان کا تونے کچھ پتہ نہ پایا ۔ تو اب جینا بھی حیف ھے ۔ کسی جنگل میں ایک پہاڑ نظر آیا ۔ تب اسپر چڑھ گیا ۔ اور یہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرا دوں۔ کہ ایک دم میں سر منھ پتھروں سے ٹکراتے ٹکراتے پھوٹ جاویگا، تو ایسی مصیبت سے جی چھوٹ جاویگا۔

یہہ دل میں کہکر چاھتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں ۔ بلکہ پاؤں بھی اٹھ چکے تھے ۔ کہ کسو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ۔ اتنے میں ہوش آگیا ۔ دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش منھ پر

نقاب ڈالے مجھے فرماتا ہے۔ کہ ''کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے؟ خدا کے فضل سے ناامید ہونا کفر ہے۔ جب تلک سانس ہے۔ تب تلک آس ہے۔ اب تھوڑے دنوں میں روم کے ملک میں تین درویش تجھ سے دکھی ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے تجھسے ملاقات کرینگے۔ اور وہاں کے پادشاہ کا آزاد بخت نام ہے۔ اسکو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے۔ جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملیگا۔ تو ہر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ہے بہ خوبی حاصل ہوگی،،۔

میں نے رکاب پکڑ کر بوسا دیا۔ اور کہا۔ '' اے خدا کے ولی! تمہارے اتنے ہی فرمانے سے میرے دل پر اضطرار کو تسلی ہوئی۔ لیکن خدا کے واسطے یہ فرمائیے کہ آپ کون ہیں اور اسم شریف کیا ہے؟،، تب انھوں نے فرمایا کہ ''مرتضٰی علی میرا نام ہے۔اور میرا یہی کام ہے۔ کہ جسکو جو مشکل کٹھن پیش آوے۔ تو میں اسکو آسان کردوں۔،، اتنا فرما کر نظروں سے پوشیدہ ہوگئے۔ بارے اس فقیر نے اپنے مولا مشکل کشا کی بشارت سے خاطر جمع کر قصد قسطنطنیہ کا کیا۔ راہ میں جو کچھ مصیبتیں قسمت میں لکھی تھیں، کھینچتا ہوا اس پادشاہزادی کی ملاقات کے بھروسے خدا کے فضل سے یہاں تک آ پہنچا۔ اور اپنی خوش نصیبی سے تمہاری خدمت میں مشرف ہوا۔ ہماری تماری آپس میں ملاقات تو ہوئی۔ باہم صحبت اور بات چیت میسر آئی۔ اب چاہئے کہ پادشاہ آزاد بخت سے بھی روشناس، اور جان پہچان ہو۔

بعد اسکے مقرر ہم پانچوں اپنے مقصد دلی کو پہنچینگے۔ تم بھی دعا مانگو اور آمین کہو۔ یا ہادی! اس حیران سرگردان کی

سیر پہلے درویش کی

سرگذشت یہ تھی۔جو حضوری میں درویشوں کی کہہ سنائی ۔ اب آگے دیکھئے کہ کب یہ محنت اور غم ہمارا ۔ پادشاہزادی کے ملنے سے خوشی و خرمی سے بدل ہو۔،، آزاد بخت ایک کونے میں چھپا ہوا چپکا دھیان لگائے پہلے درویش کا ماجرا سنکر خوش ہوا۔ پھر دوسرے درویش کی حقیقت کو سننے لگا۔

سیر دوسرے درویش کی

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی۔وہ چار زانو ہو بیٹھا اور بولا۔

'' اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سنو
میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا سنو

جسکا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم
ہیگا ہمارا درد نپٹ لا دوا سنو

اے دلق پوشو! یہ عاجز پادشاہزادہ فارس کے ملک کا ہے۔ ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اصفہان نصف جہان مشہور ہے۔ ہفت اقلیم میں اس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں۔ کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے۔اور وہ ساتوں کواکب میں نیر اعظم ہے۔ آب وہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع اور صاحب سلیقہ ہوتے ہیں۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو پادشاہ اس ملک کے تھے) لڑکپن سے قاعدے اور قانون سلطنت کے تربیت کرنے کے واسطے بڑے بڑے دانا استاد ہر ایک علم اور کسب کے چنکر میری اتالیقی کے لئے مقرر کئے تھے۔تو تعلیم کامل ہر نوع کی پا کر قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفتگو معقول نشست و برخاست پسندیدہ اور جو کچھ بادشاہوں کو لائق اور

درکار ہے سب حاصل کیا۔اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصے ہر ایک ملک کے اور احوال الوالعزم پادشاہوں اور نام آوروں کا سنا کروں۔

ایک روز ایک مصاحب دانا نے کہ خوب تواریخ دان اور جہاں دیدہ تھا مذکور کیا کہ ''اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں - لیکن اکثر وصف ایسے ہیں کہ ان کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زبانوں پر بخوبی چلا جائیگا ۔،، میں نے کہا۔ ''اگر تھوڑا سا احوال اسکا مفصل بیان کرو تو میں بھی سنوں۔اور اسپر عمل کروں۔،، تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے کہنے لگا۔کہ ''حاتم کے وقت میں ایک پادشاہ عرب کا نوفل نام تھا - اسکو حاتم کے ساتھ بسبب نام آوری کے دشمنی کمال ہوئی - بہت سا لشکر فوج جمع کر کر لڑائی کی خاطر چڑھ آیا - حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا۔یہ سمجھا کہ اگر میں بھی جنگ کی تیاری کروں۔تو خدا کے بندے مارے جائینگے۔اور بڑی خون ریزی ہوگی - اسکا عذاب میرے نام لکھا جائے گا - یہ بات سوچ کر تن تنہا اپنی جان لیکر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا - جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی سب اسباب گھر بار حاتم کا قرق کیا۔اور منادی کروا دی۔کہ ''جو کوئی ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پکڑ لاوے۔ پان سے اشرفی پادشاہ کے سرکار سے انعام پاوے،، - یہ سنکر سب کو لالچ آیا اور جستجو حاتم کی کرنے لگے۔

ایک دن ایک بوڑھا اور اسکی بڑھیا دو تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ لئے ہوئے لکڑیاں توڑنے کے واسطے اس غار کے پاس جہاں

حاتم پوشیدہ تھا پہنچے-اور لکڑیاں اس جنگل سے چننے لگے - بڑھیا بولی کہ ''اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے - تو حاتم کو کہیں ہم دیکھ پاتے - اور اسکو پکڑ کر نوفل کے پاس لیجاتے-تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا- اور ہم آرام سے کھاتے- اس دکھ دھندے سے چھوٹ جاتے،، - بوڑھے نے کہا ''کیا ٹرٹر کرتی ہے- ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے- کہ روز لکڑیاں توڑیں - اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں-تب لون روٹی میسر آوے-یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے - لے اپنا کام کر-ہمارے ھاتھ حاتم کاھے کو آویگا - اور پادشاہ اتنے روپے دلاویگا ؟،، عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی-

یے دونوں کی باتیں حاتم نے سنیں-مردمی اور مروت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بیچاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے - سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں-اور جسکے جی میں درد نہیں وہ قصائی ہے-

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

غرض حاتم کی جوانمردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سنکر چپکا ہورہے - وونھی باھر نکل آیا اور اس بوڑھے سے کہا- کہ ''اے عزیز حاتم میں ھوں - میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل- وہ مجھے دیکھیگا اور جو کچھ روپے دینے کا قرار کیا ہے- تجھے دیویگا،، - پیر مرد نے کہا ''سچ ہے کہ اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتہ ہے- لیکن وہ کیا جانے تجھسے کیا سلوک کرے؟

اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھسے ہرگز نہ ہوسکیگا کہ تجھکو اپنی طمع کی خاطر دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کئے دن کھاؤنگا۔ اور کب تک جیونگا؟ آخر مر جاؤنگا تب خدا کو کیا جواب دونگا؟،، حاتم نے بہتیری منت کی کہ ''مجھے لیچل۔ میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں۔ اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں۔ کہ میرا جان و مال کسو کے کام آوے، تو بہتر ہے،،۔ لیکن وہ بوڑھا کسی طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لیجاوے۔ اور انعام پاوے۔ آخر لاچار ہوکر حاتم نے کہا ''اگر تو مجھے یوں نہیں لیجاتا۔تو میں آپ سے آپ پادشاہ پاس جاکر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا،،۔ وہ بوڑھا ہنسا اور بولا۔ ''بھلائی کے بدلے برائی ملے۔تو یا نصیب!،، اس رد و بدل کے سوال و جواب میں آدمی اور بھی آ پہنچے۔ بھیڑ لگ گئی۔ انہوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے۔ تو پکڑ لیا۔ اور حاتم کو لے چلے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہولیا۔ جب نوفل کے روبرو لیگئے۔ اس نے پوچھا کہ اسکو کون پکڑ لایا؟ ایک بد ذات سنگدل بولا کہ ''ایسا کام سوائے ہمارے کون کر سکتا ہے؟ یہ فتح ہمارے نام ہے۔ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے،،۔ ایک اور لنترانی والا ڈینگ مارنے لگا کہ ''میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر جنگل سے پکڑ لایا ہوں۔ میری محنت پر نظر کیجئے۔ اور جو قرار ہے سو دیجئے،،۔ اسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا کہ یہ کام مجھسے ہوا۔ وہ بوڑھا چپکا ایک کونے میں لگا ہوا سب کی شیخیاں سن رہا تھا۔ اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا۔ جب اپنی اپنی دلاوری اور مردانگی

سب کہہ چکے۔ تب حاتم نے پادشاہ سے کہا۔ ''اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے۔ کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے مجھکو لایا ہے۔ اگر قیافہ پہچان جانتے ہو تو دریافت کرو۔ اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول* کیا ہے پورا کرو۔ کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے۔ مرد کو چاہئے جو کہے سو کرے۔ نہیں تو جیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے۔ پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے؟''

نوفل نے اس لکڑھارے بوڑھے کو بلا کر پوچھا۔ کہ ''سچ کہہ اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟'' اور اس بیچارے نے سر سے پاؤں تک جو گذرا تھا راست کہہ سنایا۔ اور کہا کہ '' حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے''۔ نوفل یہ ہمت حاتم کی سنکر متعجب ہوا کہ ''بل بے! تیری سخاوت۔ اپنی جان کا بھی خطرہ نہ کیا''۔ جتنے جھوٹ دعوے حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے۔ حکم کیا کہ ''ان کی ٹنڈیاں کسکر پان سو اشرفی کے بدلے پان پان سے جوتیاں ان کے سر پر لگاؤ کہ ان کی بھی جان نکل پڑے''۔ وونہیں تڑ تڑ پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں سر ان کے گنجے ہوگئے۔ سچ ہے۔ جھوٹ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی گناہ اسکو نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔ اور جھوٹ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹ موٹ بکے جاتے ہیں۔ لیکن آزمائش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

غرض ان سب کو موافق انکے انعام دیکر۔ نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم سے شخص سے (کہ ایک عالم کو اس سے

* ڈنکن کے یہاں قبول ہے

فیض پہنچتا ہے۔اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا۔اور خدا کی راہ میں سر تا پا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اسکا مدعی ہونا مرد آدمیت اور جوانمردی سے بعید ہے۔ وونہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اورگرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا۔ ”کیوں نہ ہو۔ جب ایسے ہو تب ایسے ہو“۔ تواضع تعظیم کرکر پاس بٹھلایا اور حاتم کا ملک و املاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا۔ وونہیں چھوڑ دیا۔ نئے سر سے سرداری قبیلہ‘ طے کی اسے دی۔ اور اس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوا دیں۔ وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے تمام سنا۔ جی میں غیرت آئی۔ اور یہ خیال گذرا کہ حاتم اپنے قوم کا فقط رئیس تھا۔جن نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تلک مشہور ہے۔ میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں۔اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی الواقع دنیا میں کوئی کام بڑا داد و دہش سے نہیں۔اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دنیا میں دیتا ہے۔ اسکا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے۔ تو اس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے؟ یہ بات دل میں ٹھہرا کر میر عمارت کو بلوا کر حکم کیا کہ ”ایک مکان عالیشان جسکے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں باہر شہر کے جلد بنواؤ“۔ تھوڑے عرصے میں ویسی ہی عمارت وسیع جیسا دل چاہتا تھا۔بنکر تیار ہوئی۔اور اس مکان میں ہر روزہر وقت فجر سے شام تک محتاجوں اور بے کسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دیتا۔ اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا۔ میں اسے مالامال کرتا۔

غرض چالیسوں دروازے سے حاجتمند آتے۔ اور جو چاہتے سو لیجاتے۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے۔ کہ ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا۔ اور سوال کیا۔ میں نے اسے ایک اشرفی دی۔ پھر وہی دوسرے دروازے سے ہو کر آیا۔ دو اشرفیاں مانگیں۔ میں نے پہچان کر درگذر کی اور دیں۔ اسی طرح اسنے ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا۔ اور میں بھی جان بوجھکر انجان ہوا۔ اور اسکے سوال کے موافق دیا کیا۔ آخر چالیسویں دروازے کی راہ سے آکر چالیس اشرفیاں مانگیں۔ وہ بھی میں نے دلوادیں۔ اتنا کچھ لیکر وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت برا معلوم ہوا۔ میں نے کہا ”سن اے لالچی! تو کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں؟ فقیر کا عمل ان پر چاہئے“۔ فقیر بولا ”بھلا داتا! تمھیں بتاؤ“۔ میں نے کہا ”ف سے فاقہ۔ ق سے قناعت۔ ر سے ریاضت نکلتی ہے۔ جسمیں یے باتیں نہ ہوں وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے ملا ہے اسکو کھا پی کر پھر آئیو اور جو مانگیگا لیجائیو۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے۔ نہ جمع کرنے کے لئے۔ اے حریص! چالیس دروازوں سے تونے ایک اشرفی سے چالیس اشرفیوں تک لیں۔ اس کا حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفیاں ہوئیں۔ اور اسپر بھی تجھے حرص، پھر پہلے دروازے سے لے آئی۔ اتنا مال جمع کرکر کیا کریگا؟ فقیر کو چاہئے کہ ایک روز کی فکر کرے۔ دوسرے دن پھر نئی روزی رزاق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ۔ اور صبر و قناعت کو کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے؟“

یہ میری بات سنکر خفا اور بد دماغ ہوا۔اور جتنا مجھسے لیکر جمع کیا تھا۔ سب زمین پر ڈال دیا اور بولا۔ ”بس بابا! اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لیکر رکھ چھوڑو۔ پھر سخاوت کا نام نہ لیجو۔ سخی ہونا بہت مشکل ہے۔تم سخاوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی دلی دور ہے۔ سخی کے بھی تین حرف ہیں۔ پہلے ان پر عمل کرو۔ تب سخی کہلاؤ“۔ تب تو میں ڈرا اور کہا۔”بھلا دانا! اسکے معنی مجھے سمجھاؤ“۔ کہنے لگا۔ ”س سے سمائی۔ اور خ سے خوف الہی۔ اور ی سے یاد رکھنا اپنی پیدائش اور مرنے کو۔ جب تلک اتنا نہ ہولے تو سخاوت کا نام نہ لے۔ اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو۔تو بھی دوست خدا کا ہے۔ اس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے۔ لیکن سوائے بصرے کے پادشاہزادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے۔ اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے“۔ یہ سنکر میں نے بہت منت کی۔ اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہئے سو لو۔ میرا دیا ہرگز نہ لیا۔ اور یہ بات کہتا ہوا چلا۔ ”اب اگر اپنی ساری پادشاہت مجھے دے تو اسپر بھی نہ تھوکوں۔ اور نہ دھار* ماروں“۔ وہ تو چلا گیا پر بصرے کی بادشاہزادی کی یہ تعریف سننے سے دل بیکل ہوا، کسی طرح کل نہ تھی۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کسو صورت سے بصرے چلکر اسکو دیکھا چاہئے—

اس عرصے میں بادشاہ نے وفات پائی۔ اور تخت پر میں بیٹھا۔ سلطنت ملی پر وہ خیال نہ گیا۔ وزیر اور امیروں سے (جو پائے

---

* ڈنکن کے یہاں دھر ہے—

تخت سلطنت کے اور ارکان مملکت کے تھے) مشورت کی کہ سفر بصرے کا کیا چاہتا ہوں۔ تم اپنے کام میں مستعد رہو۔ اگر زندگی ہے تو سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے۔ جلد پھر آتا ہوں۔ کوئی میرے جانے پر راضی نہ ہوا۔ لاچار دل تو اداس ہو رہا تھا۔ ایک دن بغیر سب کے کہے سنے، چپکے وزیر با تدبیر کو بلا کر مختار اور وکیل مطلق اپنا کیا۔ اور سلطنت کا مدارالمہام بنایا۔ پھر میں نے گیروا بستر پہن فقیری بھیس کر۔ اکیلے راہ بصرے کی لی۔ تھوڑے دنوں میں اس کی سرحد میں جا پہنچا۔ تب سے یہ تماشا دیکھنے لگا۔ کہ جہاں رات کو جاکر مقام کرتا۔ نوکر چاکر اسی ملکہ کے استقبال کرکر ایک مکان معقول میں اتارتے۔ اور جتنا لوازمہ ضیافت کا ہوتا ہے، بخوبی موجود کرتے۔ اور خدمت میں دست بستہ تمام رات حاضر رہتے۔ دوسرے دن دوسری منزل میں یہی صورت پیش آتی۔ اس آرام سے مہینوں کی راہ طے کی۔ آخر بصرے میں داخل ہوا۔ وونہیں ایک جوان شکیل خوش لباس نیک خو صاحب مروت (کہ دانائی اسکے قیافے سے ظاہر تھی) میرے پاس آیا اور نپٹ شیریں زبانی سے کہنے لگا۔ کہ ”میں فقیروں کا خادم ہوں۔ ہمیشہ اسی تلاش میں رہتا ہوں کہ جو کوئی مسافر فقیر یا دنیادار اس شہر میں آوے۔ میرے گھر میں قدم رنجہ فرماوے۔ سوائے ایک مکان کے یہاں اور بدیسی کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ آپ تشریف لے چلئے اور اس مقام کو زینت بخشئے اور مجھے سرفراز کیجئے۔“

فقیر نے پوچھا۔ ”صاحب کا اسم شریف کیا ہے؟“ بولا ”اس گمنام کا نام بیدار بخت کہتے ہیں“۔ اسکی خوبی اور تملق دیکھکر یہ عاجز اسکے ساتھ چلا۔ اور اسکے مکان میں گیا۔ دیکھا تو ایک

عمارت عالی لوازم شاہانہ سے تیار ہے ۔ ایک دالان میں اس نے لیجا کر بٹھایا اور گرم پانی منگوا کر ہاتھ پاؤں دھلوائے۔ اور دستر خوان بچھوا کر مجھ تن تنہا کے روبرو بکاول نے ایک تورے کا تورا چن دیا ۔ چار مشقاب ۔ ایک میں یخنی پلاؤ دوسری میں قورما پلاؤ تیسری میں متنجن پلاؤ اور چوتھی میں کوکو پلاؤ ۔ اور ایک قاب زردے کی اور کئی طرح کے قلئے ۔ دوپیازہ ۔ نرگسی ۔ بادامی ۔ روغن جوش ۔ اور روٹیاں کئی قسم کی ۔ باقرخانی، تنکی، شیرمال، گاؤدیدہ، گاؤزبان، نان نعمت، پراٹھے ۔ اور کباب کوفتے کے، تکے کے، مرغ کے ، خاگینہ، ملغوبہ، شبدیگ، دم پخت، حلیم، ہریسا، سموسے ورق، قبولی ، فیرنی، شیر برنج، ملائی، حلوہ، فالودہ، پن بھتا، نمش ، آبشورہ، ساق عروس، لوزیات، مربا، اچاردان، دھی کی قلفیاں ۔ یہ نعمتیں دیکھکر روح بھر گئی ۔ جب ایک ایک نوالا ہر ایک سے لیا پیٹ بھی بھر گیا ۔ تب ہاتھ کھانے سے کھینچا ۔

وہ شخص مجوز ہوا کہ ”صاحب نے کیا کھایا؟ کھانا تو سب امانت دھرا ہے ۔ بے تکلف اور نوش جان فرمائیے“ ۔ میں نے کہا ”کھانے میں شرم کیا ہے؟ خدا تمھارا خانہ آباد رکھے ۔ جو کچھ میرے پیٹ میں سمایا سو میں نے کھایا ۔ اور ذائقے کی اسکے کیا تعریف کروں! کہ اب تک زبان چاٹتا ہوں ۔ اور جو ڈکار آتی ہے سو معطر ۔ لو اب مزید کرو“ ۔ جب دستر خوان اٹھا زیر انداز، کاشانی مخمل کا مقیشی بچھا کر چلمچی، آفتابہ طلائی لا کر بیسن دان میں سے خوشبو بیسن دیکر گرم پانی سے میرے ہاتھ دھلائے ۔ پھر پاندان جڑاؤ میں گلوریاں سونے کی پکھروٹوں میں بندھی ہوئیں، اور چوگھروں میں کھلوریاں اور چکنی سپیاریاں اور لونگ الائچیاں

روپے کے ورقوں میں مڑھی ہوئیں، لاکر رکھیں - جب میں پانی پینے کو مانگتا تب صراحی برف میں لگی ہوئی آبدار لے آتا - جب شام ہوئی - فانوسوں میں کافوری شمعیں روشن ہوئیں - وہ عزیز بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا۔ جب پہر رات گئی۔ بولا "اب اس چھپر کھٹ میں (کہ جسکے آگے دلدا پیش گیر کھڑا ہے) آرام کیجئے۔" فقیر نے کہا "اے صاحب! ہم فقیروں کو ایک بوریا یا مرگ چھالا بستر کے لئے بہت ہے۔یہ خدا نے تم دنیا داروں کے واسطے بنایا ہے"۔

کہنے لگا۔"یہ سب اسباب درویشوں کی خاطر ہے۔ کچھ میرا مال نہیں۔" اسکے بجد ہونے سے ان بچھونوں پر (کہ پھولوں کی سیج سے بھی نرم تھے) جا کر لیٹا - دونوں پٹیوں کی طرف گلدان اور چنگیریں پھولوں کی چنی ہوئیں۔ اور عود سوز اور لخلخے روشن تھے۔ جیدھر کی کروٹ لیتا - دماغ معطر ہوجاتا - اس عالم میں سو رہا - جب صبح ہوئی ناشتے کو بھی بادام، پستے، انگور، انجیر، ناشپاتی، انار، کشمش، چھہارے اور میوے کا شربت لا حاضر کیا - اسی طور سے تین دن رات رہا۔ چوتھے روز میں نے رخصت مانگی - ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا - "شاید اس گنہگار سے صاحب کی خدمتگاری میں کچھ قصور ہوا کہ جسکے باعث مزاج تمہارا مکدر ہوا!" میں نے حیران ہو کر کہا۔ "برائے خدا یہ کیا مذکور ہے؟ لیکن مہانی کی شرط تین دن تلک ہے۔ سو میں رہا۔ زیادہ رہنا خوب نہیں۔ اور علاوہ یہ فقیر واسطے سیر کے نکلا ہے۔ اگر ایک ہی جگہ رہ جاوے تو مناسب نہیں۔ اسلئے اجازت چاہتا ہے۔ نہیں تو تمہاری خوبیاں ایسی نہیں کہ جدا ہونے کو جی چاہے"۔

تب وہ بولا ''جیسی مرضی - لیکن ایک ساعت توقف کیجئے کہ بادشاھزادی کے حضور میں جا کر عرض کروں۔ اور جو تم جایا چاھتے ھو۔ تو جو کچھ اسباب اوڑھنے بچھانے کا اور کھانے کے باسن روپے سونے کے اور جڑاؤ کے اس مہمان خانے میں ھیں یہ سب تمھارا مال ھے۔ اسکے ساتھ لیجانے کی خاطر جو فرماؤ تدبیر کی جائے -،، میں نے کہا۔ ''لاحول پڑھو۔ ھم فقیر نہ ھوئے، بھاٹ ھوئے۔ اگر یہی حرص دل میں ھوتی تو فقیر کاھے کو ھوتے - دنیاداری کیا بری تھی؟،، اس عزیز نے کہا ''اگر یہ احوال ملکہ سنے تو خدا جانے مجھے اس خدمت سے تغیر کر کر کیا سلوک کرے - اگر تمھیں ایسی ھی بے پروائی ھے تو ان سب کو ایک کوٹھری میں امانت بند کر کر دروازے کو سر بہ مہر کردو۔ پھر جو چاھو سو کیجیو،،—

میں نہ قبول کرتا تھا۔اور وہ بھی نہ مانتا تھا۔لاچار یہی صلاح ٹھہری کہ سب اسباب کو بند کر کر قفل کردیا۔ اور منتظر رخصت کا ھوا - اتنے میں ایک خواجہ سرا معتبر سر پر سر پیچ اور گوش پیچ اور کمر میں بندی باندھے۔ایک عصا سونے کا جڑاؤ ھاتھ میں اور ساتھ اسکے کئی خدمت کار، معقول عہدے لئے ھوئے اس شان و شوکت سے میرے نزدیک آیا - ایسی ایسی مہربانگی اور ملایمت سے گفتگو کرنے لگا کہ جسکا بیان نہیں کرسکتا۔ پھر بولا کہ ''اے میاں! اگر توجہ اور کرم کر کر اس مشتاق کے غریب خانے کو اپنے قدم کی برکت سے رونق بخشو۔ تو بندہ‌نوازی اور غریب پروری سے بعید نہیں —

شاید شہزادی سنے کہ کوئی مسافر یہاں آیا تھا۔ اسکی تواضع مدارات کسو نے نہ کی - وہ یونہیں چلا گیا۔ اس واسطے واللہ‌اعلم

مجھیر کیا آفت لاوے اور کیسی قیامت اٹھاوے۔ بلکہ حرف زندگی پر ھے۔" میں نے ان باتوں کو نہ مانا۔ تب خواہ مخواہ منتیں کرکے میرے تئیں اور ایک حویلی میں (کہ پہلے مکان سے بہتر تھی) لیگیا۔ اسی پہلے میزبان کی مانند تین دن رات دونوں وقت ویسے ھی کھانے۔ اور صبح اور تیسرے پہر شربت۔ اور تفنن کی خاطر میوے کھلائے۔ اور باسن نقرئی و طلائی اور فرش فروش اور اسباب جو کچھ وھاں تھا۔ مجھسے کہنے لگا کہ "ان سب کے تم مالک مختار ھو۔ جو چاھو سو کرو"۔

میں یے باتیں سنکر حیران ھوا۔ اور چاھا کہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے رخصت ھوکر بھاگوں۔ میرے بشرے کو دیکھکر وہ محلی بولا۔ "اے خدا کے بندے! جو تیرا مطلب یا آرزو ھو سو مجھ سے کہہ۔ تو حضور میں ملکہ کے جاکر عرض کروں۔" میں نے کہا۔" میں فقیری کے لباس میں دنیا کا مال کیا مانگوں کہ تم بغیر مانگے دیتے ھو۔ اور میں انکار کرتا ھوں؟" تب وہ کہنے لگا کہ "حرص دنیا کی کسی جی سے نہیں گئی۔ چنانچہ کسوکب نے یہ کبت کہا ھے

नख बिन कटा देखे, सीस भारी जटा देखे, जोगी कन फटा देखे, छार लाये तन में;
मौनी अनबोल देखे, सेवड़ा सिर छोल देखे, करत कलोल देखे, बन खंडी बन में;
वीर देखे, सूर देखे, सब गुनी और कूढ़ देखे, माया के पूर देखे, भूल रहे धन में;
आदि अंत सुखी देखे, जनम ही के दुखी देखे, पर वे न देखे, जिनके लोभ नांहि मन में.

نکھ بِن کٹا دیکھے، سِیس بھاری جٹا دیکھے
جوگی کَن پھٹا دیکھے، چھار لائے تن میں

مَوتی انمول دیکھے ، سیوڑا سر چھول دیکھے
کرت کلول دیکھے بَن کھنڈی بَن میں

بِیر دیکھے سَور دیکھے - سب گنی اور کوڑ دیکھے
مایا کے پُور دیکھے - بھول رہے دَھن میں

ادی انت سُکھی دیکھے، جنم ھی کے دُکھی دیکھے
پر وے نہ دیکھے جنکے لوبھ ناھیں من میں

میں نے یہ سنکر جواب دیا کہ ''یہ سچ ہے۔ پر میں کچھ نہیں چاھتا۔ اگر فرماؤ تو ایک رقعہ سر بہ مہر اپنے مطلب کا لکھ کر دوں۔ جو حضور ملکہ کے پہنچادو۔ تو بڑی مہربانی ہے۔ گویا تمام دنیا کا مال مجھکو دیا۔'' بولا ''بسروچشم۔ کیا مضائقہ۔'' میں نے ایک رقعہ لکھا۔ پہلے شکر خدا کا - پھر احوال کہ یہ بندہ خدا کا کئی روز سے اس شہر میں وارد ہے۔ اور سرکار سے سب طرح کی خبر گیری ہوتی ہے۔ جیسی خوبیاں اور نیک‌نامیاں ملکہ کی سنکر اشتیاق دیکھنے کا ہوا تھا۔ اس سے چار چند پایا - اب حضور کے ارکان دولت یوں کہتے ہیں۔ کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو سو ظاھر کر - اس واسطے بے حجابانہ جو دل کی آرزو ہے سو عرض کرتا ہوں۔ کہ میں دنیا کے مال کا محتاج نہیں۔ اپنے ملک کا میں بھی پادشاہ ہوں - فقط یہاں تلک آنا اور محنت اٹھانا آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا۔ جو تن تنہا اس صورت سے آپہنچا ہوں - اب امید ہے کہ حضور کی توجہ سے یہ خاک نشین مطلب دلی کو پہنچے تو لایق ہے۔ آگے جو مرضیٔ مبارک - لیکن اگر یہ التماس خاکسار کا قبول نہ ہوگا۔ تو اسی طرح خاک چھانتا پھریگا۔ اور اس

جان بیقرار کو آپ کے عشق میں نثار کریگا۔ مجنوں اور فرہاد کے مانند جنگل میں یا پہاڑ پر مر رہے گا۔

یہی مدعا لکھکر اس خوجے کو دیا۔ اس نے بادشاہزادی تلک پہنچایا۔ بعد ایک دم کے پھر آیا اور میرے تئیں بلایا اور اپنے ساتھ محل کی ڈیوڑھی پر لیگیا۔ وہاں جاکر دیکھا تو ایک بوڑھی سی عورت صاحب لیاقت سنہری کرسی پر گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔اور کئی خوجے خدمتگار تکلف کے لباس پہنے ہوئے ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہیں۔ میں اسے مختار کار، جان کر اور دیرینہ سمجھکر دست بسر ہوا۔ اس ماما نے بہت مہربانی سے سلام کیا اور حکم کیا کہ ''آؤ بیٹھو خوب ہوا تم آئے۔ تمھیں نے ملکہ کے اشتیاق کا رقعہ لکھا تھا؟'' میں شرم کھا کر چپ ہو رہا اور سر نیچا کر کے بیٹھا۔

ایک ساعت کے بعد بولی کہ ''اے جوان! پادشاہ زادی نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھکو خاوند کرنے سے عیب نہیں۔ تم نے میری درخواست کی۔ لیکن اپنی بادشاہت کا بیان کرنا اور اس فقیری میں اپنے تئیں پادشاہ سمجھنا اور اس کا غرور کرنا نپٹ بیجا ہے۔ اس واسطے کہ سب آدمی آپس میں فی الحقیقت ایک ہیں لیکن فضیلت دین اسلام کی البتہ ہے۔ اور میں بھی ایک مدت سے شادی کرنے کی آرزو مند ہوں اور جیسے تم دولت دنیا سے بے پروا ہو۔ میرے تئیں بھی حق تعالی نے اتنا مال دیا ہے کہ جسکا کچھ حساب نہیں۔ پر ایک شرط ہے کہ پہلے مہر ادا کر لو۔اور مہر شہزادی کا ایک بات ہے جو تم سے ہوسکے''۔ میں نے کہا۔ ''میں سب طرح حاضر ہوں۔ جان و مال سے دریغ نہیں

کرنے کا۔ وہ بات کیا ہے؟ کہو تو میں سنوں"۔ تب اسنے کہا۔"آج کے دن رہ جاؤ۔ کل تمہیں کہہ دونگی"۔ میں نے خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہو کر باہر آیا۔

دن تو گذرا۔ جب شام ہوئی مجھے ایک خواجہ سرا محل میں بلا کرلیگیا۔ جا کر دیکھا تو اکابر، عالم اور فاضل، صاحب شرع، حاضر ہیں۔ میں بھی اسی جلسے میں جا کر بیٹھا کہ اتنے میں دسترخوان بچھایا گیا۔ اور کھانے اقسام اقسام کے شیریں اور نمکین چنے گئے۔ وے سب کھانے لگے۔ اور مجھے بھی تواضع کر کر شریک کیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی ایک دائی اندر سے آئی اور بولی کہ "بہروز کہاں ہے؟ اسے بلاؤ"۔ یساولوں نے وونہیں حاضر کیا۔ اس کی صورت بہت مرد آدمی کی سی اور بہت سی کنجیاں روپے سونے کی کمر میں اٹکتی ہوئیں۔ سلام علیک کر کر میرے پاس آکر بیٹھا۔ وہی دائی کہنے لگی کہ "اے بہروز! تونے جو کچھ دیکھا ہے۔ مفصل اس کا بیان کر"۔

بہروز نے یہ داستان کہنی شروع کی اور مجھسے مخاطب ہو کر بولا۔"اے عزیز! ہماری بادشاہزادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری کے کام میں متعین ہیں۔ اس میں سے ایک میں بھی ادنا خانہ زاد ہوں۔ ہر ایک ملک کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دیکر رخصت فرماتی ہیں۔ جب وہ وہاں سے پھر آتا ہے تب اس سے اس دیس کا احوال اپنے حضور میں پوچھتی ہیں اور سنتی ہیں۔ ایک بار یہ اتفاق ہوا کہ یہ کمترین تجارت کی خاطر چلا اور شہر نیمروز میں پہنچا۔ وہاں کے باشندوں کو دیکھا تو

سب کا لباس سیاہ ہے۔اور ہر دم نالہ و آہ ہے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر کچھ بڑی مصیبت پڑی ہے۔ اس کا سبب جس سے میں پوچھتا کوئی جواب میرا نہ دیتا۔ اسی حیرت میں کئی روز گذرے۔ ایک دن جونہیں صبح ہوئی۔تمام آدمی چھوٹے بڑے، لڑکے بوڑھے،غریب غنی، شہر کے باہر چلے۔ ایک میدان میں جا کر جمع ہوئے۔اور اس ملک کا پادشاہ بھی سب امیروں کو ساتھ لیکر سوار ہوا۔اور وہاں گیا۔تب سب برابر قطار باندھ کر کھڑے ہوئے۔

میں بھی ان کے درمیان کھڑا تماشا دیکھتا تھا۔پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وے سب کسو کا انتظار کھینچ رہے ہیں۔ ایک گھڑی کے عرصے میں دور سے ایک جوان پریزاد صاحب جمال پندرہ سولہ برس کا سن و سال غل اور شور کرتا ہوا اور کف منہ سے جاری۔ زرد بیل کی سواری۔ ایک ہاتھ میں کچھ لئے مقابل خلق اللہ کے آیا۔ اور اپنے بیل پر سے اترا۔ ایک ہاتھ میں ناتھ اور ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لیکر دو زانو بیٹھا۔ ایک گل اندام، پری چہرہ اسکے ہمراہ تھا۔اسکو اس جوان نے وہ چیز جو ہاتھ میں تھی دی۔ وہ یتیم لیکر ایک سرے سے ہر ایک کو دکھاتا جاتا تھا۔ لیکن یہ حالت تھی کہ جو کوئی دیکھتا تھا۔بے اختیار داڑھ* مار کر روتا تھا۔ اسی طرح سب کو دکھاتا اور رلاتا ہوا سب کے سامنے سے ہو کر اپنے خاوند کے پاس پھر گیا۔

اسکے جاتے ہی وہ جوان اٹھا اور اس غلام کا سر شمشیر سے کاٹ کر اور سوار ہو کر جیدھر سے آیا تھا اودھر کو چلا۔ سب کھڑے

*داڑھ، ڈاڑھ، اور دھاڑ میں اتفاق لغات کا دھاڑ مار کر رونے پر ہے۔

دیکھا کئیے۔ جب نظروں سے غائب ہوا لوگ شہر کی طرف پھرے۔ میں ہر ایک سے اس ماجرے کی حقیقت پوچھتا تھا۔ بلکہ روپیوں کا لالچ دیتا اور خوشامد منت کرتا کہ مجھے ذرا بتادو کہ یہ جوان کون ہے؟ اور اس نے یہ کیا حرکت کی۔ اور کہاں سے آیا۔ اور کہاں گیا؟ ہرگز کسی نے نہ بتلایا اور نہ کچھ میرے خیال میں آیا۔ یہ تعجب دیکھکر جب میں یہاں آیا اور ملکہ کے روبرو اظہار کیا تب سے پادشاهزادی بھی حیران ہو رہی ہے۔ اور اس کی تحقیق کرنے کی خاطر دو دلی ہورھی ہے۔ لہذا مہر اپنا بھی مقرر کیا ہے۔ کہ جو شخص اس عجوبے کی کماحقہ خبر لاوے۔ اس کو پسند فرماوے اور وھی مالک سارے مال کا اور ملکہ کا ہووے۔

یہ ماجرا تم نے سب سنا۔ اپنے دل میں غور کرو۔ اگر تم اس جوان کی خبر لا سکو تو قصد ملک نیم روز کا کرو اور جلد روانہ ہو۔ نہیں تو انکار کر کر اپنے گھر کی راہ لو۔" میں نے جواب دیا کہ "اگر خدا چاھے تو جلد اس کا احوال سر سے پاؤں تک دریافت کر کر پادشاهزادی کے پاس آ پہنچتا ھوں اور کامیاب ھوتا ھوں۔ اور جو میری قسمت بد ہے تو اسکا کچھ علاج نہیں۔ لیکن ملکہ اس قول کا قرار کریں کہ اپنے کہنے سے نہ پھریں۔ اور بالفعل ایک اندیشہ مشکل میرے دل میں خلش کر رہا ہے۔ اگر ملکہ غریب نوازی اور مسافر پروری سے حضور میں بلاویں اور پردے کے باھر بٹھلاویں اور میرا التماس اپنے کانوں سنیں اور اس کا جواب اپنی زبان سے فرماویں۔ تو میری خاطر جمع ہو اور مجھ سے سب کچھ ھوسکے۔" یہ میرے مطلب کی بات اس ماما نے روبرو اس پری پیکر کے عرض کی۔ بارے قدر دانی کی راہ سے حکم کیا کہ انھیں بلالو۔

دائی پھر باہر آئی اور مجھے اپنے ساتھ جس محل میں بادشاہزادی تھی لیگئی - کیا دیکھتا ہوں کہ دو رویہ صف باندھے دست بستہ سہیلیاں اور خواصیں اور آردابیگنیاں، قلماقنیاں، ترکنیاں، حبشنیاں، اذبکنیاں، کشمیرنیاں جواھر میں جڑی عہدے لئے کھڑی ھیں- اندر کا اکھاڑا کہوں یا پریوں کا اتارا؟ بے اختیار ایک آہ بیخودی سے زبان تک آئی اور کلیجہ تھلکنے لگا پر بزور اپنے تئیں تھانبا- ان کو دیکھتا بھالتا اور سیر کرتا ھوا آگے چلا- لیکن پانوٗ سو سو من کے ھوگئے - جسکو دیکھوں پھر یہ نہ جی چاھے کہ آگے جاؤں- ایک طرف چلون پڑی تھی اور مونڈھا جڑاؤ بچھوا رکھا تھا- اور چوکی بھی صندل کی بچھی تھی - دائی نے مجھے بیٹھنے کی اشارت کی- میں مونڈھے پر بیٹھ گیا اور وہ چوکی پر- کہنے لگی- ”لو اب جو کہنا ھے سو جی بھر کر کہو“--

میں نے ملکہ کی خوبیوں کی اور عدل و انصاف داد دھش کی پہلے تعریف کی - پھر کہنے لگا - ”جب سے میں اس ملک کی سرحد میں آیا- ھر ایک منزل میں یہی دیکھا کہ جابجا مسافر خانے اور عمارتیں عالی بنی ھوئی ھیں- اور آدمی ھر ایک عہدے کے تعینات ھیں کہ خبر گیری مسافروں اور محتاجوں کی کرتے ھیں- مجھے بھی تین تین دن ھر ایک مقام میں گذرے - چوتھے روز جب رخصت ھونے لگا تب بھی کسو نے خوشی سے نہ کہا کہ جاؤ- اور جتنا اسباب اس مکان میں تھا شطرنجی - چاندنی- قالینیں- سیتل پاٹی- منگل کوٹی - دیوار گیری - چھت پردے - چلونیں- سائبان - نمگیرے- چھپر کھٹ معہ غلاف - آدقچہ توشک - بالاپوش - سیج بند - چادر- تکئے- تکینی - گل تکئے- مسند - گاؤ تکیہ- دیگ- دیگچے-

پتیلے۔ طباق - رکابی۔ بادیئے۔ تشتری - چمچے - بکاولی۔ کفگیر۔ طعام بخشں۔ سرپوش۔ سینی - خوان پوش۔ تورہ پوش۔ آبخورے۔ بجھرے۔ صراحی۔ لگن۔ پاندان۔ چوگھرے۔ چنگیر۔ گلاب پاش۔ عودسوز۔ آفتابہ۔ چلمچی سب میرے حوالے کئے۔کہ یہ تمھارا مال ہے۔ چاہو اب لیجاؤ۔نہیں تو ایک کوٹھری میں بند کر کر اپنی مہر کرو۔ جب تمھاری خوشی ہوگی پھرتے ہوئے لئے جائیو۔ میں نے یوں ہی کیا۔پر یہ حیرت ہے کہ جب مجھ سے فقیر، تنہا سے، یہ سلوک ہوا۔تو ایسے غریب ہزاروں تمھارے ملکوں میں آتے جاتے ہونگے۔ پس اگر ہر ایک سے یہی مہمانداری کا طور رہتا ہوگا۔تو مبلغ بے حساب خرچ ہوتے ہونگے۔ پس اتنی دولت کہ جسکا یہ صرف ہے کہاں سے آئی اور کیسی ہے؟ اگر گنج قارون ہو تو بھی وفا نہ کرے۔اور ظاہر میں اگر ملکہ کی سلطنت پر نگاہ کیجئے تو اسکی آمد فقط باورچی خانے کے خرچ کو بھی کفایت نہ کرتی ہوگی۔اور خرچوں کا تو کیا ذکر ہے۔ اگر اسکا بیان ملکہ کی زبان سے سنوں۔تو خاطر جمع ہو، قصد ملک نیمروز کا کروں۔ اور جوں توں وہاں جا پہنچوں۔ پھر سب احوال دریافت کرکے ملکہ کی خدمت میں بشرط زندگی بار دگر حاضر ہوں۔اپنے دل کی مراد پاؤں،،۔

یہ سنکر ملکہ نے اپنی زبان سے کہا کہ ،،اے جوان! اگر تجھے آرزو کمال ہے کہ یہ ماہیت دریافت کرے۔تو آج کے دن بھی مقام کر۔شام کو تجھے حضور میں طلب کرکر جو کچھ احوال اس دولت بے زوال کا ہے بے کم و کاست کہا جائےگا۔،، میں یہ تسلی پاکر اپنی استقامت کے مکان پر آکر منتظر تھا کہ کب شام ہو

جو میرا مطلب تمام ہو۔ اتنے میں خواجہ سرا کئی چوگوشے، تورہ پوش پڑے، بھوئیوں کے سر پر دھرے، آکر موجود ہوا اور بولا کہ ''حضور سے آلش خاص عنایت ہوا ہے۔اسکو تناول کرو۔'' جس وقت میرے سامنے کھولے۔ بوباس سے دماغ معطر ہوا اور روح بھر گئی۔ جتنا کھا سکا کھا لیا۔باقی ان سبھوں کو اٹھا دیا اور شکر نعمت کہہ بھیجا۔ بارے جب آفتاب تمام دن کا مسافر تھکا ہوا گرتا پڑتا اپنے محل میں داخل ہوا۔ اور ماہتاب دیوان خانے میں اپنے مصاحبوں کو ساتھ لیکر نکل بیٹھا۔ اسوقت دائی آئی۔ اور مجھ سے کہنے لگی کہ ''چلو بادشاہزادی نے یاد فرمایا ہے''۔

میں اسکے ہمراہ ہو لیا۔ خلوت خاص میں لیگئی۔روشنی کا یہ عالم تھا کہ شب قدر کو وہاں قدر نہ تھی۔اور پادشاہی فرش پر مسند مغرق بچھی۔مرصع کا تکیہ لگا ہوا اور اس پر ایک شمیانہ موتیوں کی جھالر کا جڑاؤ استادوں پر کھڑا ہوا۔اور سامنے مسند کے جواہر کے درخت پھول پات لگے ہوئے (گویا عین مین قدرتی ہیں) سونے کی کیاریوں میں جمے ہوئے۔اور دونوں طرف دست راست اور دست چپ شاگرد پیشے اور مجرائی دست بستہ باادب آنکھیں نیچی کئے ہوئے حاضر تھے۔اور طوائف اور گائنیں سازوں کے سر بنائے منتظر۔ یہ سماں اور یہ تیاری کر و فر کی، دیکھکر عقل ٹھکانے نہ رہی۔ دائی سے پوچھا کہ ''دن کو وہ زیبائش اور رات کو یہ آرایش کہ دن عید اور رات شب برات کہا چاہئے۔بلکہ دنیا میں بادشاہ ہفت اقلیم کو یہ عیش میسر نہ ہوگا۔ ہمیشہ یہی صورت رہتی ہے؟'' دائی کہنے لگی کہ ''ہماری ملکہ کا جتنا کارخانہ تم نے دیکھا۔ یہ سب اسی دستور سے جاری ہیں۔ اس میں ہرگز

خلل نہیں بلکہ افزوں ہے - تم یہاں بیٹھو۔ملکہ دوسرے مکان میں تشریف رکھتی ہیں۔ جا کر خبر کروں“۔

دائی یہ کہکر گئی۔اور انہیں پاؤں پھر آئی - کہ چلو حضور میں - بہ مجرد اس مکان میں جاتے ہی بھیچک رہ گیا۔نہ معلوم ہوا کہ دروازہ کہاں اور دیوار کدھر ہے۔اس واسطے کہ حلبی آئینے قد آدم چاروں طرف لگے۔اور ان کی پردازوں میں ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے - ایک کا عکس ایک میں نظر آتا۔تو یہ معلوم ہوتا کہ جواھر کا سارا مکان ہے - ایک طرف پردہ پڑا تھا۔ اسکے پیچھے ملکہ بیٹھیں تھیں - وہ دائی پردے سے لگ کر بیٹھی اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا۔ تب دائی ملکہ کے فرمانے سے اس طور بیان کرنے لگی کہ ”سن اے جوان دانا! سلطان اس اقلیم کا بڑا پادشاہ تھا۔ان کے گھر میں سات بیٹیاں پیدا ہوئیں - ایک روز پادشاہ نے جشن فرمایا۔یے ساتوں لڑکیاں سولہ سنگار،بارہ ابھرن، بال بال گج موتی پرو کر بادشاہ کے حضور کھڑی تھیں - سلطان کے کچھ جی میں آیا۔تو بیٹیوں کی طرف دیکھکر فرمایا۔”اگر تمہارا باپ بادشاہ نہ ہوتا اور کسی غریب کے گھر تم پیدا ہوتیں۔ تو تمھیں پادشاہزادی اور ملکہ کون کہتا؟ خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتی ہو - تمھاری یہ ساری خوبی میرے دم سے ہے“۔

چھ لڑکیاں ایک زبان ہوکر بولیں کہ ”جہاں پناہ جو فرماتے ہیں بجا ہے۔ اور آپ ھی کی سلامتی سے ہماری بھلائی ہے۔“ لیکن یہ ملکہ جہاں سب بہنوں سے چھوٹی تھیں۔پر عقل و شعور میں اس عمر میں بھی گویا سب سے بڑی تھیں۔ چپکی کھڑی

رهیں۔ اس گفتگو میں بہنوں کی شریک نہ هوئیں۔ اس واسطے کہ یہ کلمہ کفر کا هے۔ پادشاہ نے نظر غضب سے ان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''کیوں بی بی! تم کچھ نہ بولیں۔ اس کا کیا باعث هے؟ تب ملکہ نے دونوں هاتھ اپنے رومال سے باندھ کر عرض کی کہ ''اگر جان کی امان پاؤں اور تقصیر معاف هو تو یہ لونڈی اپنے دل کی بات گذارش کرے۔'' حکم هوا کہ ''کہہ۔ کیا کہتی هے؟'' تب ملکہ نے کہا کہ ''قبلۂ عالم! آپ نے سنا هے کہ سچی بات کڑوی لگتی هے۔ سو اسوقت میں اپنی زندگی سے هاتھ دھو کر عرض کرتی هوں۔ اور جو کچھ میری قسمت میں لکھنے والے نے لکھا هے۔ اسکا مٹانے والا کوئی نہیں۔ کسو طرح نہیں ٹلنے کا۔

خواہ تم پاؤں گھسو یا کہ رکھو سر بہ سجود
بات پیشانی کی جو کچھ هے سو پیش آتی هے

جس بادشاہ علی الاطلاق نے آپ کو بادشاہ بنایا۔ انھیں نے مجھے بھی پادشاهزادی کہلوایا۔ اسکی قدرت کے کارخانے میں کسو کا اختیار نہیں چلتا۔ آپ کی ذات هماری ولیٔ نعمت اور قبلہ و کعبہ هے۔ حضرت کے قدم مبارک کی خاک کو اگر سرمہ کروں تو بجا هے۔ مگر نصیب هر ایک کے ساتھ هیں۔'' پادشاہ یہ سنکر طیش میں آئے۔ اور یہ جواب دل پر سخت گراں معلوم هوا۔ بیزار هو کر فرمایا۔ ''چھوٹا منہ بڑی بات۔ اب اسکی یہی سزا هے کہ گہنا پاتا جو کچھ اسکے هاتھ گلے میں هے اتار لو۔ اور ایک میانے میں چڑھا کر ایسے جنگل میں کہ جہاں نام و نشان آدمی، آدم زاد کا نہ هو۔ پھینک آؤ۔ دیکھیں اسکے نصیبوں میں کیا لکھا هے''۔

بموجب حکم پادشاہ کے اس آدھی رات میں کہ (عین اندھیری تھی) ملکہ کو (جو جونرے بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی) بھوئی لیجا کر ایک میدان میں (کہ وہاں پرندہ پر نہ مارتا۔ انسان کا تو کیا ذکر ہے) چھوڑ کر چلے آئے۔ ملکہ کے دل پر عجب حالت گذرتی تھی کہ ایکدم میں کیا تھا اور کیا ہوگیا؟ پھر اپنے خدا کی جناب میں شکر کرتیں اور کہتیں۔ ”تو ایسا ہی بے نیاز ہے جو چاہا سو کیا۔ اور جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور جو چاہیگا سو کریگا۔ جب تلک نتھنوں میں دم ہے تجھسے ناامید نہیں ہوتی۔“ اسی اندیشے میں آنکھ لگ گئی۔ جس وقت صبح ہونے لگی۔ ملکہ کی آنکھ کھل گئی۔ پکاریں کہ وضو کو پانی لانا۔ پھر ایکبارگی رات کی بات چیت یاد آئی کہ تو کہاں اور یہ بات کہاں؟ یہ کہکر اٹھکر تیمم کیا۔ اور دوگانہ شکر کا پڑھا۔ اے عزیز! ملکہ کی اس حالت کے سننے سے چھاتی پھٹتی ہے۔ اس بھولے بھالے جی سے پوچھا چاہئے کہ کیا کہتا ہوگا۔

غرض اس میانے میں بیٹھی ہوئی خدا سے لو لگائے رہیں تھیں۔ اور یہ کبت اس دم پڑھتی تھیں—

जब दांत न थे तब दूध दियौ, जब दांत दिये कहा अन्न न दै है.
जो जल में थल में पंछी पशु की सुध लेत. सो तेरी भी लै है.
काहेको सोच करे, मन मूरख सोच करे. कछु हाथ न आय है.
जान को देत, अजान को देत, जहान को देत. सो तोकौ भी दै है

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیئے،
جب دانت دیئے کیوں ان نہ دے ہے

جو جل میں تھل میں پنچھی پشو کی
سدھ لیت، سو تیری بھی لے ہے

کاھے کو سوچ کرے، من مورکھ
سوچ کرے کچھ ھاتھ نہ آئے ہے

جان کو دیت، اجان کو دیت، جہان کو دیت،
سو تو کو بھی دے ہے

سچ ہے جب کچھ بن نہیں آتا۔ تب خدا ھی یاد آتا ہے۔ نہیں تو اپنی اپنی تدبیر میں ھر ایک لقمان اور بوعلی سینا ہے۔ اب خدا کے کارخانے کا تماشا سنو۔ اسی طرح تین دن رات صاف گذر گئے کہ ملکہ کے منھ میں ایک کھیل بھی اڑ کر نہ گئی۔ وہ پھول سا بدن سوکھکر کانٹا ھوگیا۔ اور وہ رنگ جو کندن سا دمکتا تھا۔ ھلدی سا بن گیا۔ منھ میں پھیپھڑی بندھ گئی۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ مگر ایک دم اٹک رھا تھا کہ وہ آتا جاتا تھا۔ جب تلک سانس تب تلک آس۔ چوتھے روز صبح کو ایک درویش خضر کی سی صورت نورانی چہرہ، روشن دل آکر پیدا ھوا۔ ملکہ کو اس حالت میں دیکھکر بولا ”اے بیٹی! اگرچہ تیرا باپ پادشاہ ہے لیکن تیری قسمت میں یہ بھی بدا تھا۔ اب اس فقیر بوڑھے کو اپنا خادم سمجھ۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کا رات دن دھیان رکھ، خدا خوب کریگا۔“ اور فقیر کے کچکول میں جو ٹکڑے بھیک کے موجود تھے۔ ملکہ کے روبرو رکھے اور پانی کی تلاش میں پھرنے لگا۔ دیکھے تو ایک کوا تو ہے۔ پر ڈول رسی کہاں۔ جس سے پانی بھرے؟ تھوڑے پتے درخت سے توڑکر دونا بنایا۔ اور اپنی سیلی کھولکر اس میں باندھ کر نکالا۔

اور ملکہ کو کچھ کھلایا پلایا۔ بارےٹک ہوش آیا۔ اس مرد خدا نے بے کس اور بے بس جان کو بہت سی تسلی دی۔خاطر جمع کی۔ اور آپ بھی رونے لگا۔ ملکہ نے جب غمخواری اور دلداری اسکی بے حد دیکھی۔ تب ان کے بھی مزاج کو استقلال ھوا۔ اس روز سے اس پیر مرد نے یہ مقرر کیا کہ صبح کو بھیک مانگنے کے لئے شہر میں نکل جاتا۔ جو ٹکڑا پارچہ پاتا۔ ملکہ کے پاس لے آتا اور کھلاتا۔

اس طور سے تھوڑے روز گذرے۔ ایک دن ملکہ نے تیل سر میں ڈالنے اور کنگھی چوٹی کرنے کا قصد کیا۔ جونہی مباف کھولا۔ چٹلے میں سے ایک موتی کا دانہ گول آب دار نکل پڑا۔ ملکہ نے اس درویش کو دیا اور کہا۔ ”شہر میں سے اسکو بیچ لاؤ۔“ وہ فقیر اس گوھر کو بیچ کر اسکی قیمت پادشاھزادی کے پاس لے آیا۔ تب ملکہ نے حکم کیا کہ ”ایک مکان موافق گذران کے اس جگہ بنواؤ“۔ فقیر نے کہا ”اے بیٹی! نیو دیوار کی کھود کر تھوڑی سی مٹی جمع کرو۔ ایک دن میں پانی لا کر گاڑا* کر کر گھر کی بنیاد درست کر دونگا“۔ ملکہ نے اسکے کہنے سے مٹی کھودنی شروع کی۔ جب ایک گز عمیق گڑھا کھودا گیا۔ زمین کے نیچے سے ایک دروازہ نمود ھوا۔ ملکہ نے اس در کو صاف کیا۔ ایک بڑا گھر جواھر اور اشرفیوں سے معمور نظر آیا۔ ملکہ نے پانچ چار لپ اشرفیوں کی لیکر پھر بند کیا۔ اور مٹی دیکر اوپر سے ھموار کردیا۔ اتنے میں فقیر آیا۔ ملکہ نے فرمایا کہ ”راج اور معمار

---

* گارا۔

کاریگر اور اپنے کام کے استاد اور مزدور جلد دست بلاؤ جو اس مکان پر ایک عمارت پادشاہانہ کہ طاق کسریٰ کا جفت ہو۔ اور قصر نعمان سے سبقت لیجائے۔اور شہر پناہ اور قلعہ اور باغ اور باؤلی اور ایک مسافر خانہ کہ لاثانی ہو۔جلد تیار کریں۔لیکن پہلے نقشہ ان کا ایک کاغذ پر درست کرکے حضور میں لاویں جو پسند کیا جائے،،۔

فقیر نے ایسے ہی کارکن، کارکردہ، ذی ہوش لا کر حاضر کئے۔ موافق فرمانے کے تعمیر عمارت کی ہونے لگی۔ اور نوکر چاکر ہرایک کارخانجات کی خاطر چن چن کر فہمیدہ اور بادیانت ملازم ہونے لگے۔ اس عمارت عالیشان کی تیاری کی خبر رفتہ رفتہ پادشاہ ظل سبحانی کو (جو قبلہ گاہ ملکہ کے تھے) پہنچی۔ سنکر بہت متعجب ہوئے۔ اور ہر ایک سے پوچھا کہ ،،یہ کون شخص ہے جن نے یہ محلات بنانے شروع کئے ہیں؟،، اسکی کیفیت سے کوئی واقف نہ تھا جو عرض کرے۔ سبھوں نے کانوں پر ھاتھ رکھے کہ کوئی غلام نہیں جانتا کہ اس کا بانی کون ہے۔ تب پادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا اور پیغام دیا کہ ،،میں ان مکانوں کے دیکھنے کو آیا چاہتا ہوں۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں کی پادشاہزادی ہو اور کس خاندان سے ہو۔ یہ سب کیفیت دریافت کرنی اپنے تئیں منظور ہے،،۔

جونہی ملکہ نے یہ خوشخبری سنی۔ دل میں بہت شاد ہوکر عرضی لکھی۔ کہ ،،جہاں پناہ سلامت! حضور کے تشریف لانے کی خبر طرف غریب خانے کی سنکر نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ اور سبب حرمت اور عزت اس کمترین کا ہوا۔ زہے طالع اس مکان کے! کہ جہاں قدم مبارک کا نشان پڑے۔ اور وہاں کے رہنے والوں پر دامن

دولت سایہ کرے۔ اور نظر توجہ سے وے دونوں سرفراز ہوویں۔ یہ لونڈی امیدوار ہے کہ کل روز پنجشنبہ روز مبارک ہے۔ اور میرے نزدیک بہتر روز نوروز سے ہے۔ آپ کی ذات مشابہہ آفتاب کے ہے۔ تشریف فرما کر اپنے نور سے اس ذرۂ بے مقدار کو قدر و منزلت بخشئے۔ اور جو کچھ اس عاجزہ سے میسر ہو سکے نوشجان فرمائیے۔ یہ عین غریب نوازی اور مسافر پروری ہے۔ زیادہ حد ادب۔'' اور اس عمدہ کو بھی کچھ تواضع کر کر رخصت کیا۔

پادشاہ نے عرضی پڑھی اور کہلا بھیجا کہ ''ہم نے تمھاری دعوت قبول کی۔ البتہ آوینگے۔'' ملکہ نے نوکروں اور سب کارباریوں کو حکم کیا کہ لوازمہ ضیافت کا ایسے سلیقے سے تیار ہو کہ پادشاہ دیکھکر اور کھاکر بہت محظوظ ہوں۔ اور ادنا اعلا جو پادشاہ کی رکاب میں آویں۔ سب کھا پی کر خوش ہو کر جاویں۔ ملکہ کے فرمانے اور تاکید کرنے سے سب قسم کے کھانے سلونے اور میٹھے اس ذائقہ کے تیار ہوئے کہ اگر باھمن کی بیٹی کھاتی تو کلمہ پڑھتی۔ جب شام ہوئی۔پادشاہ مُنڈے تخت پر سوار ہو کر ملکہ کے مکان کی طرف تشریف لائے۔ ملکہ اپنی خان خواص سہیلیوں کو لیکر استقبال کے واسطے چلیں۔ جوں پادشاہ کے تخت پر نظر پڑی اس آداب سے مجرا شاہانہ کیا کہ یہ قاعدہ دیکھکر پادشاہ کو اور بھی حیرت نے لیا۔ اور اسی انداز سے جلوہ کر کر پادشاہ کو تخت مرصع پر لا بٹھایا۔ ملکہ نے سوا لاکھ روپے کا چبوترہ تیار کروا رکھا تھا۔ اور ایک سو ایک کشتی جواھر اور اشرفی اور پشمینہ اور نوربافی اور ریشمی اور طلابافی اور زردوزی کی لگا رکھی تھی۔ اور دو زنجیر فیل اور دس راس اسپ

عراق اور یمنی مرصع کے، ساز سے تیار کر رکھے تھے۔نذر گذرانے۔ اور آپ دونوں ہاتھ باندھے رو برو کھڑی رہیں۔ پادشاہ نے بہت مہربانی سے فرمایا کہ ''تم کس ملک کی شہزادی ہو۔ اور یہاں کس صورت سے آنا ہوا؟''

ملکہ نے آداب بجالا کر التماس کیا کہ ''یہ لونڈی وہی گنہگار ہے جو غضب سلطانی کے باعث اس جنگل میں پہنچی۔ اور یہ سب تماشے خدا کے ہیں جو آپ دیکھتے ہیں۔'' یہ سنتے ہی پادشاہ کے لہو نے جوش مارا۔اٹھکر محبت سے گلے لگا لیا اور ہاتھ پکڑ کے اپنے تخت کے پاس کرسی بچھواکر حکم بیٹھنے کا کیا۔ لیکن پادشاہ حیران اور متعجب بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ ''پادشاہ بیگم کو کہو کہ پادشاہ زادیوں کو اپنے ساتھ لیکر جلد آویں۔'' جب وے آئیں ما بہنوں نے پہچانا۔ اور گلے ملکر روئیں اور شکر کیا۔ ملکہ نے اپنی والدہ اور چھیئوں ہمشیروں کے روبرو اتنا کچھ نقد اور جواہر رکھا کہ خزانہ تمام عالم کا اسکے پاسنگ میں نہ چڑھے۔ پھر پادشاہ نے سب کو ساتھ بٹھا کر خاصہ نوشجان فرمایا۔

جب تلک جہاں پناہ جیتے رہے۔اسی طرح گذری۔ کبھو کبھو آپ آتے۔ اور کبھی ملکہ کو بھی اپنے ساتھ محلوں میں لیجاتے۔ جب پادشاہ نے رحلت فرمائی۔ سلطنت اس اقلیم کی ملکہ کو پہنچی کہ ان کے سوا دوسرا کوئی لائق اس کام کے نہ تھا۔ اے عزیز! سرگزشت یہ ہے جو تونے سنی۔ پس دولت خداداد کو ہرگز زوال نہیں ہوتا۔ مگر آدمی کی نیت درست چاہئے۔ بلکہ جتنی خرچ کرو اس میں اتنی ہی برکت ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت میں تعجب کرنا

کسی مذھب میں روا نہیں۔" دائی نے یہ بات کہکر کہا کہ "اب اگر قصد وھاں کے جانے کا اور اس خبر لانے کا دل میں مقرر رکھتے ہو۔ تو جلد روانہ ہو۔" میں نے کہا "اسی وقت میں جاتا ہوں۔ اور خدا چاہے تو جلد پھر آتا ہوں۔" آخر رخصت ہو کر اور فضل الٰہی پر نظر رکھکر اس سمت کو چلا۔

برس دن کے عرصے میں ہرج مرج کھینچتا ہوا شہر نیم روز میں جا پہنچا۔ جتنے وھاں کے آدمی ہزاری اور بزاری نظر پڑے۔ سیاہ پوش تھے۔ جیسا احوال سنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کئی دنوں کے بعد چاند رات ہوئی۔ پہلی تاریخ سارے لوگ اس شہر کے چھوٹے بڑے لڑکے بالے امرا پادشاہ عورت مرد ایک میدان میں جمع ہوئے۔ میں بھی اپنی حالت میں حیران سر گردان اس کثرت کے ساتھ اپنے مال ملک سے جدا فقیر کی صورت بنا ہوا کھڑا دیکھتا تھا کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاھر ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک جوان گاؤ سوار منہ میں کف بھرے جوش خروش کرتا ہوا جنگل میں سے باھر نکلا۔ یہ عاجز جو اتنی محنت کرکے اس کے احوال دریافت کرنے کی خاطر گیا تھا۔ دیکھتے ھی اسے حواس باختہ ہو کر حیران کھڑا رہ گیا۔ وہ جوان مرد، قدیم قاعدے پر جو جو کام کرتا تھا کر کر پھر گیا۔ اور خلقت شہر کی شہر کی طرف متوجہ ہوئی۔ جب مجھے ہوش آیا تب میں پچھتایا کہ یہ کیا مجھسے حرکت ہوئی۔ اب مہینے بھر پھر راہ دیکھنی پڑی۔ لاچار سب کے ساتھ چلا آیا۔ اور اس مہینے کو ماہ رمضان کی مانند ایک ایک دن گن کر کاٹا۔ بارے دوسری چاند رات آئی۔ مجھے گویا عید ہوئی۔ غرے کو پھر پادشاہ خلقت سمیت وھیں جا کرا کھٹے ہوئے۔

تب میں نے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ اب کی بار جو ہو سو ہو۔ اپنے تئیں سنبھال کر اس ماجرائے عجیب کو معلوم کیا چاہئے۔

ناگاہ جوان بدستور زرد بیل پر زین باندھے سوار ہو آ پہنچا۔ اور اتر کر دو زانو بیٹھا۔ ایک ہاتھ میں ننگی سیف اور ایک ہاتھ میں بیل کی ناتھ پکڑے۔ اور مرتبان غلام کو دیا۔ غلام ہر ایک کو دکھا کر لیگیا۔ آدمی دیکھکر رونے لگے۔ اس جوان نے مرتبان پھوڑا۔ اور غلام کو ایک تلوار ایسی ماری کہ سر جدا ہو گیا۔ اور سوار ہوکر مڑا۔ میں اسکے پیچھے جلد قدم اٹھاکر چلنے لگا۔ شہر کے آدمیوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا "یہ کیا کرتا ہے۔ کیوں جان بوجھ کر مرتا ہے؟ اگر ایسا ہی تیرا دم ناک میں آیا ہے۔ تو بہتیری طرحیں مرنے کی ہیں۔ مر رہیو۔" ہر چند میں نے منت کی۔ اور زور بھی کیا کہ کسو صورت سے ان کے ہاتھ سے چھوٹوں، چھٹکارا نہ ہوا۔ دو چار آدمی لپٹ گئے اور پکڑے ہوئے بستی کی طرف لے آئے۔ عجب طرح کا قلق پھر مہینے بھر گذرا۔

جب وہ بھی مہینہ تمام ہوا اور سلخ کا دن آیا۔ صبح کو اسی صورت سے سارے عالم کا وہاں ازدحام ہوا۔ میں الگ سب سے نماز کے وقت اٹھکر آگے ہی جنگل میں (جو عین اس جوان کی راہ پر تھا) گھس کر چھپ رہا۔ کہ یہاں تو کوئی میرا مزاحم نہ ہوگا۔ وہ شخص اسی قاعدے سے آیا۔ اور وہی حرکتیں کر کر سوار ہوا اور چلا۔ میں نے اسکا پیچھا کیا اور دوڑتا دھوپتا ساتھ ہولیا۔ اس عزیز نے آہٹ سے معلوم کیا کہ کوئی چلا آتا ہے۔ ایکبارگی باگ موڑ کر ایک نعرہ مارا اور گھرکا۔ تلوار کھینچکر میرے سرپر

آ پہنچا - چاہتا تھا کہ حملہ کرے - میں نے نہایت ادب سے نہڑ کر سلام کیا - اور دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا رہ گیا - وہ قاعدہ دان متکلم ہوا کہ ”اے فقیر! تو ناحق مارا گیا ہوتا پر بچ گیا - تیری حیات کچھ باقی ہے - جا - کہاں آتا ہے؟“ اور جڑاؤ خنجر موتیوں کا اور آویزہ لگا ہوا کمر سے نکالکر میرے آگے پھینکا اور کہا ”اس وقت میرے پاس کچھ نقد موجود نہیں جو تجھے دوں - اسکو پادشاہ پاس لیجا - جو تو مانگیگا ملیگا -“ ایسی ھیبت اور ایسا رعب اس کا مجھپر غالب ہوا کہ نہ بولنے کی قدرت نہ چلنے کی طاقت - منہ میں گھگی بندھ گئی - پاؤں بھاری ہو گئے -

اتنا کہکر وہ غازی مرد نعرہ بھرتا ہوا چلا - میں نے دل میں کہا ہرچہ بادا باد - اب رہ جانا تیرے حق میں براھی - پھر ایسا وقت نہ ملیگا - اپنی جان سے ہاتھ دھو کر میں بھی روانہ ہوا - پھر وہ پھرا - اور بڑے غصے سے ڈانٹا - اور مقرر ارادہ میرے قتل کا کیا - مین نے سر جھکا دیا اور سوگند دی کہ ”اے رستم وقت کے! ایسی ھی ایک سیف مار کہ صاف دو ٹکڑے ہو جاؤں - ایک تسمہ باقی نہ رہے - اور اس حیرانی اور تباھی سی چھوٹ جاؤں - میں نے اپنا خون معاف کیا -“ وہ بولا کہ ”اے شیطان کی صورت! کیوں اپنا خون ناحق میری گردن پر چڑھاتا ھے اور مجھے گنہگار بناتا ھے؟ جا اپنی راہ لے - کیا جان بھاری پڑی ہے؟“ مین نے اس کا کہنا نہ مانا اور قدم آگے دھرا - پھر اس نے دیدہ و دانستہ آنا کانی دی - اور میں پیچھے لگ لیا - جاتے جاتے دو کوس وہ جھاڑ جنگل طے کیا - ایک چار دیواری نظر آئی - وہ جوان دروازے پر گیا - اور ایک نعرۂ مہیب مارا - وہ در آپ سے آپ کھل گیا - وہ اندر پیٹھا - میں

باھر کا باھر کھڑا رہ گیا ۔ الھی اب کیا کروں! حیران تھا ۔ بارے ایک دم کے بعد غلام آیا۔ اور پیغام لایا کہ ''چل تجھے رو برو بلایا ھے ۔ شاید تیرے سرپر اجل کا فرشتہ آیا ھے ۔ کیا تجھے کمبختی لگی تھی!'' میں نے کہا ''زھے نصیب!'' اور بیدھڑک اسکے ساتھ اندر باغ کے گیا۔

آخر ایک مکان میں لیگیا جہاں وہ بیٹھا تھا ۔ میں نے اسے دیکھکر فراشی سلام کیا ۔ اسنے اشارت بیٹھنے کی کی ۔ میں ادب سے دوزانو بیٹھا۔ کیا دیکھتا ھوں ۔ کہ وہ مرد اکیلا ایک مسند پر بیٹھا ھے ۔ اور ھتھیار زرگری کے آگے دھرے ھیں۔ اور ایک جھاڑ زمرد کا تیار کر چکا ھے ۔ جب اسکے اٹھنے کا وقت آیا۔ جتنے غلام اس شہ نشین کے گرد پیش حاضر تھے۔ حجروں میں چھپ گئے۔ میں بھی مارے وسواس کے ایک کوٹھری میں جا گھسا ۔ وہ جوان اٹھکر سب مکانوں کی کنڈیاں چڑھا کر باغ کے کونے کی طرف چلا۔ اور اپنی سواری کے بیل کو مارنے لگا ۔ اسکے چلانے کی آواز میرے کان میں آئی۔ کلیجہ کانپنے لگا۔ لیکن اس ماجرے کے دریافت کرنے کی خاطر یہ سب آفتیں سہیں تھیں ۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولکر ایک درخت کے تنے کی آڑ میں جا کھڑا ھوا اور دیکھنے لگا۔ جوان نے وہ سونٹا جس سے مارتا تھا۔ ھاتھ سے ڈال دیا۔ اور ایک مکان کا قفل کنجی سے کھولا۔ اور اندر گیا ۔ پھر وونھیں باھر نکل کر نر گاؤ کی پیٹھ پر ھاتھ پھیرا ۔ اور منھ چوما اور دانہ گھاس کھلا کر ایدھر کو چلا ۔ میں دیکھتے ھی جلد دوڑ کر پھر کوٹھری میں جا چھپا۔

اس جوان نے زنجیریں سب دروازوں کی کھول دیں۔ سارے غلام

باھر نکلے - زیر انداز اور سلپچی آفتابہ لیکر حاضر ہوئے - وہ وضو کر کر نماز کی خاطر کھڑا ھوا - جب نماز ادا کر چکا پکارا کہ ''وہ درویش کہاں ھے؟'' اپنا نام سنتے ھی میں دوڑ کر رو برو جا کھڑا ھوا - فرمایا ''بیٹھ -'' میں تسلیم کر کر بیٹھا- خاصہ آیا - اس نے تناول فرمایا- مجھے بھی عنایت کیا - میں نے بھی کھایا - جب دسترخوان بڑھایا اور ھاتھ دھوئے غلاموں کو رخصت دی - کہ جا کر سورھو- جب کوئی اس مکان میں نہ رھا-تب مجھسے ھم کلام ھوا اور پوچھا- کہ ''اے عزیز! تجھپر کیا ایسی آفت آئی ھے جو تو اپنی موت کو ڈھونڈھتا پھرتا ھے؟'' میں نے اپنا احوال آغاز سے انجام تک جو کچھ گذرا تھا تفصیل وار بیان کیا- اور کہا- ''آپ کی توجہ سے امید ھے کہ اپنی مراد کو پہنچوں -'' اسنے یہ سنتے ھی ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بیہوش ھوا اور کہنے لگا - ''بار خدایا عشق کے درد سے تیرے سوا کون واقف ھے - جس کی نہ پھٹی ھو بوائی کیا جانے پیر پرائی - اس درد کی قدر جو درد مند ھو - سو جانے-

آفتوں کو عشق کی عاشق سے پوچھا چاھئے
کیا خبر فاسق کو ھے؟ صادق سے پوچھا چاھئے''

بعد ایک لمحے کے ھوش میں آکر ایک آہ جگر سوز بھری - سارا مکان گونج گیا-تب مجھے یقین ھوا کہ یہ بھی اسی عشق کی بلا میں گرفتار ھے - اور اسی مرض کا بیمار ھے - تب تو میں نے دل چلا کر کہا کہ ''میں نے اپنا احوال سب عرض کیا - آپ توجہ فرما کر اپنی سر گذشت سے بندے کو مطلع فرمائیے- تو بہ مقدور اپنے، پہلے تمہارے واسطے سعی کروں - اور دل کا مطلب کوشش کر کر ھاتھ میں لاؤں -'' القصہ وہ عاشق صادق مجھکو اپنا ھمراز

ور ہمدرد جان کر۔ اپنا ماجرا اس صورت سے بیان کرنے لگا۔ کہ ''سن اے عزیز! میں پادشاہ زادۂ جگر سوز اس اقلیم نیم روز کا ہوں۔ پادشاہ یعنی قبلہ گاہ نے میرے پیدا ہونے کے بعد نجومی اور رمال اور پنڈت جمع کئے اور فرمایا کہ ''احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو۔ اور جنم پتری درست کرو۔ اور جو جو کچھ ہونا ہے حقیقت پل پل گھڑی گھڑی اور پہر پہر اور دن دن مہینے مہینے اور برس برس کی مفصل حضور میں عرض کرو۔'' بموجب حکم پادشاہ کے سب نے متفق ہو اپنے اپنے علم کے رو سے ٹھہرا اور سادھ کر التماس کیا۔ کہ ''خدا کے فضل سے ایسی نیک ساعت اور سبھ لگن میں شہزادے کا تولد اور جنم ہوا ہے۔ کہ چاہئے سکندر کی سی بادشاہت کرے۔ اور نوشیرواں سا عادل ہو۔ اور جتنے علم اور ہنر ہیں۔ ان میں کامل ہو۔ اور جس کام کی طرف دل اسکا مائل ہو۔ وہ بخوبی حاصل ہو۔ سخاوت و شجاعت میں ایسا نام پیدا کرے کہ حاتم اور رستم کو لوگ بھول جاویں۔ لیکن چودہ برس تلک سورج اور چاند کے دیکھنے سے ایک بڑا خطرہ نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ وسواس ہے کہ جنونی اور سودائی ہوکر بہت آدمیوں کا خون کرے۔ اور بستی سے گھبراوے اور جنگل میں نکل جاوے۔ اور چرند پرند کے ساتھ دل بہلاوے۔ اس کا تقیّد رہے کہ رات دن آفتاب ماہتاب کو نہ دیکھے۔ بلکہ آسمان کی طرف بھی نگاہ نہ کرنے پاوے۔ جو اتنی مدت خیر و عافیت سے کٹے۔ تو پھر ساری عمر سکھ اور چین سے سلطنت کرے''۔

یہ سنکر پادشاہ نے اسی لئے اس باغ کی بناڈالی۔ اور مکان متعدد ہر ایک نقشے کے بنوائے۔ میرے تئیں تہخانے میں پلنے کا

حکم کیا۔ اور اوپر ایک برج نمدے کا تیار کروایا۔تو دھوپ اور چاندنی اس میں سے نہ چھنے۔ میں دائی دودھ پلائی اور انگا چھوچھو اور کئی خواصوں کے ساتھ اس محافظت سے اس مکان عالیشان میں پرورش پانے لگا۔اور ایک استاد دانا کارآزمودہ واسطے میرے تربیت کے متعین کیا۔تو تعلیم ہر علم اور ہنر کی اور مشق ہفت قلم لکھنے کی کرے۔اور جہاں پناہ ہمیشہ میرے خبر گیراں رہتے۔ دم بدم کی کیفیت روز مرہ حضور میں عرض ہوتی۔ میں اس مکان ہی کو عالم دنیا جان کر کھلونوں اور رنگ برنگ پھولوں سے کھیلا کرتا۔ اور تمام جہان کی نعمتیں کھانے کے واسطے موجود رہتیں۔جو چاہتا سو کھاتا۔ دس برس کی عمر تک جتنی صنعتیں اور قابلیتیں تھیں تحصیل کیں۔

ایک روز اس گنبد کے نیچے روشن دان سے ایک پھول اچنبھے کا نظر پڑا۔ کہ دیکھتے دیکھتے بڑا ہوتا جاتا تھا۔ میں نے چاہا کہ ہاتھ سے پکڑ لوں۔ جوں میں ہاتھ لنبا کرتا تھا وہ اونچا ہو جاتا تھا۔ میں حیران ہوکر اسے تک رہا تھا۔ وونہیں ایک آواز قہقہے کی میرے کان میں آئی۔ میں نے اسکے دیکھنے کو گردن اٹھائی۔ دیکھا تو نمدا چیر کر ایک مکھڑا چاند کا سا نکل رہا ہے۔ دیکھتے ہی اسکے، میرے عقل و ہوش بجا نہ رہے۔ پھر اپنے تئیں سنبھالکر دیکھا تو ایک مرصع کا تخت پریزادوں کے کاندھے پر معلق کھڑا ہے۔ اور ایک تخت نشیں تاج جواہر کا سر پر اور خلعت جھلا بور بدن میں پہنے۔ ہاتھ میں یاقوت کا پیالہ لئے اور شراب پئے ہوئے بیٹھی ہے۔ وہ تخت بلندی سے آہستہ آہستہ نیچے اتر کر اس برج میں آیا۔ تب پری نے مجھے بلایا۔اور اپنے

نزدیک بٹھایا ۔ باتیں پیار کی کرنے لگی ۔ اور منھ سے منھ لگا کر ایک جام شراب، گل گلاب کا میرے تئیں پلایا اور کہا۔ ""آدمی زاد بیوفا ہوتا ہے ۔ لیکن دل ہمارا تجھے چاہتا ہے ۔"" ایک دم میں ایسی ایسی انداز و ناز کی باتیں کیں کہ دل محو ہو گیا ۔ اور ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ زندگانی کا مزہ پایا ۔ اور یہ سمجھا کہ آج تو دنیا میں آیا۔

حاصل یہ ہے کہ میں تو کیا ہوں؟ کسو نے یہ عالم نہ دیکھا ہوگا۔ نہ سنا ہوگا ۔ اس مزے میں خاطر جمع سے ہم دونوں بیٹھے تھے۔ کہ کریال میں غلیلا لگا ۔ اب اس حادثہ' ناگہانی کا ماجرا سن۔ کہ وونہیں چار پریزاد نے آسمان پر سے اتر کر کچھ اس معشوقہ کے کان میں کہا ۔ سنتے ہی اسکا چہرہ تغیر ہو گیا ۔ اور مجھسے بولی کہ ""اے پیارے! دل تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی دم تیرے ساتھ بیٹھکر دل بہلاؤں ۔ اور اسی طرح ہمیشہ آؤں یا تجھے اپنے ساتھ لیجاؤں ۔ پر یہ آسمان دو شخص کو ایک جگہ آرام سے اور خوشی سے رہنے نہیں دیتا ۔ لے۔ جاناں! تیرا خدا نگہبان ہے۔"" یہ سنکر میرے حواس جاتے رہے۔ اور طوطے ہاتھ کے اڑ گئے ۔ میں نے کہا کہ ""اجی اب پھر کب ملاقات ہوگی؟ یہ کیا تم نے غضب کی بات سنائی؟ اگر جلد آؤگی تو مجھے جیتا پاؤگی۔ نہیں تو پچھتاؤگی ۔ یا اپنا ٹھکانا اور نام و نشان بتاؤ کہ میں ہی اس پتے پر ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اپنے تئیں تمھارے پاس پہنچاؤں ۔"" یہ سنکر بولی۔ ""دور پار، شیطان کے کان بہرے۔ تمھاری صد و بیست سالہ کی عمر ہووے ۔ اگر زندگی ہے تو پھر ملاقات ہو رہیگی ۔ میں جنوں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں ۔ اور کوہ قاف میں رہتی ہوں ۔"" یہ

کہکر تخت اٹھایا - اور جسطرح اترا تھا ووہیں بلند ہونے لگا-

جب تلک سامنے تھا - میری اور اسکی چار آنکھیں ہو رہیں تھیں - جب نظروں سے غائب ہوا یہ حالت ہوگئی جیسے پری کا سایہ ہوتا ہے - عجب طرح کی اداسی دل پر چھا گئی - عقل و ہوش رخصت ہوا - دنیا آنکھوں کے تلے اندھیری ہو گئی - حیران پریشان زار زار رونا - اور سر پر خاک اڑانا - کپڑے پھاڑنا - نہ کھانے کی سدھ، نہ بھلے برے کی بدھ-

اس عشق کی بدولت کیا کیا خرابیاں ہیں
دل میں اداسیاں ہیں اور اضطرابیاں ہیں

اس خرابی سے دائی اور معلم خبردار ہوئے - ڈرتے ڈرتے پادشاہ کے روبرو گئے - اور عرض کی - کہ "پادشاہزادۂ عالمیان کا یہ حال ہے - معلوم نہیں خود بخود یہ کیا غضب ٹوٹا جو ان کا آرام اور کھانا پینا سب چھوٹا -" تب پادشاہ وزیر، امرائے صاحب تدبیر اور حکیم حاذق، منجم صادق، ملا، سیانے، خوب درویش، سالک اور مجذوب اپنے ساتھ لیکر اس باغ میں رونق افزا ہوئے - میری بیقراری اور نالہ و زاری دیکھکر ان کی بھی حالت اضطراب کی ہوگئی - آبدیدہ ہوکر بے اختیار گلے سے لگالیا اور اسکی تدبیر کی خاطر حکم کیا - حکیموں نے قوت دل اور خلل دماغ کے واسطے نسخے لکھے - اور ملاؤں نے نقش و تعویذ پلانے اور پاس رکھنے کو دئے - دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگے - اور نجومی بولے کہ "ستاروں کی گردش کی سبب سے یہ صورت پیش آئی ہے - اسکا صدقہ دیجئے -" غرض ہر کوئی اپنے اپنے علم کی باتیں کہتا تھا - پر مجھپر جو گذرتی تھی میرا

دل ہی سہتا تھا۔ کسو کی سعی اور تدبیر میری تقدیر بد کے کام نہ آئی ۔ دن بدن دیوانگی کا زور ہوا۔ اور میرا بدن بے آب و دانہ کمزور ہو چلا ۔ رات دن چلانا اور سر پٹکنا ہی باقی رہا ۔ اس حالت میں تین سال گذرے۔ چوتھے برس ایک سوداگر سیر و سفر کرتا ہوا آیا۔ اور ہر ایک ملک کے تحفہ تحائف عجیب و غریب جہاں پناہ کے حضور میں لایا۔ ملازمت حاصل کی۔

پادشاہ نے بہت توجہ فرمائی اور احوال پرسی اسکی کرکے پوچھا کہ ''تم نے بہت ملک دیکھے۔ کہیں کوئی حکیم کامل بھی نظر پڑا یا کسو سے مذکور اسکا سنا؟'' اس نے التماس کیا کہ ''قبلۂ عالم! غلام نے بہت سیر کی ۔ لیکن ہندوستان میں دریا کے بیچ ایک پہاڑی ہے ۔ وہاں ایک گسائیں جٹادھاری نے بڑا منڈھپ مہادیو کا اور سنگت اور باغ بڑی بہار کا بنایا ہے۔اس میں رہتا ہے ۔ اور اس کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ برسویں دن شیورات کے روز اپنے استھان سے نکلکر دریا میں پیرتا ہے ۔ اور خوشی کرتا ہے ۔ اشنان کے بعد جب اپنے آسن پر جانے لگتا ہے ۔ تب بیمار اور درد مند دیس دیس اور ملک ملک کے جو دور دور سے آتے ہیں دروازے پر جمع ہوتے ہیں ۔ ان کی بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔

وہ مہنت (جسے اس زمانے کا افلاطون کہا چاہئے) قارورہ اور نبض دیکھتا ہوا اور ہر ایک کو نسخہ لکھکر دیتا ہوا چلا جاتا ہے ۔ خدا نے ایسا دست شفا اسکو دیا ہے کہ دوا پیتے ہی اثر ہوتا ہے ۔ اور وہ مرض بالکل جاتا رہتا ہے ۔ یہ ماجرا میں نے بہ چشم خود دیکھا۔اور خدا کی قدرت کو یاد کیا۔ کہ ایسے ایسے

بندے پیدا کئے ہیں - اگر حکم ہو تو شہزادۂ عالمیان کو اسکے پاس لیجاویں - اسکو ایک نظر دکھاویں - امید قوی ہے کہ جلد شفائے کامل ہو- اور ظاہر میں بھی یہ تدبیر اچھی ہے کہ ہ ایک ملک کی ہوا کھانے سے اور جا بجا کے آب و دانے سے مزاج میں فرحت آتی ہے -“ پادشاہ کو اسکی صلاح پسند آئی- اور خوش ہو کرفرمایا - ”بہت بہتر، شاید ہاتھ اسکا راس آوے - اور میرے فرزند کے دل سے وحشت جاوے -“ ایک امیر معتبر جہاں دیدہ کار آزمودہ کو اور اس تاجر کو میری رکاب میں تعینات کیا- اور اسباب ضروری ساتھ کردیا - نواڑے، بجرے، مورپنکھی، پلوار، لچکے، کھیلنے، الاق، پٹیلیوں پر مع سر انجام، سوار کرکر رخصت کیا- منزل منزل چلتے چلتے اس ٹھکانے پر جا پہنچے - نئی ہوا اور نیا دانہ پانی کھانے پینے سے کچھ مزاج ٹھہرا- لیکن خاموشی کا وہی عالم تھا- اور رونے سے کام - دم بدم یاد اس پری کی دل سے بھولتی نہ تھی- اگر کبھو بولتا تو یہ بیت پڑھتا-

نہ جانوں کس پری رو کی نظر ہوئی
ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دل

بارے جب دو تین مہینے گذرے اس پہاڑ پر قریب چار ہزار مریض کے جمع ہوئے- لیکن سب یہی کہتے تھے کہ اب خدا چاہے تو گسائیں اپنے مٹھ سے نکلینگے اور سب کو ان کے فرمانے سے شفا کلی ہوگی - القصہ جس دن وہ دن آیا صبح کو جوگی مانند آفتاب کے نکل آیا- اور دریا میں نہایا اور پیرا- پار جاکر پھر آیا اور بھبھوت بھسم تمام بدن میں لگایا- وہ گورا بدن مانند انگارے کے

راکھ میں چھپایا۔اور ماتھے پر ملاگیر کا ٹیکا دیا۔لنگوٹ باندھ کر انگوچھا کاندھے پر ڈالا۔بالوں کا جوڑا باندھا۔موچھوں پر تاؤ دیکر چڑھواں جوتا اڑایا۔ اسکے چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا اسکے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتی۔ ایک قلمدان بڑاؤ بغل میں لیکر ایک ایک کی طرف دیکھتا اور نسخہ دیتا ہوا میرے نزدیک آ پہنچا۔ جب میری اور اسکی چار نظریں ہوئیں کھڑا رہ کر غور میں گیا۔ اور مجھسے کہنے لگا کہ ”ہمارے ساتھ آؤ۔“ میں ہمراہ ہو لیا۔

جب سب کی نوبت ہوچکی میرے تئیں باغ کے اندر لیگیا۔اور ایک مقطع خوش نقشی خلوت خانے میں مجھے فرمایا کہ ”یہاں تم رہا کرو۔“ اور آپ اپنے استھان میں گیا۔ جب ایک چلا گذرا تو میرے پاس آیا اور آکر آگے کی نسبت مجھے خوش پایا۔تب مسکرا کر فرمایا کہ ”اس باغیچے میں سیر کیا کرو۔جس میوے پر جی چلے کھایا کرو۔“ اور ایک قلفی چینی کی معجون سے بھری ہوئی دی۔ کہ ”اس میں سے چھ ماشے ہمیشہ بلا ناغہ نہار منھ نوش جان فرمایا کرو۔“ یہ کہکر وہ تو چلا گیا۔اور میں نے اسکے کہنے پر عمل کیا۔ ہر روز قوت بدن میں اور فرحت دل کو معلوم ہونے لگی۔ لیکن حضرت عشق کو کچھ اثر نہ کیا۔ اس پری کی صورت نظروں کے آگے پھرتی تھی۔

ایک روز طاق میں ایک جلد کتاب کی نظر آئی۔ اتار کر دیکھا تو سارے علم دین و دنیا کے اس میں جمع کئے تھے۔گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا تھا۔ ہر گھڑی اسکا مطالعہ کیا کرتا۔ علم حکمت اور تسخیر میں نہایت قوت بہم پہنچائی۔ اس عرصے میں

برس دن گذر گیا۔ پھر وہی خوشی کا دن آیا۔ جوگی اپنے آسن پر سے اٹھکر باھر نکلا۔ میں نے سلام کیا۔ ان نے قلمدان مجھے دیکر کہا ''ساتھ چلو۔'' میں بھی ساتھ ہو لیا۔ جب دروازے سے باھر نکلا ایک عالم دعا دینے لگا۔ وہ امیر اور سوداگر مجھے ساتھ دیکھکر گسائیں کے قدموں پر گرے اور ادائے شکر کرنے لگے۔ کہ آپ کی توجہ سے بارے اتنا تو ہوا۔ وہ اپنی عادت پر دریا کے گھاٹ تک گیا۔ اور اشنان پوجا جسطرح ہر سال کرتا تھا، کی۔ پھرتی بار بیماروں کو دیکھتا بھالتا چلا آتا تھا۔

اتفاقاً سودائیوں کے غول میں ایک جوان خوبصورت شکیل کہ ضعف سے کھڑے ہونے کی طاقت اس میں نہ تھی نظر پڑا۔ مجھکو کہا کہ ''اسکو ساتھ لے آؤ۔'' سب کی دارو درمن کر کے جب خلوت خانے میں گیا۔ تھوڑی سی کھوپری اس جوان کی تراش کر۔ چاھا کہ کنکھجورا جو مغز پر بیٹھا تھا زنبور سے اٹھا لیوے۔ میرے خیال میں گذرا۔ اور بول اٹھا۔ کہ ''اگر دست پناہ آگ میں گرم کر کر اسکی پیٹھ پر رکھئیے تو خوب ھے۔ آپ سے آپ نکل آویگا۔ اور جو یوں کھینچئیے گا تو مغز کے گودے کو نہ چھوڑیگا۔ پھر خوف زندگی کو ھے۔'' یہ سنکر میری طرف دیکھا۔ اور چپکا اٹھ باغ کے کونے میں ایک درخت کولے میں پکڑ جٹا کی لٹ کی گلے میں پھانسی لگا کر رہ گیا۔ میں پاس جا کر جو دیکھا تو واہ واہ یہ تو مر گیا! یہ اچنبھا دیکھکر نہایت افسوس ہوا۔ لاچار جی میں آیا اسے گاڑ دوں۔ جوں درخت سے جدا کرنے لگا دو کنجیاں اسکی لٹوں میں سے گر پڑیں۔ میں نے ان کو اٹھا لیا اور اس گنج خوبی کو زمین میں دفن کیا۔ وے دونوں کنجیاں

لیکر سب قفلوں میں لگانے لگا۔ اتفاقاً دو حجرے کے تالے ان تالیوں سے کھلے۔ دیکھا تو زمین سے چھت تلک جواہر بھرا ہوا ہے۔ اور ایک پیٹی مخمل سے مڑھی سونے کے پتر لگی، قفل دی ہوئی ایک طرف دھری ہے۔ اسکو جو کھولا تو ایک کتاب دیکھی کہ اس میں اسم اعظم اور حاضرات جن و پری کی اور روحوں کی ملاقات اور تسخیر آفتاب کی ترکیب لکھی ہے۔

ایسی دولت کے ہاتھ لگنے سے نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ اور ان پر عمل کرنا شروع کیا۔ دروازہ باغ کا کھول دیا۔ اپنے اس امیر کو اور ساتھ والوں کو کہا کہ کشتیاں منگوا کر یہ سب جواہر و نقد و جنس اور کتابیں بار کرلو۔ اور ایک نواڑے پر آپ سوار ہو کر وہاں سے بحر کو روانہ کیا۔ آتے آتے جب نزدیک اپنے ملک کے پہنچا۔ جہاں پناہ کو خبر ہوئی۔ سوار ہو کر استقبال کیا اور اشتیاق سے بے قرار ہو کر کلیجے سے لگالیا۔ میں نے قدم بوسی کر کر کہا کہ ''اس خاکسار کو قدیم باغ میں رہنے کا حکم ہو۔،، بولے کہ ''اے برخوردار! وہ مکان میرے نزدیک منحوس ٹھہرا۔ لہذا اسکی مرمت اور تیاری موقوف کی۔ اب وہ مکان لائق انسان کے نہیں رہا۔ اور جس محل میں جی چاہے اترو۔ بہتر یوں ہے کہ قلعے میں کوئی جگہ پسند کرکے میری آنکھوں کے رو برو رہو۔ اور پائیں باغ جیسا چاہو تیار کروا کر سیر تماشا دیکھا کرو۔،، میں نے بہت ضد اور ہٹ کر کر اس باغ کو نئے سر سے تعمیر کروایا۔ اور بہشت کی مانند آراستہ کر داخل ہوا۔ پھر فراغت سے جنوں کی تسخیر کی خاطر چلے بیٹھا۔ اور ترک حیوانات کر کر حاضرات کرنے لگا۔

جب چالیس دن پورے ہوئے۔ تب آدھی رات کو ایک ایسی

آندھی آئی کہ بڑی بڑی عمارتیں گر پڑیں - اور درخت جڑ پیڑ سے اکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے - اور پریزادوں کا لشکر نمود ہوا - ایک تخت ہوا سے اترا - اسپر ایک شخص شاندار موتیوں کا تاج اور خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا - میں نے دیکھتے ہی بہت مودب ہوکر سلام کیا - اس نے میرا سلام لیا اور کہا کہ ”اے عزیز کیا تونے ناحق دند مچایا؟ ہم سے تجھے کیا مدعا ہے؟“ میں نے التماس کیا کہ ”یہ عاجز بہت مدت سے تمھاری بیٹی پر عاشق ہے - اور اسی لئے کہاں سے کہاں خراب و خستہ ہوا - اور جیتے جی موا - اب زندگی سے بہ تنگ آیا ہوں - اور اپنی جان پر کھیلا ہوں جو یہ کام کیا ہے - اب آپ کی ذات سے امیدوار ہوں کہ مجھ حیران سرگردان کو اپنی توجہ سے سرفراز کرو - اور اسکے دیدار سے زندگی اور آرام بخشو - تو بڑا ثواب ہوگا“ -

یہ میری آرزو سنکر بولا - کہ ”آدمی خاکی اور ہم آتشی - ان دونوں میں موافقت آنی مشکل ہے -“ میں نے قسم کھائی کہ میں ان کے دیکھنے کا مشتاق ہوں - اور کچھ مطلب نہیں - پھر اس تخت نشین نے جواب دیا - کہ ”انسان اپنے قول قرار پر نہیں رہتا - غرض کے وقت سب کچھ کہتا ہے لیکن یاد نہیں رکھتا - یہ بات میں تیرے بھلے کے لئے کہہ سناتا ہوں - کہ اگر تونے کبھو قصد کچھ اور کیا - تو وہ بھی اور تو بھی دونوں خراب خستہ ہونگے - بلکہ خوف جان کا ہے -“ میں نے پھر دوبارہ سوگند یاد کی - کہ جس میں طرفین کی برائی ہووے ویسا کام ہرگز نہ کروں گا - مگر ایک نظر دیکھتا رہونگا - یے باتیں ہوتیاں تھیں - کہ انچت وہ پری (کہ جسکا مذکور تھا) نہایت ٹھسے سے بناؤ کئے ہوئے

آ پہنچی ۔ اور پادشاہ کا تخت وہاں سے چلا گیا ۔ تب میں نے بے اختیار اس پری کو جان کی طرح بغل میں لے آیا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

کماں ابرو مرے گھر کیوں نہ آوے
کہ جسکے واسطے کھینچے ہیں چلے

اسی خوشی کے عالم میں باہم اس باغ میں رہنے لگے ۔ مارے ڈر کے کچھ اور خیال نہ کرتا ۔ بالائی مزے لیتا اور فقط دیکھا کرتا۔ وہ پری میرے قول و قرار کے نبھانے پر دل میں حیران رہتی ۔ اور بعضے وقت کہتی ۔ کہ "پیارے ! تم بھی اپنی بات کے بڑے سچے ہو۔ لیکن ایک نصیحت میں دوستی کی راہ سے کرتی ہوں۔ اپنی کتاب سے خبردار رہیو۔ کہ جن کسی نہ کسی دن تمھیں غافل پا کر چرا لیجائینگے ۔" میں نے کہا "اسے میں اپنی جان کے برابر رکھتا ہوں"۔

اتفاقاً ایک روز رات کو شیطان نے ورغلایا ۔ شہوت کی حالت میں یہ دل میں آیا۔ کہ جو کچھ ہو سو ہو، کہاں تلک اپنے تئیں تھانبھوں؟ اسے چھاتی سے لگا لیا۔ اور قصد جماع کا کیا ۔ وونہیں ایک آواز آئی ۔ "یہ کتاب مجھکو دے کہ اس میں اسم اعظم ہے ۔ بے ادبی نہ کر۔" اس مستی کے عالم میں کچھ ہوش نہ رہا۔ کتاب بغل سے نکالکر بغیر جانے پہچانے حوالے کردی ۔ اور اپنے کام میں لگا ۔ وہ نازنین یہ میری نادانی کی حرکت دیکھکر بولی کہ "ہے ظالم ! آخر چوکا اور نصیحت بھولا"۔

یہ کہکر بیہوش ہو گئی اور میں نے اسکے سرھانے ایک دیو دیکھا کہ کتاب لئے کھڑا ہے ۔ چاھا کہ پکڑ کر خوب ماروں اور کتاب چھین لوں ۔ اتنے میں اسکے ھاتھ سے کتاب دوسرا لے بھاگا ۔ میں نے جو افسوں یاد کئے تھے پڑھنے شروع کئے۔ وہ جن جو کھڑا تھا بیل بن گیا۔ لیکن افسوس کہ پری ذرا بھی ہوش میں نہ آئی ۔ اور وھی حالت بیخودی کی رھی ۔ تب میرا دل گھبرایا۔ سارا عیش تلخ ھو گیا ۔ اس روز سے آدمیوں سے نفرت ھوئی ۔ اس باغ کے گوشے میں پڑا رھتا ھوں ۔ اور دل کے بہلانے کی خاطر یہ مرتبان زمرد کا جھاڑ دار بنایا کرتا ھوں ۔ اور ھر مہینے اس میدان میں اسی بیل پر سوار ھو کر جایا کرتا ھوں ۔ مرتبان کو توڑ کر غلام کو مار ڈالتا ھوں ۔ اس امید پر کہ سب میری یہ حالت دیکھیں ۔ اور افسوس کھاویں ۔ شاید کوئی ایسا خدا کا بندہ مہربان ھو کہ میرے حق میں دعا کرے ۔ تو میں بھی اپنے مطلب کو پہنچوں ۔ اے رفیق ! میرے جنون اور سودا کی یہ حقیقت ہے جو میں نے تجھے کہہ سنائی"۔

میں سنکر آب دیدہ ھوا اور بولا کہ "اے شہزادے ! تونے واقعی عشق کی بڑی محنت اٹھائی ۔ لیکن قسم خدا کی کھاتا ھوں کہ میں اپنے مطلب سے در گذرا ۔ اب تیری خاطر جنگل پہاڑ میں پھرونگا ۔ اور جو مجھسے ھوسکیگا سو کرونگا ۔" یہ وعدہ کر کر میں اس جوان سے رخصت ھوا ۔ اور پانچ برس تک سودائی سا ویرانے میں خاک چھانتا پھرا ۔ سراغ نہ ملا۔ آخر اکتا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور چاھا کہ اپنے تئیں گرا دوں کہ ھڈی پسلی کچھ ثابت نہ رھے۔ وھی سوار برقعہ پوش آ پہنچا۔ اور بولا کہ "اپنی جان مت

کھو۔ تھوڑے دنوں کے بعد تو اپنے مقصد سے کامیاب ہوگا۔،، یا سائیں اللہ! تمھارے دیدار تو میسر ہوئے۔ اب خدا کے فضل سے امیدوار ہوں کہ خوشی اور خرمی حاصل ہو۔اور سب نامراد اپنی مراد کو پہنچیں،،۔

سر گذشت آزاد بخت پادشاہ کی

جب دوسرا درویش بھی اپنی سیر کا قصہ کہہ چکا۔ رات آخر ہو گئی۔اور وقت صبح کا شروع ہونے پر آیا۔ بادشاہ آزاد بخت چپکا اپنے دولت خانے کی طرف روانہ ہوا۔محل میں پہنچکر نماز ادا کی۔ پھر غسل خانے میں جا خلعت فاخرہ پہن کر دیوان عام میں تخت پر نکل بیٹھا۔ اور حکم کیا۔ کہ ''یساول جاوے۔ چار فقیر فلانے مکان پر وارد ہیں۔ ان کو بعزت اپنے ساتھ حضور میں لے آوے۔،، بموجب حکم کے چوبدار وہاں گیا۔ دیکھا تو چاروں بے نوا جھاڑا جھٹکا پھر، ہاتھ منھ دھو کر، چاہتے ہیں کہ دسا کریں اور اپنی اپنی راہ لیں۔ چیلے نے کہا ''شاہ جی! بادشاہ نے چاروں صورتوں کو طلب فرمایا ہے۔ میرے ساتھ چلئے۔،، چاروں درویش آپس میں ایک ایک کو تکنے لگا۔ اور چوبدار سے کہا۔ ''بابا! ہم اپنے دل کے بادشاہ ہیں۔ ہمیں دنیا کے پادشاہ سے کیا کام ہے؟،، اس نے کہا ''میاں اللہ! مضایقہ نہیں۔ اگر چلو تو اچھا ہے،،—

اتنے میں چاروں کو یاد آیا کہ مولا مُرتضیٰ نے جو فرمایا تھا سو اب پیش آیا۔ خوش ہوئے اور یساول کے ہمراہ چلے۔ جب قلعے میں پہنچے اور رو برو پادشاہ کے گئے۔ چاروں قلندروں نے دعا دی کہ ''بابا! تیرا بھلا ہو۔،، پادشاہ دیوان خاص میں جا بیٹھے۔اور دو چار خاص امیروں کو بلایا اور فرمایا۔ کہ ''چاروں گدڑی پوشوں کو بلاؤ''۔ جب وہاں گئے حکم بیٹھنے کا کیا۔ احوال پرسی فرمائی

کہ ''تمھارا کہاں سے آنا ہوا۔ اور کہاں کا ارادہ ہے؟ مکان مرشدوں کے کہاں ہیں؟''

انھوں نے کہا کہ ''پادشاہ کی عمر و دولت زیادہ رہے۔ ہم فقیر ہیں۔ ایک مدت سے اسی طرح سیر و سفر کرتے پھرتے ہیں۔ خانہ بدوش ہیں۔ وہ مثل ہے فقیر کو جہاں شام ہوئی وہیں گھر ہے۔ اور جو کچھ اس دنیائے ناپائدار میں دیکھا ہے۔ کہاں تک بیان کریں''۔

آزاد بخت نے بہت تسلی اور تشفی کی۔ اور کھانے کو منگوا کر اپنے رو برو ناشتہ کروایا۔ جب فارغ ہوئے پھر فرمایا کہ ''اپنا ماجرا تمام بے کم و کاست مجھ سے کہو۔ جو مجھ سے تمھاری خدمت ہو سکیگی قصور نہ کرونگا۔'' فقیروں نے جواب دیا کہ ''ہم پر جو جو کچھ بیتا ہے۔ نہ ہمیں بیان کرنے کی طاقت ہے۔ اور نہ پادشاہ کو سننے سے فرحت ہوگی۔ اسکو معاف کیجئے۔'' تب پادشاہ نے تبسم کیا اور کہا۔ ''شب کو جہاں تم بستروں پر بیٹھے اپنا اپنا احوال کہہ رہے تھے۔ وہاں میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ دو درویشوں کا احوال سن چکا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ یہ دونوں جو باقی ہیں وے بھی کہیں۔ اور چند روز بخاطر جمع میرے پاس رہیں۔ کہ قدم درویشاں رد بلا ہے۔'' پادشاہ سے یہ بات سنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے۔ اور سر نیچے کرکے چپ ہو رہے۔ طاقت گویائی کی نہ رہی۔

آزاد بخت نے جب دیکھا کہ اب ان میں مارے رعب کے حواس نہیں رہے جو کچھ بولیں۔ فرمایا کہ ''اس جہان میں کوئی

شخص ایسا نہ ہوگا جسپر ایک نہ ایک واردات عجیب و غریب نہ ہوئی ہوگی۔ باوجودیکہ میں پادشاہ ہوں لیکن میں نے بھی ایسا تماشا دیکھا ہے کہ پہلے میں ہی اس کا بیان کرتا ہوں۔ تم بخاطر جمع سنو۔" درویشوں نے کہا "پادشاہ سلامت! آپ کا الطاف فقیروں کے حال پر ایسا ہے۔ ارشاد فرمائیے۔" آزاد بخت نے اپنا احوال شروع کیا۔ اور کہا۔

"اے شاہو! پادشاہ کا اب ماجرا سنو
جو کچھ کہ میں نے دیکھا ہے۔اور ہے سنا، سنو

کہتا ہوں میں فقیروں کی خدمت میں سربسر
احوال میرا ۔ خوب طرح ، دل لگا سنو

میرے قبلہ گاہ نے جب وفات پائی اور میں اس تخت پر بیٹھا عین عالم شباب کا تھا۔ اور سارا یہ ملک روم کا میرے حکم میں تھا۔ اتفاقاً ایک سال کوئی سوداگر بدخشاں کے ملک سے آیا۔ اور اسباب تجارت کا بہت سا لایا۔ خبرداروں نے میرے حضور میں خبر کی کہ ایسا بڑا تاجر آج تک شہر میں نہیں آیا۔ مں نے اسکو طلب فرمایا۔

وہ تحفے ہر ایک ملک کے لائق میری نذر کے لیکر آیا۔ فی الواقع ہر ایک جنس بے بہا نظر آئی۔ چنانچہ ایک ڈبیا میں ایک لعل تھا۔ نہایت خوشرنگ اور آبدار، قد و قامت درست اور وزن میں پانچ مثقال کا۔ میں نے باوجود سلطنت کے ایسا جواہر کبھو نہ دیکھا تھا۔ اور نہ کسو سے سنا تھا۔ پسند کیا۔ سوداگر کو بہت سا انعام و اکرام دیا اور سند راہداری کی لکھ دی کہ اس سے ہماری

تمام قلمرو میں کوئی مزاحم محصول کا نہ ہو۔ اور جہاں جاوے اسکو آرام سے رکھیں ۔ چوکی پہرے میں حاضر رہیں ۔ اسکا نقصان اپنا نقصان سمجھیں ۔ وہ تاجر حضور میں دربار کے وقت حاضر رہتا۔ اور آداب سلطنت سے خوب واقف تھا۔ اور تقریر و خوشگوئی اسکی لائق سننے کی تھی۔ اور میں اس لعل کو ہر روز جواہر خانے سے منگوا کر سر دربار دیکھا کرتا۔

ایک روز دیوان عام کئے بیٹھا تھا ۔ اور امرا ارکان دولت اپنے اپنے پائے پر کھڑے تھے۔ اور ہر ملک کے پادشاہوں کے ایلچی مبارکباد کی خاطر جو آئے تھے۔ وہ بھی سب حاضر تھے ۔ اس وقت میں نے موافق معمول کے اس لعل کو منگوایا ۔ جواہر خانے کا داروغہ لیکر آیا۔ میں ہاتھ میں لیکر تعریف کرنے لگا۔ اور فرنگ کے ایلچی کو دیا ۔ ان نے دیکھکر تبسم کیا اور زمانہ سازی سے صفت کی ۔ اسی طرح ہاتھوں ہاتھ ہر ایک نے لیا اور دیکھا اور ایک زبان ہوکر بولے ۔ کہ قبلۂ عالم کے اقبال کے باعث یہ میسر ہوا ہے۔ و الاّ نہ کسو پادشاہ کے ہاتھ آج تک ایسا رقم بے بہا نہیں لگا ۔ اسوقت میرے قبلہ گاہ کا وزیر کہ مرد دانا تھا۔ اور اسی خدمت پر سرفراز تھا ۔ وزارت کی چوکی پر کھڑا تھا۔ آداب بجا لایا اور التماس کیا کہ ”کچھ عرض کیا چاہتا ہوں اگر جان بخشی ہو“۔

میں نے حکم کیا کہ ”کہہ“۔ وہ بولا ”قبلۂ عالم ! آپ بادشاہ ہیں اور بادشاہوں سے بہت بعید ہے کہ ایک پتھر کی اتنی تعریف کریں ۔ اگرچہ رنگ ڈھنگ سنگ میں لاثانی ہے لیکن سنگ ہے ۔ اور اس دم سب ملکوں کے ایلچی دربار میں حاضر ہیں۔ جب

اپنے اپنے شہر میں جاوینگے البتہ یہ نقل کرینگے۔ کہ عجب بادشاہ ھے کہ ایک لعل کہیں سے پایا ھے۔ اسے ایسا تحفہ بنایا ھے کہ ہر روز رو برو منگاتا ھے۔ اور آپ اسکی تعریف کر کر سب کو دکھاتا ھے۔ پس جو بادشاہ یا راجہ یہ احوال سنے گا۔ اپنی مجلس میں ھنسیگا۔ خداوند! ایک ادنا سوداگر نیشاپور میں ھے۔ اس نے بارہ دانے لعل کے کہ ہر ایک سات سات مثقال کا ھے پٹے میں نصب کر کر کتے کے گلے میں ڈال دئے ھیں۔،، مجھے سنتے ھی غصہ چڑھ آیا۔ اور کھسیانے ھو کر فرمایا کہ ''اس وزیر کی گردن مارو،،۔

جلادوں نے وونہیں اسکا ھاتھ پکڑ لیا۔ اور چاھا کہ باھر لیجاویں۔ فرنگ کے بادشاہ کا ایک ایلچی دست بستہ رو برو آ کھڑا ھوا۔ میں نے پوچھا کہ ''تیرا کیا مطلب ھے؟،، اس نے عرض کی ''امیدوار ھوں کہ تقصیر سے وزیر کی واقف ھوں۔،، میں نے فرمایا کہ ''جھوٹ بولنے سے اور بڑا گناہ کون سا ھے۔ خصوصاً بادشاھوں کے روبرو؟،، ان نے کہا۔ ''اس کا دروغ ثابت نہیں ھوا۔ شاید جو کچھ کہ عرض کی ھے سچ ھو۔ ابھی بے گناہ کا قتل کرنا درست نہیں۔،، اس کا میں نے یہ جواب دیا۔ کہ ''ہرگز عقل میں نہیں آتا ایک تاجر کہ نفع کے واسطے شہر بشہر اور ملک بہ ملک خراب ھوتا پھرتا ھے اور کوڑی کوڑی جمع کرتا ھے۔ بارہ دانے لعل کے جو وزن میں سات سات مثقال کے ھوں۔ کتے کے پٹے میں لگاوے۔'' اس نے کہا ''خدا کی قدرت سے تعجب نہیں۔ شاید کہ باشد۔ ایسے تحفے اکثر سوداگروں اور فقیروں کے ھاتھ آتے ھیں۔ اسواسطے کہ یہ دونوں ہر ایک ملک میں جاتے ھیں اور جہاں سے جو کچھ پاتے ھیں لے آتے ھیں۔ صلاح دولت یہ ھے کہ اگر وزیر ایسا ھی

تقصیر وار ہے۔ تو حکم قید کا ہو۔ اس لئے کہ وزیر پادشاہوں کی عقل ہوتے ہیں۔ اور یہ حرکت سلاطینوں سے بدنما ہے۔ کہ ایسی بات پر کہ جھوٹھ سچ اس کا ابھی ثابت نہیں ہوا حکم قتل کا فرمائیں۔ اور اسکی تمام عمر کی خدمت اور نمک حلالی بھول جائیں۔

پادشاہ سلامت! اگلے شہریاروں نے بندیخانہ اسی سبب ایجاد کیا ہے۔ کہ پادشاہ یا سردار اگر کسو پر غضب ہوں تو اسے قید کریں۔ کئی دن میں غصہ جاتا رہے گا اور بے تقصیری اسکی ظاہر ہوگی۔ پادشاہ خون ناحق سے محفوظ رہینگے۔ کل کو روز قیامت میں ماخوذ نہ ہوئینگے۔،، میں نے جتنا اسکے قائل کرنے کو چاہا۔ اسنے ایسی معقول گفتگو کی کہ مجھے لاجواب کیا۔ تب میں نے کہا کہ ،،خیر تیرا کہنا پذیرا ہوا۔ میں خون سے اسکے در گذرا لیکن زندان میں مقید رہیگا۔ اگر ایک سال کے عرصے میں اسکا سخن راست ہوا کہ ایسے لعل کتّے کے گلے میں ہیں تو اسکی نجات ہوگی۔ اور نہیں تو بڑے عذاب سے مارا جاوئے گا۔ فرمایا کہ وزیر کو بندی خانے میں لیجاؤ۔،، یہ حکم سنکر ایلچی نے زمین خدمت کی چومی۔ اور تسلیمات کی۔

جب یہ خبر وزیر کے گھر میں گئی آہ و واویلا مچا۔ اور ماتم سرا ہوگیا۔ اس وزیر کی ایک بیٹی تھی برس چودہ پندرہ کی۔ نہایت خوبصورت اور قابل۔ نوشت خواند میں درست۔ وزیر اسکو نپٹ پیار کرتا تھا اور عزیز رکھتا تھا۔ چنانچہ اپنے دیوان خانے کے پچھواڑے ایک رنگ محل اسکی خاطر بنوا دیا تھا۔ اور لڑکیاں عمدوں کی اسکی مصاحبت میں اور خواصیں شکیل خدمت میں رہتیں۔ ان سے ہنسی خوشی کھیلا کودا کرتی۔

اتفاقاً جس دن وزیر کو محبوس خانے میں بھیجا۔ وہ لڑکی اپنی ہمجولیوں میں بیٹھی تھی۔ اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا۔ اور ڈھولک پکھاوج لئے ہوئے رت جگے کی تیاری کر رہی تھی۔ اور کڑاھی چڑھا کر گلگلے اور رحم تلتی اور بنا رہی تھی۔ کہ ایکبارگی اسکی ماں روتی پیٹتی سر کھلے پاؤں ننگے بیٹی کے گھر میں گئی۔ اور دو ہتڑ اس لڑکی کے سر پر ماری اور کہنے لگی۔ ''کاش کہ تیرے بدلے خدا اندھا بیٹا دیتا۔ تو میرا کلیجا ٹھنڈا ہوتا۔ اور باپ کا رفیق ہوتا۔'' وزیر زادی نے پوچھا ''اندھا بیٹا تمھارے کس کام آتا؟ جو کچھ بیٹا کرتا میں بھی کر سکتی ہوں۔'' اماّ نے جواب دیا ''خاک تیرے سرپر۔ باپ پر یہ بپتا بیتی ھے کہ پادشاہ کے رو برو کچھ ایسی بات کہی کہ بندی خانے میں قید ہوا۔،، اسنے پوچھا ''وہ کیا بات تھی؟ ذرا میں بھی سنوں۔،، تب وزیر کے قبیلے نے کہا کہ ''تیرے باپ نے شاید یہ کہا کہ نیشاپور میں کوئی سوداگر ھے۔ اسنے بارہ عدد لعل بے بہا کتے کے پٹے میں ٹانکے ھیں۔ پادشاہ کو باور نہ ہوا۔ اسے جھوٹا سمجھا اور اسیر کیا۔ اگر آج کے دن بیٹا ہوتا تو ہر طرح سے کوشش کر کر اس بات کو تحقیق کرتا۔ اور اپنے باپ کا اپرالا کرتا۔اور پادشاہ سے عرض معروض کرکے میرے خاوند کو پنڈت خانے سے مخلصی دلواتا،،۔

وزیرزادی بولی۔ ''اماّ جان! تقدیر سے لڑانہیں جاتا۔ چاھئے انسان بلائے ناگہانی میں صبر کرے۔ اور امیدوار فضل الہی کا رہے۔ وہ کریم ھے۔ مشکل کسو کی اٹکی نہیں رکھتا۔ اور رونا دھونا خوب نہیں۔ مبادا دشمن اور طرح سے پادشاہ کے پاس لگاویں اور لترے چغلی کھاویں کہ باعث زیادہ خفگی کا ہو۔ بلکہ جہاں پناہ کے حق میں

دعا کرو۔ ہم اسکے خانہ زاد ہیں۔ وہ ہمارا خداوند ہے۔ وہی غضب ہوا ہے وہی مہربان ہوگا۔'' اس لڑکی نے عقلمندی سے ایسی ایسی طرح ماں کو سمجھایا کہ کچھ اس کو صبر و قرار آیا۔ تب اپنے محل میں گئی اور چپکی ہورہی۔ جب رات ہوئی۔ وزیر زادی نے دادا کو بلایا۔ اسکے ہاتھ پاؤں پڑی، بہت سی منت کی اور رونے لگی اور کہا۔ ''میں یہ ارادہ رکھتی ہوں کہ اماّ جان کا طعنہ مجھپر نہ رہے۔ اور میرا باپ مخلصی پاوے۔ جو تو میرا رفیق ہو۔ تو میں نیشاپور کو چلوں۔ اور اس تاجر کو (جسکے کتے کے گلے میں ایسے لعل ہیں) دیکھکر جو بن آوے کراؤں۔ اور اپنے باپ کو چھڑاؤں''۔

پہلے تو اس مرد نے انکار کیا۔ آخر بہت کہنے سننے سے راضی ہوا۔ تب وزیر زادی نے فرمایا ''چپکے چپکے اسباب سفر کا درست کر۔ اور جنس تجارت کی لائق نذر پادشاہوں کے خرید کر۔ اور غلام و نوکر چاکر جتنے ضرور ہوں ساتھ لے۔ لیکن یہ بات کسو پر نہ کھلے۔'' دادا نے قبول کیا اور اس کی تیاری میں لگا۔ جب سب اسباب مہیا کیا۔ اونٹوں اور خچروں پر بار کر کر روانہ ہوا۔ اور وزیرزادی بھی لباس مردانہ پہنکر ساتھ جا ملی۔ ہرگز کسو کو گھر میں خبر نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی۔ وزیر کے محل میں چرچا ہوا کہ وزیرزادی غائب ہے، معلوم نہیں کیا ہوئی۔

آخر بدنامی کے ڈر سے ما نے بیٹی کا گم ہونا چھپایا۔ اور وہاں وزیرزادی نے اپنا نام سوداگر بچہ رکھا۔ منزل بہ منزل چلتے چلتے نیشاپور میں پہنچی۔ خوشی بہ خوشی کاروان سرا میں جا اتری۔ اور سب اپنا اسباب اتارا۔ رات کو رہی۔ فجر کو حمام میں گئی اور پوشاک پاکیزہ جیسے روم کے باشندے پہنتے ہیں پہنی۔ اور

شہر کی سیر کے واسطے نکلی۔ آتے آتے جب چوک میں پہنچی چوراھے پر کھڑی ھوئی۔ ایک طرف دوکان جوھری کی نظر پڑی کہ بہت سے جواھر کا ڈھیر لگ رھا ھے۔ اور غلام لباس فاخرہ پہنے ھوئے دست بستہ کھڑے ھیں۔ اور ایک شخص جو سردار ھے۔ برس پچاس ایک کی اس کی عمر ھے۔ طالع مندوں کی سی خلعت اور نیمہ آستیں پہنے ھوئے۔ اور کئی مصاحب باوضع نزدیک اسکے کرسیوں پر بیٹھے ھیں۔ اور آپس میں باتیں کر رھے ھیں۔

وہ وزیرزادی (جس نے اپنے تئیں سوداگر بچہ کر مشہور کیا تھا) اسے دیکھکر متعجب ھوئی۔ اور دل میں سمجھکر خوش ھوئی کہ خدا جھوٹ نہ کرے۔ جس سوداگر کا میرے باپ نے پادشاہ سے مذکور کیا ھے۔ اغلب ھے کہ یہی ھو۔ بار خدایا! اسکا احوال مجھپر ظاھر کر۔ اتفاقاً ایکطرف جو دیکھا تو ایک دوکان ھے۔ اس میں دو پنجرے آھنی لٹکتے ھیں۔ اور ان دونوں میں دو آدمی قید ھیں۔ ان کی مجنوں کی سی صورت ھو رھی ھے۔ کہ چرم و استخوان باقی ھے اور سر کے بال اور ناخن بڑھ گئے ھیں۔ سر اوندھائے بیٹھے ھیں اور دو حبشی بد ھیئت مسلح دونوں طرف کھڑے ھیں۔ سوداگر بچے کواچنبھا آیا۔ لاحول پڑھکر دوسری طرف جو دیکھا تو ایک دوکان میں قالیچے بچھے ھیں۔ ان پر ایک چوکی ھاتھی دانت کی۔ اس پر گدیلا مخمل کا پڑا ھوا۔ ایک کتا جواھر کا پٹا گلے میں اور سونے کی زنجیر سے بندھا ھوا بیٹھا ھے۔ اور دو غلام امرد خوبصورت اسکی خدمت کر رھے ھیں۔ ایک تو مورچھل جڑاؤ دستے کا لئے جھلتا ھے۔ اور دوسرا رومال تارکشی کا ھاتھ میں لیکر منہ اور پاؤں اسکا پونچھ رھا ھے۔ سوداگر بچے نے خوب غور کرکرجو دیکھا۔ تو پٹے میں کتے کے

بارھوں دانے لعل کے جیسے سنے تھے موجود ھیں ۔ شکر خدا کا کیا اور فکر میں گیا کہ کس صورت سے ان لعلوں کو پادشاہ پاس لیجاؤں اور دکھا کر اپنے باپ کو چھڑاؤں؟ یہ تو اس حیرانی میں تھا اور تمام خلقت چوک اور رستے کی اسکا حسن و جمال دیکھکر حیران تھی۔ اور ھکا بکا ھورھی تھی ۔ سب آدمی آپس میں یہ چرچا کرتے تھے۔ کہ آج تلک اس صورت و شبیہہ کا انسان نظر نہین آیا ۔ اس خواجہ نے بھی دیکھا ۔ ایک غلام کو بھیجا کہ تو جا کر بمنت اس سوداگر بچے کو میرے پاس بلا لا۔

وہ غلام آیا اور خواجہ کا پیام لایا۔ کہ ''اگر مہربانی فرمائیے تو ھمارا خداوند، صاحب کا مشتاق ھے ۔ چلکر ملاقات کیجئے ۔'' سوداگر بچہ تو یہ چاھتا ھی تھا۔ بولا'' کیا مضائقہ؟'' جونہیں خواجہ کے نزدیک آیا اور اس پر خواجہ کی نظر پڑی ۔ ایک برچھی عشق کی سینے میں گڑی ۔ تعظیم کی خاطر سر و قد اٹھا لیکن حواس باختہ۔ سوداگر بچے نے دریافت کیا کہ اب یہ دام میں آیا ۔ آپس میں بغلگیری ھوئی ۔ خواجہ نے سوداگر بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنے برابر بٹھایا ۔ بہت سا تملق کرکے پوچھا کہ ''اپنے نام و نسب سے مجھے آگاہ کرو ۔ کہاں سے آنا ھوا اور کہاں کا ارادہ ھے؟'' سوداگر بچہ بولا کہ ''اس کمترین کا وطن روم ھے ۔ اور قدیم سے استنبول زادبوم ھے۔ میرے قبلہ گاہ سوداگر ھیں ۔ اب بہ سبب پیری کے طاقت سیر و سفر کی نہیں رھی ۔ اس واسطے مجھے رخصت کیا ھے کہ کار بار تجارت کا سیکھوں ۔ آج تلک میں نے قدم گھر سے باھر نہ نکالا تھا ۔ یہ پہلا ھی سفر درپیش ھوا ۔ دریا کی راہ ھواؤ نہ پڑا۔

خشکی کی طرف سے قصد کیا لیکن اس عجم کے ملک میں آپ کے اخلاق اور خوبیوں کا جو شور ہے - محض صاحب کی ملاقات کی آرزو میں یہاں تک آیا ہوں - بارے فضل الٰہی سے خدمت شریف میں مشرف ہوا - اور اس سے زیادہ پایا - تمنا دل کی بر آئی - خدا سلامت رکھے - اب یہاں سے کوچ کرونگا،،-

یہ سنتے ہی خواجہ کے عقل و ہوش جاتے رہے - بولا کہ ''اے فرزند! ایسی بات مجھے نہ سناؤ - کوئی دن غریب خانے میں کرم فرماؤ - بھلا یہ تو بتاؤ کی تمھارا اسباب اور نوکر چاکر کہاں ہیں؟،، سوداگر بچے نے کہا کہ ''مسافر کا گھر سرا ہے - انھیں وہاں چھوڑ کر میں آپ کے پاس آیا ہوں -،، خواجہ نے کہا کہ ''بھٹھیار خانے میں رہنا مناسب نہیں - میرا اس شہر میں اعتبار ہے اور بڑا نام ہے - جلد انھیں بلوالو - میں ایک مکان تمھارے اسباب کے لئے خالی کر دیتا ہوں - جو کچھ جنس لائے ہو - میں دیکھوں - ایسی تدبیر کروں گا کہ یہیں تمھیں بہت سا نفع ملے - تم بھی خوش ہوگے اور سفر کے ہرج مرج سے بچوگے - اور مجھے بھی چند روز رہنے سے اپنا احسان مند کروگے -،، سوداگر بچے نے اوپری دل سے عذر کیا لیکن خواجہ نے پذیرا نہ کیا - اور اپنے گماشتے کو فرمایا کہ ''باربردار جلد بھیجو اور کارواں سرا سے ان کا اسباب منگوا کر فلانے مکان میں رکھواؤ،،-

سوداگر بچے نے ایک زنگی غلام کو ان کے ساتھ کردیا کہ سب مال و متاع لدوا کر لے آ - اور آپ شام تلک خواجہ کے ساتھ بیٹھا رہا - جب گذری کا وقت ہوچکا - اور دوکان بڑھائی - خواجہ

گھر کو چلا ۔ تب دونوں غلاموں میں سے ایک نے کتے کو بغل میں لیا ۔ دوسرے نے کرسی اور قالیچہ اٹھالیا ۔ اور ان دونوں حبشی غلاموں نے اس پنجرے کو مزدوروں کے سرپر دھر دیا ۔ اور آپ پانچوں ھتھیار باندھے ساتھ ہوئے ۔ خواجہ سوداگر بچے کا ھاتھ ھاتھ میں لئے باتیں کرتا ھوا حویلی میں آیا۔

سوداگر بچے نے دیکھا کہ مکان عالیشان لائق پادشاھوں یا امیروں کے ھے ۔ لب نہر فرش چاندنی کا بچھا ھے ۔ اور مسند کے رو برو اسباب عیش کا چنا ھے ۔ کتے کی صندلی بھی اسی جگہ بچھائی۔ اور خواجہ، سوداگر بچے کو لیکر بیٹھا۔ بے تکلف تواضع شراب کی کی ۔ دونوں پینے لگے ۔ جب سرخوش ہوئے تب خواجہ نے کھانا مانگا۔ دسترخوان بچھا اور دنیا کی نعمت چنی گئی ۔ پہلے ایک لنگری میں کھانا لیکر سرپوش طلائی ڈھانپ کر کتے کے واسطے لیگئے۔ اور ایک دسترخوان زربفت کا بچھاکر اس کے آگے دھر دی۔ کتا صندلی سے نیچے اتر جتنا چاھا اتنا کھایا۔ اور سونے کی لگن میں پانی پیا ۔ پھر چوکی پر جا بیٹھا ۔ غلاموں نے رومال سے ھاتھ منھ اس کا پاک کیا ۔ پھر اس طباق اور لگن کو غلام پنجرے کے نزدیک لے گئے ۔ اور خواجہ سے کنجی مانگ کر قفل قفس کا کھولا۔

ان دونوں انسانوں کو باھر نکالکر کئی سونٹے مار کر کتے کا جھوٹا انھیں کھلایا اور وھی پانی پلایا ۔ پھر تالا بند کرکر تالی خواجہ کے حوالے کی ۔ جب یہ سب ھوچکا۔ تب خواجہ نے آپ کھانا شروع کیا ۔ سوداگر بچے کو یہ حرکت پسند نہ آئی۔ گھن کھاکر ھاتھ کھانے میں نہ ڈالا ۔ ھرچند خواجہ نے منت کی پر اسنے انکار ھی کیا ۔ تب خواجہ نے سبب اسکا پوچھا کہ ”تم

کیوں نہیں کھاتے؟،، سوداگر بچے نے کہا۔''یہ حرکت تمھاری اپنے تئیں بد نما معلوم ہوئی۔ اسلئے کہ انسان اشراف المخلوقات ہے۔ اور کتا نجس العین ہے۔ پس خدا کے دو بندوں کو کتے کا جھوٹا کھلانا کس مذہب و ملت میں روا ہے؟ فقط یہ غنیمت نہیں جانتے کہ وے تمھارے قید میں ہیں؟ نہیں تو تم اور وے برابر ہیں۔ اب میرے تئیں شک* آئی کہ تم مسلمان نہیں۔ کیا جانوں کون ہو کہ کتے کو پوجتے ہو؟ مجھے تمھارا کھانا کھانا مکروہ ہے جب تلک یہ شبہہ دل سے دور نہ ہو،،۔

خواجہ نے کہا''اے بابا! جو کچھ کہتا ہے میں یہ سب سمجھتا ہوں۔ اور اسی خاطر بدنام ہوں کہ اس شہر کی خلقت نے میرا نام خواجہ سگ پرست رکھا ہے۔ اسی طرح پکارتے ہیں۔ اور مشہور کیا ہے۔ لیکن خدا کی لعنت کافروں اور مشرکوں پر ہوجیو۔ کلمہ پڑھا اور سوداگر بچے کی خاطر جمع کی۔ تب سوداگر بچے نے پوچھا کہ اگر مسلمان بہ دل ہو۔ تو اس کا کیا باعث ہے ایسی حرکت کرکے اپنے تئیں بدنام کیا ہے؟،، خواجہ نے کہا''اے فرزند! نام میرا بدنام ہے۔ اور دگنا محصول اس شہر میں بھرتا ہوں۔ اسی واسطے کہ یہ بھید کسو پر ظاہر نہ ہو۔ عجب یہ ماجرا ہے کہ جو کوئی سنے سوائے غم اور غصے کے اسے کچھ اور حاصل نہ ہو۔ تو بھی مجھے معاف رکھ کہ نہ مجھ میں قدرت کہنے کی اور نہ تجھ میں طاقت سننے کی رہیگی۔،، سوداگر بچے نے اپنے دل میں غور کی کہ مجھے اپنے کام سے کام ہے۔ کیا ضرور ہے جو ناحق میں زیادہ مجوز ہوں بولا''خیر اگر لائق کہنے کے

---

* شک۔ مذکر ہے

نہیں تو نہ کھیئے۔'' کھانے میں ھاتھ ڈالا۔ اور نوالہ اٹھا کر کھانے لگا۔ دو مہینے تک اس ھوشیاری اور عقلمندی سے سوداگر بچے نے خواجہ کے ساتھ گذران کی کہ کسو پر ہرگز نہ کھلا کہ یہ عورت ھے۔ سب یہی جانتے تھے کہ مرد ھے۔ اور خواجہ سے روز بروز ایسی محبت زیادہ ھوئی کہ ایکدم اپنی آنکھوں سے جدا نہ کرتا۔

ایک دن عین مئے نوشی کی صحبت میں سوداگر بچے نے رونا شروع کیا۔ خواجہ نے دیکھتے ھی خاطر داری کی اور رومال سے آنسو پونچھنے لگا۔ اور سبب گریہ کا پوچھا۔ سوداگر بچے نے کہا ''اے قبلہ! کیا کہوں؟ کاش کہ تمہاری خدمت میں بندگی پیدا نہ کی ھوتی۔ اور یہ شفقت جو صاحب میرے حق میں کرتے ھیں نہ کرتے۔ اب دو مشکلیں میرے پیش آئی ھیں۔ نہ تمہاری خدمت سے جدا ھونے کو جی چاھتا ھے۔ اور نہ رھنے کا اتفاق یہاں ھو سکتا ھے۔ اب جانا ضرور ھوا۔ لیکن آپ کی جدائی سے امید زندگی کی نظر نہیں آتی۔''

یہ بات سنکر خواجہ بے اختیار ایسا رونے لگا کہ ھچکی بندھ گئی۔ اور بولا کہ ''اے نور چشم! ایسی جلدی اپنے بوڑھے خادم سے سیر ھوئے کہ اسے دلگیر کئے جاتے ھو؟ قصد روانہ ھونے کا دل سے دور کرو۔ جب تلک میری زندگی ھے رھو۔ تمہاری جدائی سے ایک دم میں جیتا نہ رھونگا۔ بغیر اجل کے مر جاؤنگا۔ اور اس ملک فارس کی آب و ھوا بہت خوب اور موافق ھے۔ بہتر تو یوں ھے کہ ایک آدمی معتبر بھیج کر اپنے والدین

کو مع اسباب یہیں بلوالو ۔ جو کچھ سواری اور برداری درکار ہو۔ میں موجود کروں ۔ جب ما باپ تمھارے اور گھر بار سب آئے۔ اپنی خوشی سے کار و بار تجارت کا کیا کریو۔ میں نے بھی اس عمر میں زمانے کی بہت سختیاں کھینچیں ھیں۔ اور ملک ملک پھرا ھوں ۔ اب بوڑھا ھوا ۔ فرزند نہیں رکھتا ۔ میں تجھے بہتر اپنے بیٹے سے جانتا ھوں۔ اور اپنا ولی عہد و مختار کرتا ھوں ۔ میرے کارخانے سے بھی ھوشیار اور خبردار ھو۔ جب تلک جیتا ھوں۔ ایک ٹکڑا کھانے کو اپنے ھاتھ سے دو ۔ جب مر جاؤں داب گاڑ دیجو۔ اور سب مال و متاع میرا لیجو"۔

تب سوداگر بچے نے جواب دیا کہ "واقعی صاحب نے زیادہ باپ سے میری غمخواری اور خاطر داری کی کہ مجھے ما باپ بھول گئے۔لیکن اس عاصی کے والد نے ایک سال کی رخصت دی تھی۔ اگر دیر لگاؤنگا تو وے اس پیری میں روتے روتے مر جائینگے۔ پس رضامندی پدر کی خوشنودی خدا کی ھے۔اور اگر وہ مجھسے ناراضی ھونگے۔ تو میں ڈرتا ھوں کہ شاید دعائے بد نہ کریں کہ دونوں جہاں میں خدا کی رحمت سے محروم رھوں۔

اب آپ کی یہی شفقت ھے کہ بندے کو حکم کیجئے کہ فرمانا قبلہ گاہ کا بجا لاوے۔اور حق پدری سے ادا ھووے۔اور صاحب کی توجہ کا ادائے شکر جب تلک دم میں دم ھے میری گردن پر ھے ۔ اگر اپنے ملک میں بھی جاؤں گا تو ھر دم دل و جان سے یاد کیا کروں گا ۔ خدا مسبب الاسباب ھے۔ شاید پھر کوئی ایسا سبب ھو کہ قدم بوسی حاصل کروں ۔،، غرض سوداگر بچے نے ایسی ایسی باتیں لون مرچیں لگا کر خواجہ کو سنائیں کہ وہ بیچارہ

لاچار ہوکر ہونٹھ چاٹنے لگا۔ از بسکہ اسپر شیفتہ اور فریفتہ ہو رہا تھا۔ کہنے لگا ''اچھا۔ اگر تم نہیں رہتے ہو تو میں ہی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔ میں تجھکو اپنی جان کے برابر جانتا ہوں۔ پس جب جان چلی جاوے تو خالی بدن کس کام آوے؟ اگر تو اسی میں رضا مند ہے تو چل۔ اور مجھے بھی لیچل۔،، سوداگر بچے سے یہ کہہکر اپنی بھی تیاری سفر کی کرنے لگا۔ اور گماشتوں کو حکم کیا کہ ''بار برداری کی فکر جلدی کرو،،۔

جب خواجہ کے چلنے کی خبر مشہور ہوئی۔ وہاں کے سوداگروں نے سنکر سب نے تہیّہ سفر کا کیا۔ خواجہ سگ پرست نے گنج اور جواہر بیشمار نوکر اور غلام انگنت تحفے اور اسباب شاہانہ بہت سا ساتھ لیکر شہر کے باہر تنبو اور قنات اور بیچوبے اور سراپردے اور کندلے کھڑے کرواکر ان میں داخل ہوا۔ جتنے تجار تھے اپنی اپنی بساط موافق مال سوداگری کا لیکر ہمراہ ہوئے۔ برائے خود ایک لشکر ہو گیا۔

ایک دن جوگنی کو پیٹھ دیکر وہاں سے کوچ کیا۔ ہزاروں اونٹوں پر شلیتے اسباب کے اور خچروں پر صندوق نقد جواہر کے لادکر پانچ سو غلام دشت قبچاق اور زنگ و روم کے مسلح، صاحب شمشیر، تازی اور ترکی و عراقی و عربی گھوڑوں پر چڑھکر چلے۔ سب کے پیچھے خواجہ اور سوداگر بچہ خلعت فاخرہ پہنے سکھپال پر سوار اور ایک تخت بغدادی اونٹ پر کسا اس پر کتا مسند پر سویا ہوا۔ اور ان دونوں قیدیوں کے قفس ایک شتر پر لٹکائے ہوئے روانہ ہوئے۔ جس منزل میں پہنچتے سب سوداگر خواجہ کی بارگاہ میں آکر حاضر ہوتے۔ اور دسترخوان پر کھانا کھاتے اور شراب پیتے۔ خواجہ،

سوداگر بچے کے ساتھ ہونے کی خوشی میں شکر خدا کا کرتا اور کوچ در کوچ چلا جاتا تھا۔ بارے بخیر و عافیت نزدیک قسطنطنیہ کے آپہنچے۔ باہر شہر کے مقام کیا۔ سوداگر بچے نے کہا ”اے قبلہ! اگر رخصت دیجئے تو میں جاکر ما باپ کو دیکھوں۔ اور مکان صاحب کے واسطے خالی کروں۔ جب مزاج سامی میں آوے شہر میں داخل ہوجیئے“۔

خواجہ نے کہا ”تمہاری خاطر تو میں یہاں آیا۔ اچھا۔ جلد مل جل کر میرے پاس آؤ۔ اور اپنے نزدیک میرے اترنے کو مکان دو۔“ سوداگر بچہ رخصت ہوکر اپنے گھر میں آیا۔ سب وزیر کے محل کے آدمی حیران ہوئے کہ یہ مرد کون گھس آیا۔ سوداگر بچہ (یعنی بیٹی وزیر کی) اپنی ما کے پاؤں پر جا گری اور روئی اور بولی۔ کہ ”میں تمہاری جائی ہوں۔“ سنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ ”اے تتری! تو بڑی شتاّ ہو نکلی۔ اپنا منھ تونے کالا کیا۔ اور خاندان کو رسوا کیا۔ ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر صبر کرکے تجھسے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ جا دفع ہو“۔

تب وزیر زادی نے سر پر سے پگڑی اتار کر پھینک دی اور بولی۔ ”اے امّاں جان! میں بری جگہ نہیں گئی۔ کچھ بدی نہیں کی۔ تمہارے بموجب فرمنے کے بابا کو قید سے چھڑانے کی خاطر یہ سب فکر کی۔ الحمد للہ! کہ تمہاری دعاکی برکت سے اور اللہ کے فضل سے پورا کام کرکے آئی ہوں۔ کہ نیشاپور سے اس سوداگر کو بمع کتے (جسکے گلے میں وے لعل پڑے ہیں) اپنے ساتھ لائی ہوں۔ اور تمہاری امانت میں بھی خیانت نہیں کی۔ سفر کے لئے مردانہ بھیس کیا ہے۔ اب ایک روز کا کام باقی ہے۔ وہ کر کر قبلہ گاہ کو

پندتخانے سے چھڑاتی ہوں۔ اور اپنے گھر میں آتی ہوں۔ اگر حکم ہو تو پھر جاؤں اور ایک روز باہر رہ خدمت میں آؤں۔" ما نے جب خوب معلوم کیا کہ میری بیٹی نے مردوں کا کام کیا۔ اور اپنے تئیں سب طرح سلامت و محفوظ رکھا ہے۔ خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کی۔ اور خوش ہوکر بیٹی کو چھاتی سے لگا لیا اور منھ چوما۔ بلائیں لیں دعائیں دیں اور رخصت کیا۔ کہ "تو جو مناسب جان سو کر۔ میری خاطر جمع ہوئی"—

وزیر زادی پھر سوداگر بچہ بنکر خواجہ سگ پرست پاس چلی۔ وہاں خواجہ کو جدائی اسکی از بسکہ شاق ہوئی۔ بے اختیار ہوکر کوچ کیا۔ اتفاقاً نزدیک شہر کے ادھر سے سوداگر بچہ جاتا تھا۔ اور ادھر سے خواجہ آتا تھا۔ عین راہ میں ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے دیکھتے ہی کہا۔ "بابا! مجھ بوڑھے کو اکیلا چھوڑ کر کہاں گیا تھا؟" سوداگر بچہ بولا "آپ سے اجازت لیکر اپنے گھر گیا تھا۔ آخر ملازمت کے اشتیاق نے وہاں رہنے نہ دیا۔ آکر حاضر ہوا۔" شہر کے دروازے پر دریا کے کنارے ایک باغ سایہ دار دیکھکر خیمہ استاد کیا اور وہیں اترے۔ خواجہ اور سوداگر بچہ باہم بیٹھکر شراب و کباب پینے کھانے لگے۔ جب عصر کا وقت ہوا۔ سیر تماشے کی خاطر خیمے سے نکلکر صندلیوں پر بیٹھے۔ اتفاقاً ایک قراول بادشاہی ادھر آ نکلا۔ ان کا لشکر اور نشست و برخاست دیکھکر اچنبھے ہو رہا اور دل میں کہا۔ شاید ایلچی کسو بادشاہ کا آیا ہے۔ کھڑا تماشا دیکھتا رہا—

خواجہ کے شاطر نے اسکو آگے بلایا اور پوچھا کہ "تو کون ہے؟" اسنے کہا کہ "میں بادشاہ کا میر شکار ہوں۔" شاطر نے خواجہ سے

اس کا احوال کہا۔ خواجہ نے ایک غلام کافری کو کہا کہ
"جا کر بازدار سے کہہ۔ کہ ہم مسافر ھیں۔ اگر جی چاھے تو
آؤ بیٹھو۔ قہوہ قلیان حاضر ھے۔" جب میر شکار نے نام سوداگر کا سنا
زیادہ متعجب ھوا۔ اور یتیم کے ساتھ خواجہ کی مجلس میں آیا۔ لوازم
اور شان و شوکت اور سپاہ و غلام دیکھے۔ خواجہ اور سوداگر
بچے کو سلام کیا اور مرتبہ سگ کا نگاہ کیا۔ ہوش اسکے جاتے
رھے۔ ھکا بکا سا ھو گیا۔ خواجہ نے اسے بٹھلا کر قہوے کی ضیافت
کی۔ قراول نے نام و نشان خواجہ کا پوچھا۔ جب رخصت مانگی
خواجہ نے کئی تھان اور کچھ تحفے اسکو دیکر اجازت دی۔
صبح کو جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ھوا۔ درباریوں سے خواجہ
سوداگر کا ذکر کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ مجھکو خبر ھوئی۔ میر شکار کو
میں نے رو برو طلب کیا اور سوداگر کا احوال پوچھا۔

اس نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا۔ سننے سے کتے کے
تجمل کے اور دو آدمیوں کے پنجرے میں قید ھونے کے مجھکو
خفگی آئی۔ میں نے فرمایا۔ "وہ مردود تاجر واجب القتل ھے۔"
نسقچیوں کو حکم کیا کہ "جلد جاؤ۔ اس بے دین کا سر کاٹ لاؤ۔"
قضاکار وھی ایلچی فرنگ کا دربار میں حاضر تھا۔ مسکرایا۔ مجھے
اور بھی غضب زیادہ ھوا۔ فرمایا کہ "اے بے ادب! پادشاھوں کے
حضور میں بے سبب دانت کھولنے ادب سے باھر ھیں۔ بے محل
ھنسنے سے رونا بہتر ھے۔" اس نے التماس کیا۔ "جہاں پناہ! کئی
باتیں خیال میں گذریں۔ لہذا فدوی متبسم ھوا۔ پہلے یہ کہ وزیر
سچا ھے، اب قید خانے سے رھائی پاویگا۔ دوسرے یہ کہ پادشاہ
خون ناحق سے اس وزیر کی بچے۔ تیسرے یہ کہ قبلۂ عالم نے

بے سبب اور بے تقصیر اس سوداگر کو حکم قتل کا کیا۔ ان حرکتوں سے تعجب آیا کہ بے تحقیق ایک بے وقوف کے کہنے سے آپ ہر کسو کو حکم قتل کا کر بیٹھتے ہیں۔ خدا جانے فی الحقیقت اس خواجہ کا احوال کیا ہے! اسے حضور میں طلب کیجئے۔اور اسکی واردات پوچھئے۔ اگر تقصیر وار ٹھہرے تب مختار ہو۔جو مرضی میں آوے اس سے سلوک کیجئے،،۔

جب ایلچی نے اسطرح سے سمجھایا۔مجھے بھی وزیر کا کہنا یاد آیا۔فرمایا ''جلد سوداگر کو اسکے بیٹے کے ساتھ اور وہ سگ اور قفس حاضر کرو۔،، قورچی اسکے بلانے کو دوڑائے۔ایک دم میں سب کو حضور میں لے آئے۔ رو برو طلب کیا۔ پہلے خواجہ اور اسکا پسر آیا۔ دونوں لباس فاخرہ پہنے ہوئے۔ سوداگر بچے کا جمال دیکھنے سے سب ادنا اعلا حیران اور بھیچک ہوئے۔ ایک خوان طلائی جواہر سے بھرا ہوا (کہ ہر ایک رقم کی چھوٹ نے سارے مکان کو روشن کردیا) سوداگر بچہ ہاتھ میں لئے آیا۔اور میرے تخت کے آگے نچھاور کیا۔ آداب کورنشات بجا لا کر کھڑا ہوا۔ خواجہ نے بھی زمین چومی اور دعا کرنے لگا۔اس گویائی سے بولتا تھا کہ گویا بلبل ہزار داستان ہے۔ میں نے اسکی لیاقت کو بہت پسند کیا۔ لیکن عتاب کے رو سے کہا۔ ''اے شیطان آدمی کی صورت! تونے یہ کیا جال پھیلایا ہے۔اور اپنی راہ میں کنوأں کھودا ہے؟تیرا کیا دین ہے اور یہ کون آئین ہے؟ کس پیغمبر کی امت ہے؟ اگر کافر ہے تو بھی یہ کیسی مت ہے۔ اور تیرا کیا نام ہے کہ تیرا یہ کام ہے،،۔

ان نے کہا ''قبلۂ عالم کی عمر و دولت بڑھتی رہے۔غلام کا دین یہ ہے ۔کہ خدا واحد ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں اور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا کلمہ پڑھتا ہوں۔ اور اسکے بعد بارہ امام کو اپنا پیشوا جانتا ہوں۔ اور آئین میری* یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں۔اور روزہ رکھتا ہوں۔ اور حج بھی کر آیا ہوں۔ اور اپنے مال سے خمس زکواۃ دیتا ہوں۔ اور مسلمان کہاتا ہوں۔ لیکن ظاہر میں یہ سارے عیب جو مجھ میں بھرے ہیں۔ جنکے سبب سے آپ ناخوش ہوئے ہیں اور تمام خلق اللہ میں بدنام ہو رہا ہوں۔ اسکا ایک باعث ہے کہ ظاہر نہیں کر سکتا ۔ ہر چند سگ پرست مشہور ہوں اور مضاعف محصول دیتا ہوں یہ سب قبول کیا ہے ۔ پر دل کا بھید کسو سے نہیں کہا ۔'' اس بہانے سے میرا غصہ زیادہ ہوا اور کہا۔ ''مجھے تو باتوں میں پھسلاتا ہے۔میں نہیں ماننے کا جب تلک اس اپنی گمراہی کی دلیل معقول عرض نہ کرے کہ میرے دل نشیں ہو ۔ تب تو جان سے بچیگا ۔ نہیں تو اسکے قصاص میں تیرا پیٹ چاک کرواؤنگا ۔ تو سب کو عبرت ہو کہ بار دیگر کوئی دین محمدی میں رخنہ نہ کرے''

خواجہ نے کہا ۔ ''اے پادشاہ! مجھ کمبخت کے خون سے در گذر کر۔ اور جتنا مال میرا ہے کہ گنتی اور شمار سے باہر ہے سب کو ضبط کرلے۔ اور مجھے اور میرے بیٹے کو اپنے تخت کے تصدق کر کر چھوڑ دے اور جان بخشی کر ۔'' میں نے تبسم کرکے کہا۔ ''اے بیوقوف! اپنے مال کی طمع مجھے دکھاتا ہے۔ سوائے

---

* آئین مذکر ہے

سچ بولنے کے اب تیری مخلصی نہیں۔،، یہ سنتے ہی خواجہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے۔ اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھکر ایک آہ بھری اور بولا۔ ،،میں تو پادشاہ کے روبرو گنہگار ٹھہرا۔ مارا جاؤنگا۔ اب کیا کروں؟ تجھے کسکو سونپوں؟،، میں نے ڈانٹا کہ ،،اے مکار! بس اب عذر بہت کئے۔ جو کہنا ہے جلد کہہ،،۔

تب تو اس مرد نے قدم بڑھا کر تخت کے پاس آکر پائے کو بوسہ دیا اور صفت و ثنا کرنے لگا اور بولا۔ ،،اے شہنشاہ! اگر حکم قتل کا میرے حق میں نہ ہوتا۔ تو سب سیاستیں سہتا اور اپنا ماجرا نہ کہتا۔ لیکن جان سب سے عزیز ہے۔ کوئی آپ سے کوئے میں نہیں گرتا۔ پس جان کی محافظت واجب ہے۔ اور ترک واجب کا خلاف حکم خدا کے ہے۔ خیر جو مرضئ مبارک یہی ہے۔ تو سرگذشت اس پیر ضعیف کی سنئیے۔ پہلے حکم ہو کہ وہ دونوں قفس جن میں دو آدمی قید ہیں حضور میں لا کر رکھیں۔ میں اپنا احوال کہتا ہوں۔ اگر کہیں جھوٹ کہوں۔ تو ان سے پوچھکر مجھے قائل کیجئے اور انصاف فرمائیے۔،، مجھے یہ بات اسکی پسند آئی۔ پنجروں کو منگوا کران دونوں کو نکلوا کر خواجہ کے پاس کھڑا کیا۔

خواجہ نے کہا ،،اے پادشاہ! یہ مرد جو داھنی طرف ہے غلام کا بڑا بھائی ہے۔ اور جو بائیں کو کھڑا ہے منجھلا برادر ہے۔ میں ان دونوں سے چھوٹا ہوں۔ میرا باپ ملک فارس میں سوداگر تھا۔ جب میں چودہ برس کا ہوا قبلہ گاہ نے رحلت کی۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی۔ اور پھول اٹھ چکے۔ ایک روز ان دونوں بھائیوں نے مجھے کہا۔ کہ ،،اب باپ کا مال جو کچھ ہے

تقسیم کر لیں۔ جسکا دل جو چاھے سو کام کرے۔'' میں نے سنکر کہا ''اے بھائیو! یہ کیا بات ھے؟ میں تمھارا غلام ھوں۔ بھائی چارے کا دعویٰ نہیں رکھتا۔ ایک باپ مر گیا۔ تم دونوں میرے پدر کی جگہ میرے سر پر قائم ھو۔ ایک نان خشک چاھتا ھوں جس میں زندگی بسر کروں اور تمھاری خدمت میں حاضر رھوں۔ مجھے حصے بخرے سے کیا کام ھے؟ تمھارے آگے کے جھوٹے سے اپنا پیٹ بھر لونگا۔ اور تمھارے پاس رھونگا۔ میں لڑکا ھوں۔ کچھ پڑھا لکھا بھی نہیں۔ مجھ سے کیا ھو سکیگا؟ ابھی تم مجھے تربیت کرو،،—

یہ سنکر جواب دیا کہ ''تو چاھتا ھے اپنے ساتھ ھمیں بھی خراب اور محتاج کرے،،۔ میں چپکا ایک گوشے میں جا کر رونے لگا۔ پھر دل کو سمجھایا کہ بھائی آخر بزرگ ھیں۔ میری تعلیم کی خاطر چشم نمائی کرتے ھیں کہ کچھ سیکھے۔ اسی فکر میں سو گیا۔ صبح کو ایک پیادہ قاضی کا آیا اور مجھے دارالشرع میں لیگیا۔ وھاں دیکھا تو یہی دونوں بھائی حاضر ھیں۔ قاضی نے کہا ''کیوں اپنے باپ کا ورثہ بانٹ چونٹ نہیں لیتا؟،، میں نے گھر میں جو کہا تھا وھاں بھی جواب دیا۔ بھائیوں نے کہا۔ ''اگر یہ بات اپنے دل سے کہتا ھے۔ تو ھمیں لا دعویٰ لکھدے۔ کہ باپ کے مال و اسباب سے مجھے کچھ علاقہ نہیں۔،، تب بھی میں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں میرے بزرگ ھیں۔ میری نصیحت کے واسطے کہتے ھیں۔ کہ باپ کا مال لیکر بیجا تصرف نہ کرے۔ بموجب ان کی مرضی کے فارغ خطی بہ مہر قاضی میں نے لکھدی۔ یہ راضی ھوئے۔ میں گھر میں آیا۔—

دوسرے دن مجھسے کہنے لگے۔ ''اے بھائی! یہ مکان جس میں تو رہتا ہے ہمیں درکار ہے۔ تو اپنی بود و باش کی خاطر اور جگہ لیکر جا رہ۔'' تب میں نے دریافت کیا کہ یہ باپ کی حویلی میں بھی رہنے سے خوش نہیں۔ لاچار ارادہ اٹھ جانیکا کیا۔ جہاں پناہ! جب میرا باپ جیتا تھا۔ تو جس وقت سفر سے آتا۔ ہر ایک ملک کا تحفہ بطریق سوغات کے لاتا اور مجھے دیتا۔ اس واسطے کہ چھوٹے بیٹے کو ہر کوئی زیادہ پیار کرتا ہے۔ میں نے ان کو بینچ بینچ کر تھوڑی سی اپنی نج کی پونجی بہم پہنچائی تھی۔ اسی سے کچھ خرید فروخت کرتا۔ ایکبار لونڈی میری خاطر ترکستان سے میرا باپ لایا۔ اور ایک دفعہ گھوڑے لیکر آیا۔ ان میں سے ایک بچھیڑا نا کند کہ ھونہار تھا۔ وہ بھی مجھے دیا۔ میں اپنے پاس سے دانہ گھاس اسکا کرتا تھا۔

آخر انکی بے مروتی دیکھکر ایک حویلی خرید کی۔ وھاں جا رہا۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔ واسطے ضروریات کے اسباب خانہ داری کا جمع کیا۔ اور دو غلام خدمت کی خاطر مول لئے۔ اور باقی پونجی سے ایک دوکان بزّازی کی کرکے خدا کے توکل پر بیٹھا۔ اپنی قسمت پر راضی تھا۔ اگرچہ بھائیوں نے بد خلقی کی۔ پر خدا جو مہربان ھوا۔ تین برس کے عرصے میں ایسی دوکان جمی کہ میں صاحب اعتبار ھوا۔ سب سرکاروں میں جو تحفہ چاھتا۔ میری ھی دوکان سے جاتا۔ اس میں بہت سے روپے کمائے۔ اور نہایت فراغت سے گذرنے لگی۔ ہر دم جناب باری میں شکرانہ کرتا۔ اور آرام سے رہتا۔ یہ کبت اکثر اپنے احوال پر پڑھتا۔

रूठे कूं न राजा? वा तें कछू नाहीं काजा; एक तूसे महाराजा, और कौन को सराहिये?
रूठे कूं न भाई? वा तें कछू न वसाई; एक तूही है सहाई, और कौन पास जाइये?
रूठे कूं न मित्र, शत्रु? आठों जाम एक रावरे चरन के नेह को निभाइये.
संसार है रूठा, एक तू है अनूठा, सब चूमेंगे अंगूटा, एक तू न रूठा चाहिये.

روٹھے کیوں نہ راجا، واتیں کچھو ناھیں کاجا،
ایک تو سے مہاراجا، اور کون کو سراھئیے
روٹھے کیوں نہ بھائی واتیں کچھو نہ بسائی،
ایک تو ھی ھے سہائی، اور کون پاس جائیے
روٹھے کیوں نہ متر، شتر آٹھوں جام
ایک راورے چرن کے نیہ کو نبھائیے
سنسار ھے روٹھا، ایک تو ھے انوٹھا،
سب چومیں گے انگوٹھا، ایک تو نہ روٹھا چاھئے

اتفاقاً جمعے کے روز میں اپنے گھر بیٹھا تھا کہ ایک غلام میرا سودے سلف کو بازار گیا تھا۔ بعد ایک دم کے روتا ھوا آیا۔ میں نے سبب پوچھا کہ ”تجھے کیا ھوا؟“ خفا ھو کر بولا کہ ”تمھیں کیا کام ھے؟ تم خوشی مناؤ۔ لیکن قیامت میں کیا جواب دوگے؟“ میں نے کہا ”ارے حبشی! ایسی کیا بلا تجھپر نازل ھوئی؟“ اس نے کہا ”یہ غضب ھے کہ تمھارے بڑے بھائیوں کی، چوک کے چوراھے میں ایک یہودی نے مشکیں باندھیں ھیں۔اور قمچیاں مارتا ھے۔اور ھنستا ھے کہ۔ اگر میرا روپیے نہ دوگے تو مارتے مارتے مار ھی ڈالونگا۔ بھلا مجھے ثواب تو ھوگا۔ پس تمھارے بھائیوں کی یہ نوبت اور تم بے فکر ھو۔ یہ بات اچھی ھے۔ لوگ کیا کہینگے؟“ یہ غلام سے سنتے ھی لہو نے جوش کیا۔ ننگے پاؤں بازار کی طرف دوڑا

اور غلاموں کو کہا ’’جلد روپے لیکر آؤ۔،، جونہیں وهاں گیا۔ دیکھا تو جو کچھ غلام نے کہا تھا سچ ھے۔ ان پر سار پڑ رہی ھے۔ حاکم کے پیادوں کو کہا۔ ’’واسطے خدا کے ذرا رہ جاؤ۔ میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسی کیا تقصیر کی ھے جس کے بدلے یہ تعزیر کی ھے؟،،

یہ کہکر میں یہودی کے نزدیک گیا اور کہا۔ ’’آج روز ادینہ ھے۔ ان کو کیوں ضرب شلاق کر رہا ھے؟،، اس نے جواب دیا ’’اگر حمایت کرتے ہو۔ تو پوری کرو۔ ان کے عوض روپے حوالے کرو۔ نہیں تو اپنے گھر کی راہ لو۔،، میں نے کہا۔ ’’کیسے روپے؟ دست آویز نکال۔ میں روپے گن دیتا ہوں۔،،ان نے کہا ’’تمسک حاکم کے پاس دے آیا ہوں۔،، اس میں میرے دونوں غلام دو بدرہ روپے لیکر آئے۔ هزار روپے میں نے یہودی کو دئے اور بھائیوں کو چھڑایا۔ ان کی یہ صورت ہو رہی تھی کہ بدن سے ننگے اور بھوکے پیاسے۔ اپنے همراہ گھر میں لایا۔ وونہیں حمام میں نہلوایا۔ نئی پوشاک پہنائی، کھانا کھلایا۔ هرگز ان سے یہ نہ کہا۔ کہ ’’اتنا مال باپ کا تم نے کیا کیا؟،، شاید شرمندہ ہوں۔

اے پادشاہ! یے دونوں موجود ھیں۔ پوچھئے کہ سچ کہتا ہوں یا کوئی بات جھوٹ بھی ھے؟ خیر جب کئی دن میں مار کی کوفت سے بحال ہوئے۔ ایک روز میں نے کہا۔ کہ ’’اے بھائیو! اب اس شہر میں تم بے اعتبار ہو گئے ہو۔ بہتر یہ ھے کہ چند روز سفر کرو۔،، یہ سنکر چپ ہورھے۔ میں نے معلوم کیا کہ راضی ھیں۔ سفر کی تیاری کرنے لگا۔ پال پرتل، بار برداری اور سواری کی فکر

کر کے بیس ہزار روپے کی جنس تجارت کی خرید کی۔ ایک قافلہ سوداگروں کا بخارے کو جاتا تھا۔ان کے ساتھ کر دیا۔

بعد ایک سال کے وہ کارواں پھر آیا۔ ان کی خیر خبر کچھ نہ پائی۔ آخر ایک آشنا سے قسمیں دیکر پوچھا۔ اس نے کہا ”جب بخارے میں گئے ایک نے جوئے خانے میں اپنا تمام مال ہار دیا۔اب وہاں کی جاروب کشی کرتا ہے۔ اور پھڑ کو لیپتا پوتتا ہے۔ جواری جو جمع ہوتے ہیں ان کی خدمت کرتا ہے۔وہ بطریق خیرات کے کچھ دیتے ہیں۔وہاں گرگا بنا پڑا رہتا ہے۔ اور دوسرا بوزہ فروش کی لڑکی پر عاشق ہو اپنا مال سارا صرف کیا۔اب وہ بوزے خانے کی ٹہل کیا کرتا ہے۔ قافلے کے آدمی اس لئے نہیں کہتے کہ تو شرمندہ ہوگا“۔

یہ احوال اس شخص سے سنکر میری عجب حالت ہوئی۔مارے فکر کے نیند بھوک جاتی رہی۔ زاد راہ لیکر قصد بخارے کا کیا۔ جب وہاں پہنچا دونوں کو ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر اپنے مکان میں لایا۔ غسل کروا کر نئی پوشاک پہنائی۔ اور ان کی خجالت کے ڈر سے ایک بات منھ پر نہ رکھی۔ پھر مال سوداگری کا ان کے واسطے خریدا۔ اور ارادہ گھر کا کیا۔ جب نزدیک نیشاپور کے آیا۔ ایک گاؤں میں بہ مع مال اسباب ان کو چھوڑ کر گھر میں آیا۔اس لئے کہ میرے آنے کی کسو کو خبر نہ ہو۔ بعد دو دن کے مشہور کیا کہ میرے بھائی سفر سے آئے ہیں۔ کل ان کے استقبال کی خاطر جاؤنگا۔ صبح کو چاہا کہ جاؤں۔ ایک گرہست اسی موضع کا میرے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا۔ میں اسکی آواز سنکر باہر نکلا۔ اسے روتا

دیکھکر پوچھا کہ ''کیوں زاری کرتا ہے؟'' وہ بولا ''تمھارے بھائیوں کے سبب سے ہمارے گھر لوٹے گئے۔ کاش کے ان کو تم وہاں نہ چھوڑ آتے!''

میں نے پوچھا ''کیا مصیبت گذری؟'' بولا کہ رات کو ڈاکا آیا۔ ان کا مال و اسباب لوٹا اور ہمارے گھر بھی لوٹ لے گئے۔'' میں نے افسوس کیا اور پوچھا کہ ''اب وے دونوں کہاں ہیں؟'' کہا ''شہر کے باہر ننگے منگے خراب خستہ بیٹھے ہیں۔'' وونہیں دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ لیکر گیا۔ پہنا کر گھر میں لایا۔ لوگ سنکر ان کے دیکھنے کو آتے تھے۔ اور یہ مارے شرمندگی کے باہر نہ نکلتے تھے۔ تین مہینے اسی طرح گذرنے۔ تب میں نے اپنے دل میں غور کی۔ کہ کب تلک یہ کونے میں دبکے بیٹھے رہینگے۔ بنے تو ان کو اپنے ساتھ سفر میں لیجاؤں۔

بھائیوں سے کہا۔ ''اگر فرمائیے تو یہ فدوی آپ کے ساتھ چلے؟'' یے خاموش رہے۔ پھر لوازمہ سفر کا اور جنس سوداگری کی تیار کرکے چلا اور ان کو ساتھ لیا۔ جس وقت مال کی زکواۃ دیکر اسباب کشتی پر چڑھایا۔ اور لنگر اٹھایا۔ ناؤ چلی۔ یہ کتا کنارے پر سو رہا تھا۔ جب چونکا اور جہاز کو مانجھ دھار میں دیکھا حیران ہو کر بھونکا۔ اور دریا میں کود پڑا اور پیرنے لگا۔ میں نے ایک پنسوئی دوڑا دی۔ بارے سگ کو لیکر کشتی میں پہنچایا۔ ایک مہینا خیر و عافیت سے دریا میں گذرا۔ کہیں منجھلا بھائی میری لونڈی پر عاشق ہوا۔ ایک دن بڑے بھائی سے کہنے لگا۔ کہ ''چھوٹے بھائی کی منت اٹھانے سے بڑی شرمندگی حاصل ہوئی۔ اس کا

تدارک کیا کریں؟،، بڑے نے جواب دیا کہ ،،ایک صلاح دل میں ٹھہرائی ہے۔ اگر بن آوئے تو بڑی بات ہے۔،، آخر دونوں نے مصلحت کرکے تجویز کی کہ اسے مار ڈالیں۔ اور سارے مال اسباب کے قابض متصرف ہوں۔

ایک دن میں جہاز کی کوٹھری میں سوتا تھا۔اور لونڈی پاؤں داب رہی تھی کہ منجھلا بھائی آیا اور جلدی سے مجھے جگایا۔ میں ہڑبڑا کر چونکا اور باہر نکلا۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ ہولیا۔ دیکھوں تو بڑا بھائی جہاز کی باڑ پر ہاتھ ٹیکے نہوڑا ہوا تماشا دریا کا دیکھ رہا ہے۔ اور مجھے پکارتا ہے۔ میں نے پاس جاکر کہا ،،خیر تو ہے؟،، بولا ،،عجب طرح کا تماشا ہورہا ہے کہ دریائی آدمی موتی کی سیپیاں اور مونگے کے درخت ہاتھ میں لئے ہوئے ناچتے ہیں۔،، اگر اور کوئی ایسی بات خلاف قیاس کہتا تو میں نہ مانتا۔ بڑے بھائی کے کہنے کو راست جانا۔ دیکھنے کو سر جھکایا۔ ہر چند نگاہ کی کچھ نظر نہ آیا۔ اور وہ یہی کہتا رہا۔ ،،اب دیکھا؟،، لیکن کچھ ہو تو دیکھوں۔ اس میں مجھے غافل پاکر منجھلے نے اچانک پیچھے آکر ایسا ڈھکیلا کہ بے اختیار پانی میں گر پڑا۔ اور وہ رونے دھونے لگے کہ ،،دوڑیو ہمارا بھائی دریا میں ڈوبا،،۔

اتنے میں ناؤ بڑھ گئی۔ اور دریا کی لہر مجھے کہیں سے کہیں لیگئی۔ غوطے پر غوطا کھاتا تھا۔ اور موجوں میں چلا جاتا تھا۔ آخر تھک گیا۔ خدا کو یاد کرتا تھا۔ کچھ بس نہ چلتا تھا۔ ایکبارگی کسو چیز پر ہاتھ پڑا۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو یہی کتا ہے۔ شاید جس دم مجھے دریا میں ڈالا۔میرے ساتھ یہ بھی

کودا اور پیرتا ہوا میرے ساتھ چلا جاتا تھا ۔ میں نے اسکی دم پکڑ لی ۔ اللہ نے اسکو میری زندگی کا سبب کیا ۔ سات دن اور رات یہی صورت گذری ۔ آٹھویں دن کنارے جا لگے ۔ طاقت مطلق نہ تھی ۔ لیٹے لیٹے کروٹیں کھا کر جوں توں اپنے تئیں خشکی میں ڈالا ۔ ایک دن بیہوش پڑا رہا، دوسرے دن کتے کی آواز کان میں گئی ۔ ہوش میں آیا ۔ خدا کا شکر بجا لایا ۔ ادھر ادھر دیکھنے لگا ۔ دور سے سواد شہر کا نظر آیا ۔ لیکن قوت کہاں کہ ارادہ کروں! لاچار دو قدم چلتا پھر بیٹھتا ۔ اسی حالت سے شام تک کوس بھر راہ کاٹی ۔

بیچ میں ایک پہاڑ ملا ۔ رات کو وہاں گر رہا ۔ صبح کو شہر میں ۔ داخل ہوا ۔ جب بازار میں گیا ۔ نان بائی اور حلوائیوں کی دوکانیں نظر آئیں ۔ دل ترسنے لگا ۔ نہ پاس پیسا جو خرید کروں ۔ نہ جی چاہے کہ مفت مانگوں ۔ اسی طرح اپنے دل کو تسلی دیتا ہوا کہ اگلی دوکان سے لونگا چلا جاتا تھا ۔ آخر طاقت نہ رہی اور پیٹ میں آگ لگی ۔ نزدیک تھا کہ روح بدن سے نکلے ۔ ناگاہ دو جوان کو دیکھا کہ لباس عجم کا پہنے ۔ اور ہاتھ پکڑے چلے آتے ہیں ۔ ان کو دیکھکر خوش ہوا کہ یہ اپنے ملک کے انسان ہیں ۔ شاید آشنا صورت ہوں ۔ ان سے اپنا احوال کہونگا ۔ جب نزدیک آئے تو میرے دونوں برادر حقیقی تھے ۔ دیکھکر نپٹ شاد ہوا ۔ شکر خدا کا کیا کہ خدا نے آبرو رکھ لی ۔ غیر کے آگے ہاتھ نہ پسارا ۔ نزدیک جا کر سلام کیا اور بڑے بھائی کا ہاتھ چوما ۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی غل و شور کیا ۔ منجھلے بھائی نے تماچا مارا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑا ۔ بڑے بھائی کا دامن پکڑا کہ شاید یہ حمایت کریگا ۔ اس نے لات ماری ۔

غرض دونوں نے مجھے خوب خورد خام کیا۔اور حضرت یوسف کے بھائیوں کا سا کام کیا - ہر چند میں نے خدا کے واسطے دئے اور گھگیایا ہرگز رحم نہ کھایا - ایک خلقت اکٹھی ہوئی۔سب نے پوچھا ''اسکا کیا گناہ ہے؟'' تب بھائیوں نے کہا۔ ''یہ حرام زادہ ہمارے بھائی کا نوکر تھا۔ سو اسکو دریا میں ڈال دیا۔ اور مال اسباب سب لے لیا - ہم مدت سے تلاش میں تھے -آج اس صورت سے نظر آیا -'' اور مجھسے پوچھتے تھے کہ ''اے ظالم! یہ کیا ترے دل میں آیا کہ ہمارے بھائی کو مار کھپایا! کیا اس نے تیری تقصیر کی تھی؟ ان نے تجھسے کیا برا سلوک کیا تھا کہ اپنا مختار بنایا تھا؟'' پھر ان دونوں نے اپنے گریبان چاک کر ڈالے۔ اور بے اختیار جھوٹھ موٹھ بھائی کی خاطر روتے تھے۔اور لات مکے مجھپر کرتے تھے--

اس میں حاکم کے پیادے آئے۔ان کو ڈانٹا کہ ''کیوں مارتے ہو؟'' اور میرا ہاتھ پکڑ کر کوتوال کے پاس لیگئے۔ یے دونوں بھی ساتھ چلے اور حاکم سے بھی یہی کہا - اور بطور رشوت کے کچھ دیکر اپنا انصاف چاہا - اور خون ناحق کا دعویٰ کیا - حاکم نے مجھ سے پوچھا - میری یہ حالت تھی کہ مارے بھوک کے اور مار پیٹ کے طاقت گویائی کی نہ تھی - سر نیچے کئے کھڑا تھا۔ کچھ منھ سے جواب نہ نکلا - حاکم کو بھی یقین ہوا کہ یہ مقرر خونی ہے - فرمایا کہ ''اسے میدان میں لیجا کر سولی دو۔'' جہاں پناہ! میں نے روپے دیکر ان کو یہودی کے قید سے چھڑایا تھا۔ اس کے عوض انھوں نے بھی روپے خرچ کرکے میری جان کا قصد کیا - یے دونوں حاضر ہیں - ان سے پوچھئے کہ میں اس میں

سر مو تفاوت کہتا ہوں ۔ خیر مجھے لیگئے ۔ جب دار کو دیکھا ۔ ہاتھ زندگی سے دھوئے ۔

سوائے اس کتے کے کوئی میرا رونے والا نہ تھا ۔ اس کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک آدمی کے پاؤں میں لوٹتا اور چلاتا تھا ۔ کوئی لکڑی کوئی پتھر سے مارتا لیکن یہ اس جگہ سے نہ سرکتا ۔ اور میں رو بہ قبلہ کھڑا ہو خدا کو کہتا تھا ۔ کہ ''اسوقت میں تیری ذات کے سوا میرا کوئی نہیں جو آڑے آوے اور بیگناہ کو بچاوے ۔ اب تو ہی بچاوے تو بچتا ہوں ۔'' یہ کہکر کلمہ شہادت کا پڑھ کر تیورا کر گر پڑا ۔ خدا کی حکمت سے اس شہر کے بادشاہ کو قلنج کی بیماری ہوئی ۔ امرا اور حکیم جمع ہوئے ۔ جو علاج کرتے تھے فائدہ مند نہ ہوتا تھا ۔ ایک بزرگ نے کہا کہ ''سب سے بہتر یہ دوا ہے کہ محتاجوں کو کچھ خیرات کرو اور بندیوانوں کو آزاد کرو ۔ دوا سے دعا میں بڑا اثر ہے'' ۔ وونہیں بادشاہی چیلے پنڈت خانوں کے طرف دوڑے ۔

اتفاقاً ایک اس میدان میں آنکلا ۔ ازدہام دیکھکر معلوم کیا کہ کسو کو سولی چڑھاتے ہیں ۔ یہ سنتے ہی گھوڑے کو دار کے نزدیک لاکر تلوار سے طنابیں کاٹ دیں ۔ حاکم کے پیادوں کو ڈانٹا اور تنبیہ کی ''کہ ایسے وقت میں کہ پادشاہ کی یہ حالت ہے ۔ تم خدا کے بندے کو قتل کرتے ہو!'' اور مجھے چھڑوا دیا ۔ تب یہ دونوں بھائی پھر حاکم کے پاس گئے ۔ اور میرے قتل کے واسطے کہا ۔ شحنہ نے تو رشوت کھائی تھی ۔ جو یہ کہتے تھے سو کرتا تھا ۔

کوتوال نے ان سے کہا کہ ''خاطر جمع رکھو۔ اب میں اسے ایسا قید کرتا ہوں کہ آپ سے آپ مارے بھوکوں کے بے آب و دانہ مرجاوے۔ کسو کو خبر نہ ہووے''۔ مجھے پکڑ لائے اور ایک گوشے میں رکھا۔ اس شہر سے باہر کوس ایک پر ایک پہاڑ تھا کہ حضرت سلیمان کے وقت میں دیوؤں نے ایک کوا تنگ و تاریک اس میں کھودا تھا۔ اس کا نام زندان سلیماں کہتے تھے۔ جس پر بڑا غضب پادشاہی ہوتا۔ اسے وہاں محبوس کرتے۔ وہ خود بخود مر جاتا القصہ رات کو چپکے یہ دونوں بھائی اور کوتوال کے ڈنڈے نے مجھے اس پہاڑ پر لیگئیے۔ اور اس غار میں ڈالکر اپنی خاطر جمع کرکے پھرے۔ اے بادشاہ! یہ کتا میرے ساتھ چلا گیا۔ جب مجھے کوئے میں گرایا۔ تب یہ اسکے مینڈ پر لیٹ رہا۔ میں اندر بیہوش پڑا تھا۔ ذرا سرت آئی تو میں اپنے تئیں مردہ خیال کیا اور اس مکان کو گور سمجھا۔ اس میں دو شخصوں کی آواز کان میں پڑی کہ کچھ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ یہی معلوم کیا کہ نکیر منکر ہیں۔ تجھسے سوال کرنے آئے ہیں۔ سرسراہٹ رسی کی سنی۔ جیسے کسو نے وہاں لٹکائی۔ میں حیرت میں تھا۔ زمین کو ٹٹولتا تو ہڈیاں ہاتھ میں آتیں۔

بعد ایک ساعت کے آواز چپڑ چپڑ منہ چلانے کی میرے کان میں آئی۔ جیسے کوئی کچھ کھاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ''اے خدا کے بندو! تم کون ہو؟ خدا کے واسطے بتاؤ''۔ وہ ہنسے اور بولے۔ ''یہ زنداں مہتر سلیماں کا ہے۔ اور ہم قیدی ہیں''۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا میں جیتا ہوں؟'' پھر کھلکھلا کر ہنسے اور کہا۔ ''اب تلک تو تو زندہ ہے۔ پر اب مریگا''۔ میں نے کہا۔ ''تم کھاتے ہو۔

کیا ہو جو مجھے بھی تھوڑا سا دو؟،، تب جنجھلا کر خالی جواب دیا اور کچھ نہ دیا۔ وہ کھا پی کر سو رہے۔ میں مارے ضعف و ناتوانی کے غش میں پڑا روتا تھا۔ اور خدا کو یاد کرتا تھا۔ قبلۂ عالم! سات دن دریا میں اور اتنے دن بھائیوں کے بہتان کے سبب دانہ نہ میسر آیا۔ علاوہ کھانے کے بدلے مار پیٹ کھائی۔ اور ایسے زنداں میں پھنسا کہ صورت رہائی کی مطلق خیال میں بھی نہ آتی تھی —

آخر جاں کندنی کی نوبت پہنچی۔ کبھودم آتا کبھو نکل جاتا تھا۔ لیکن کبھو کبھو آدھی رات کو ایک شخص آتا اور رومال میں روٹیاں اور پانی کی صراحی ڈوری میں باندھ کر لٹکا دیتا اور پکارتا۔ وہ دونوں آدمی جو میرے پاس محبوس تھے لے لیتے اور کھاتے پیتے۔ اوپر سے کتے نے ہمیشہ یہ احوال دیکھتے دیکھتے عقل دوڑائی۔ کہ جسطرح یہ شخص آب و نان کوئے میں لٹکا دیتا ہے۔ تو بھی ایسی فکر کر کہ کچھ اس بے کس کو جو میرا خاوند ہے آزقہ پہنچے تو اسکا دم بچے۔ یہ خیال کرکے شہر میں گیا۔ نان بائی کی دوکان میں منبر پر گِردے چنے ہوئے دھرے تھے۔ جست مار کر ایک کلچہ منھ میں لیا اور بھاگا۔ لوگ پیچھے دوڑے۔ ڈھیلے مارتے تھے لیکن اس نے نان کو نہ چھوڑا۔ آدمی تھک کر پھرے، شہر کے کتے پیچھے لگے۔ ان سے لڑتا بھڑتا روٹی کو بچائے اس چاہ پر آیا۔ اور نان کو اندر ڈال دیا۔ روز روشن تھا۔ میں نے روٹی کو اپنے پاس پڑا دیکھا اور کتے کی آواز سنی۔ کلچے کو اٹھا لیا۔ اور یہ کتا روٹی پھینک کر پانی کی تلاش میں گیا —

کسی گاؤں کے کنارے ایک بڑھیا کی جھونپڑی تھی۔ ٹھلیا

اور بدھنا پانی سے بھرا ہوا دھرا تھا ۔ اور وہ پیرزن چرخہ کاتتی تھی ۔ کتا کوزے کے نزدیک گیا ۔ چاہا کہ لوٹے کو اٹھاوے ۔ عورت نے ڈانٹا ۔ لوٹا اسکے منہ سے چھوٹا ۔ گھڑے پر گرا ۔ مٹکا پھوٹا ۔ باقی باسن لُڑھ گئے ۔ پانی بہہ چلا ۔ بڑھیا لکڑی لیکر مارنے کو اٹھی ۔ یہ سگ اسکے دامن میں لپٹ گیا ۔ اس کے پاؤں پر منہ ملنے اور دم ہلانے لگا۔ اور پہاڑ کی طرف دوڑ گیا۔ پھر اسکے پاس آکر کبھو رسی اٹھاتا ۔ کبھو ڈول منہ میں پکڑ کر دکھاتا ۔ اور منہ اس کے قدموں پر رگڑتا ۔ اور آنچل چادر کا پکڑ کر کھینچتا ۔ خدا نے اس عورت کے دل میں رحم دیا کہ ڈول رسی کو لیکر اسکے ہمراہ چلی ۔ یہ اسکا آنچل پکڑے گھر سے باہر ہوکر، آگے آگے ہولیا —

آخر اسکو پہاڑ ہی پر لے آیا ۔ عورت کے جی میں کتے کی اس حرکت سے الہام ہوا کہ اس کا میاں مقرر اس غار میں گرفتار ہے ۔ شاید اسکی خاطر پانی چاہتا ہے ۔ غرض پیر زن کو لئے ہوئے غار کے منہ پر آیا ۔ عورت نے لوٹا پانی کا بھر کر رسی سے لٹکایا ۔ میں نے وہ باسن لے لیا اور نان کا ٹکڑا کھایا۔دو تین گھونٹ پانی پیا ۔ اس پیٹ کے کتے کو راضی کیا ۔ خدا کا شکر کر کر ایک کنارے بیٹھا اور خدا کی رحمت کا منتظر تھا ۔ کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ یہ حیوان بے زبان اسی طور سے نان لے آتا ۔ اور بڑھیا کے ہاتھ پانی پلواتا ۔ جب بھٹیاروں نے دیکھا کہ کتا ہمیشہ روٹی لیجاتا ہے ۔ ترس کھا کر مقرر کیا کہ جب اسے دیکھتے ایک گردا اسکے آگے پھینک دیتے ۔ اور اگر وہ عورت پانی نہ لاتی ۔ تو یہ اسکے باسن پھوڑ ڈالتا ۔ لاچار وہ بھی ہر روز ایک صراحی پانی کی دے جاتی ۔ اس رفیق نے آب و نان سے میری خاطر جمع کی ۔ اور آپ

زندان کے منہ پر پڑا رہتا - اسی طرح چھ مہینے گذرے - لیکن جو آدمی ایسے زندان میں رہے کہ دنیا کی ہوا اسکو نہ لگے - اسکا کیا حال ہو! نرا پوست و استخوان مجھ میں باقی رہا - زندگی وبال ہوئی - جی میں آوے کہ یا الٰہی! یہ دم نکل جاوے تو بہتر ہے -

ایک روز رات کو وہ دونوں قیدی سوتے تھے - میرا دل امنڈ آیا - بے اختیار رونے لگا - اور خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کرنے لگا - پچھلے پہر کیا دیکھتا ہوں - کہ خدا کی قدرت سے ایک رسی غار میں لٹکی - اور آواز سہج میں سنی کہ "اے کمبخت بد نصیب! ڈور کا سرا اپنے ہاتھ میں مضبوط باندھ اور یہاں سے نکل" - میں نے سنکر دل میں خیال کیا کہ آخر بھائی مجھپر مہربان ہو کر لہو کے جوش سے آپ ہی نکالنے آئے - نہایت خوشی سے اس طناب کو کمر میں خوب کسا - کسو نے مجھے اوپر کھینچا - رات ایسی اندھیری تھی کہ جن نے مجھے نکالا اسکو میں نے نہ پہچانا کہ کون ہے - جب میں باہر آیا تب اسنے کہا "جلد آ - یہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں" - مجھ میں طاقت تو نہ تھی پر مارے ڈر کے لڑھتا پڑتا پہاڑ سے نیچے آیا - دیکھوں تو دو گھوڑے زین بندھے ہوئے کھڑے ہیں - اس شخص نے ایک پر مجھے سوار کیا - اور ایک پر آپ چڑھ لیا اور آگے ہوا - جاتے جاتے دریا کے کنارے پر پہنچا -

صبح ہو گئی - اس شہر سے دس بارہ کوس نکل آئے - اس جوان کو دیکھا کہ ایک اوپچی بنا ہوا زرہ بکتر پہنے، چار آئینہ باندھے، گھوڑے پر پاکھر ڈالے، میری طرف غضب کی نظروں سے گھور کر اور ہاتھ اپنا دانتوں سے کاٹ کر تلوار میان سے کھینچی

اور گھوڑے کو جست کر کر مجھپر چلائی - میں نے اپنے تئیں گھوڑے پر سے نیچے گرا دیا اور گھگھیانے لگا - کہ ''میں بے تقصیر ھوں - مجھے کیوں قتل کرتا ھے؟ اے صاحب مروت! ویسے زنداں سے میرے تئیں تونے نکالا - اب یہ بے مروتی کیا ھے؟،، اس نے کہا ''سچ کہہ تو کون ھے؟،، میں نے جواب دیا کہ ''مسافر ھوں - ناحق کی بلا میں گرفتار ھو گیا تھا - تمھارے تصدق سے بارے جیتا نکلا ھوں،، - اور بہت باتیں خوشامد کی کیں -

خدا نے اسکے دل میں رحم دیا - شمشیر کو غلاف کیا اور بولا - ''خیر خدا جو چاھے سو کرے - جا تیری جان بخشی کی - جلد سوار ھو - یہاں توقف کا مکان نہیں،، - گھوڑوں کو جلد کیا اور چلے - راہ میں افسوس کھاتا اور پچھتاتا جاتا تھا - ظہر کے وقت تک ایک جزیرے میں جا پہنچا - وھاں گھوڑے سے اترا - مجھے بھی اتارا - زین، خوگیر، مرکبوں کی پیٹھ سے کھولا اور چرنے کو چھوڑ دیا - اپنی بھی کمر سے ھتھیار کھول ڈالے اور بیٹھا - مجھ سے بولا - ''اے بد نصیب! اب اپنا احوال کہہ تو معلوم ھو کہ تو کون ھے،، - میں نے اپنا نام نشان بتایا - اور جوجو کچھ بپتا بیتی تھی اس سے آخر تک کہی -

اس جوان نے جب میری سر گذشت سب سنی - رونے لگا - اور مخاطب ھوا کہ ''اے جوان! اب میرا ماجرا سن - میں کنیا زیرباد کے دیس کے راجا کی ھوں - اور وہ گبرو جوان جو زندان سلیمان میں قید ھے اس کا نام بہرہ مند ھے - میرے پتا کے منتری کا بیٹا ھے - ایک روز مہاراجا نے اگیا دی کہ جتنے راجا اور کنور ھیں - میدان میں زیر جھروکھے نکل کر تیر اندازی اور چوگان بازی کریں - تو گھڑ

چڑھی اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو۔ میں رانی کے نیڑے* جو میری ماتا تھیں اٹاری پر اوجھل میں بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں ۔ تماشا دیکھتی تھی ۔ یہ دیوان کا پوت سب میں سندر تھا ۔ اور گھوڑے کو کاوے دیکر کسب کر رہا تھا ۔ مجھکو بھایا اور دل سے اسپر ریجھی ۔ مدت تلک یہ بات گپت رکھی —

آخر جب بہت بیاکل ہوئی ۔ تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا ۔ وہ اس جوان کو کسو نہ کسو ڈھب سے پوشیدہ میری دھراھر میں لے آئی ۔ تب یہ بھی مجھے چاھنے لگا ۔ بہت دن اس عشق مشک میں کٹے ۔ ایک روز چوکی داروں نے آدھی رات کو ہتھیار باندھے اور محل میں آتے دیکھکر اسے پکڑا اور راجہ سے کہا ۔ اسے حکم قتل کیا ۔ سب ارکان دولت نے کہہ سنکر جان بخشی کروائی ۔ تب فرمایا کہ "اس کو زاندان سلیمان میں ڈال دو"۔ اور دوسرا جوان جو اسکے ہمراہ اسیر ھے ۔ اس کا بھگتنا ھے ۔ اس رین کو وہ بھی اسکے ساتھ تھا ۔ دونوں کو اس کوئے میں چھوڑ دیا ۔ آج تین برس ہوئے کہ وے پھنسے ھیں ۔ مگر کسو نے نہیں دریافت کیا کہ یہ جوان راجہ کے گھر میں کیوں آیا تھا ۔ بھگوان نے میری پت رکھی ۔ اسکے شکرانے کے بدلے میں نے اپنے اوپر لازم کیا ھے ۔ کہ انّ اور جل اسکو پہنچایا کروں ۔ جب سے اٹھواڑے میں ایک دن آتی ہوں ۔ اور آٹھ دن کا آزقہ اکٹھا دے جاتی ہوں —

کل کی رات سپنے میں دیکھا کہ کوئی مانس کہتا ھے کہ

---

*نیرے بھی بولتے ھیں ۔

''شتابی آٹھ اور گھوڑا جوڑا اور کمند اور کچھ نقد خرچ کے واسطے لیکر اس غار پر جا ۔ اور اس بچارے کو وھاں سے نکال'' ۔ یہ سنکر میں چونک پڑی اور مگن ھوکر مردانہ بھیس کیا ۔ اور ایک صندوقچہ جواھر اور اشرفی سے بھر لیا ۔ اور یہ گھوڑا اور کپڑا جوڑا لیکر وھاں گئی کہ کمند سے اسے کھینچوں ۔ کرم میں تیرے تھا کہ ویسی قید سے اس طرح چھٹکارہ پاوے ۔ اور میرے اس کرتب سے محرم کوئی نہیں ۔ شاید وہ کوئی دیوتا تھا کہ تیری مخلصی کی خاطر مجھے بھجوایا ۔ خیر جو میرے بھاگ میں تھا سو ھوا ۔'' یہ کتھا کہکر پوری کچوری ماس کا سالن انگوچھے سے کھولا ۔ پہلے قند نکال ایک کٹورے میں گھولا اور عرق بید مشک کا اسمیں ڈالکر مجھے دیا ۔ میں نے اسکے ھاتھ سے لیکر پیا ۔ پھر تھوڑا سا ناشتہ کیا ۔ بعد ایک ساعت کے میرے تئیں لنگی بندھواکر دریا میں لیگئی ۔ قینچی سے میرے سر کے بال کترے ۔ ناخن لئے ۔ نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے ۔ نئے سر سے آدمی بنایا ۔ میں دوگانہ شکرانے کا رو بقبلہ ھوکر پڑھنے لگا ۔ وہ نازنین اس میری حرکت کو دیکھتی رھی ۔

جب نماز سے فارغ ھوا پوچھنے لگی ۔ کہ ''یہ تونے کیا کام کیا؟'' میں نے ، کہا ''جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھ سی محبوبہ سے میری خدمت کروائی اور تیرے دل کو مجھپر مہربان کیا اور ویسے زندان سے خلاص کروایا ۔ اسکی ذات لاشریک ھے ۔ اسکی میں نے عبادت کی ۔ اور بندگی بجا لایا اور ادائے شکر کیا ۔'' یہ بات سنکر کہنے لگی ۔ ''تم مسلمان ھو؟'' میں نے کہا ''شکر الحمد للہ ۔'' بولی ''میرا دل تمھاری باتوں سے خوش ھوا ۔ میرے تئیں

بھی سکھاؤ اور کلمہ پڑھاؤ۔'' میں نے دل میں کہا ''الحمد للہ کہ یہ ہمارے دین کی شریک ہوئی۔'' غرض میں نے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا۔ اور اس سے پڑھوایا۔ پھر وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہوکر ہم دونوں چلے۔ رات کو اترتے تو وہ ذکر دین ایمان کا کرتی اور سنتی اور خوش ہوتی۔ اسی طرح دو مہینے تلک پیہم شبانہ روز چلے گئے۔

آخر ایک ولایت میں پہنچے کہ درمیان سر حد ملک زیرباد اور سراندیپ کے تھی۔ایک شہر نظر آیا کہ آبادی میں استنبول سے بڑا۔اور آب و ہوا بہت خوش اور موافق۔ پادشاہ اس شہر کا کسریٰ سے زیادہ عادل اور رعیت پرور دیکھکر دل نپٹ شاد ہوا۔ ایک حویلی خرید کرکے بود و باش مقرر کی۔ جب کئی دن میں رنج سفر سے آسودہ ہوئے۔کچھ اسباب ضروری درست کرکے اس بی بی سے موافق شرع محمدی کے نکاح کیا اور رہنے لگا۔ تین سال میں وہاں کے اکابر و اصاغر سے مل جل کر اعتبار بہم پہنچایا۔اور تجارت کا ٹھاٹھ پھیلایا۔ آخر وہاں کے سب سوداگروں سے سبقت لیگیا۔ ایک روز وزیر اعظم کی خدمت میں سلام کے لئے چلا۔ایک میدان میں کثرت خلق اللہ کی دیکھی۔کسو سے پوچھا کہ کیوں اتنا ازدہام ہے؟ معلوم ہوا کہ دو شخصوں کو زنا اور چوری کرتے پکڑا ہے۔اور شاید خون بھی کیا ہے۔ ان کو سنگ سار کرنے کولائے ہیں۔

مجھے سنتے ہی اپنا احوال یاد آیا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح سولی چڑھانے لے گئے تھے۔خدا نے بچا لیا۔ آیا یہ کون ہینگے کہ ایسی بلا میں گرفتار ہوئے ہیں؟ معلوم نہیں کہ راست ہے یا میری طرح تہمت میں گرفتار ہوئے ہیں۔ بھیڑ کو چیر کر

اندر گھسا۔دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ھیں کہ ٹنڈیاں کسے سروپا برھنہ ان کو لئے جاتے ھیں۔ ان کی صورت دیکھتے ھی خون نے جوش کیا اور کلیجہ جلا۔محصلوں کو ایک مٹھی اشرفیاں دیں اور کہا۔کہ ''ایک ساعت توقف کرو۔'' اور وھاں سے گھوڑے کو سرپٹ پھینک کر حاکم کے گھر گیا۔ایک دانہ یاقوت بے بہا کا نذر گذرانا۔اور ان کی شفاعت کی۔ حاکم نے کہا۔ ''ایک شخص ان کا مدعی ھے۔اور ان کے گناہ ثابت ھوئے ھیں۔ اور پادشاہ کا حکم ھو چکا ھے۔میں لاچار ھوں''۔

بارے بہت منت و زاری سے حاکم نے مدعی کو بلوا کر پانچ ہزار روپے پر راضی کیا۔ کہ وہ دعویٰ خون کا معاف کرے۔ میں نے روپے گن دئے۔ اور لادعویٰ لکھوا لیا اور ایسی بلا سے مخلصی دلوائی۔ جہاں پناہ! ان سے پوچھئے کہ سچ کہتا ھوں یا جھوٹ بکتا ھوں۔ وے دونوں بھائی سر نیچے کئے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ خیر ان کو چھڑوا کر گھر میں لایا۔ حمام کروا کر لباس پہنوایا۔دیوان خانے میں مکان رھنے کو دیا۔ اس مرتبے اپنے قبیلے کو ان کے رو برو نہ کیا۔ان کی خدمت میں حاضر رھتا۔اور ان کے ساتھ کھانا ،کھاتا۔سونے کے وقت گھر میں جاتا۔ تین برس تک ان کی خاطر داری میں گذری اور ان سے بھی کوئی حرکت بد واقع نہ ھوئی کہ باعث رنجیدگی کا ھووے۔ جو میں سوار ھو کر کہیں جاتا تو وے گھر میں رھتے۔

اتفاقاً وہ بی بی نیک بخت ایک دن حمام کو گئی تھی۔ جب دیوان خانے میں آئی کوئی مرد نظر نہ پڑا۔ اس نے برقعہ اتارا۔

شاید یہ منجھلا بھائی لیٹا ہوا جاگتا تھا۔دیکھتے ہی عاشق ہوا۔ بڑے بھائی سے کہا۔دونوں نے میرے مار ڈالنے کی باہم صلاح کی۔ میں اس حرکت سے مطلق خبر نہ رکھتا تھا۔بلکہ دل میں کہتا تھا کہ الحمد للہ اس مرتبے اب تک انھوں نے کچھ ایسی بات نہیں کی۔اب ان کی وضع درست ہوئی۔شاید غیرت کو کام فرمایا۔ ایک روز بعد کھانے کے بڑے بھائی صاحب آبدیدہ ہوئے۔اور اپنے وطن کی تعریف اور ایران کی خوبیاں بیان کرنے لگے۔ یہ سنکر دوسرے بھی بسورنے لگے۔ میں نے کہا ''اگر ارادہ وطن کا ہے تو بہتر۔ میں تابع مرضی کے ہوں۔ میری بھی یہی آرزو ہے۔ اب انشاء اللہ تعالی میں بھی آپ کی رکاب میں چلتا ہوں۔،، اس بی بی سے دونوں بھائیوں کی اداسی کا مذکور کیا۔ اور اپنا ارادہ بھی کیا۔ وہ عاقلہ بولی کہ ''تم جانو لیکن پھر کچھ دغا کیا چاہتے ہیں۔ یے تمھاری جان کے دشمن ہیں۔تم نے سانپ آستین میں پالے ہیں۔ اور ان کی دوستی کا بھروسہ رکھتے ہو! جو جی چاہے سو کرو۔ لیکن موذیوں سے خبردار رہو۔،، بہر تقدیر تھوڑے عرصے میں تیاری سفر کی کرکے خیمہ میدان میں استاد کیا۔ بڑا قافلہ جمع ہوا۔ اور میری سرداری اور قافلہ باشی پر راضی ہوئے۔ اچھی ساعت دیکھکر روانہ ہوا۔لیکن ان کی طرف سے اپنی جانب میں ہوشیار رہتا۔ اور سب صورت سے فرمانبرداری اور دل جوئی ان کی کرتا۔

ایک روز ایک منزل میں منجھلے بھائی نے مذکور کیا کہ ''ایک فرسخ اس مکان سے ایک چشمہ جاری ہے مانند سلسبیل کے۔ اور میدان میں خود رو کوسوں تلک لالہ و نافرمان اور نرگس و

گلاب پھولا ہے ۔ واقعی عجب مکان سیر کا ہے۔ اگر اپنا اختیار ہوتا تو کل وھاں جاکر تفریح طبیعت کی کرتے۔اور ماندگی بھی رفع ہوتی ۔،، میں بولا کہ ''صاحب مختار ھیں۔ فرماؤ تو کل کے دن مقام کریں۔اور وھاں چلکر سیر کرتے پھریں۔،، یے بولے۔ ''ازیں چہ بہتر؟،، میں نے حکم کیا۔ کہ سارے قافلے میں پکار دو کہ کل مقام ہے۔ اور بکاول کو کہا کہ ''حاضری قسم بہ قسم کی تیار کر۔کل سیر کو چلینگے ۔،، جب صبح ھوئی۔ان دونوں برداروں نے کپڑے پہن کمر باندھ کر مجھے یاد دلایا۔ کہ ''جلد ٹھنڈے ٹھنڈے چلئے اور سیر کیجئے ۔'' میں نے سواری مانگی۔بولے کہ ''پا پیادہ جو لطف سیر کا ہوتا ہے سو سواری میں معلوم؟ نفروں کو کہدو گھوڑے ڈریا کر لے آویں۔

دونوں غلاموں نے قلیان اور قہوہ دان لے لیا۔اور ساتھ ہوئے۔ راہ میں تیر اندازی کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔جب قافلے سے دور نکل گئے۔ایک غلام کو انھوں نے کسی کام کو بھیجا ۔ تھوڑی دور آگے بڑھ کر دوسرے کو بھی اسکے بلانے کو رخصت کیا ۔ کم بختی جو آئی میرے منھ میں جیسے کسو نے مہر دے دی ۔ جو وہ چاھتے تھے سو کرتے تھے۔ اور مجھے باتوں میں پرچائے لئے جاتے تھے۔ مگر یہ کتا ساتھ رہ گیا ۔ بہت دور نکل گئے نہ چشمہ نظر آیا نہ گلزار۔مگر ایک میدان پر خار تھا۔وھاں مجھے پیشاب لگا۔ میں بول کرنے کو بیٹھا ۔ اپنے پیچھے چمک تلوار کی سی دیکھی۔ مڑ کر دیکھوں تو منجھلے بھائی صاحب نے مجھپر تلوار ماری کہ سر دوپارہ ہو گیا ۔ جب تلک بولوں کہ ''اے ظالم! مجھے کیوں مارتا ہے؟'' بڑے بھائی نے شانے پر لگائی ۔ دونوں زخم کاری لگے۔

تیورا کر گرا۔ تب ان دونوں بے رحموں نے بخاطر جمع میرے تئیں چور زخمی کیا اور لہو لہان کر دیا۔ یہ کتا میرا احوال دیکھکر ان پر بھپکا۔ اسکو بھی گھایل کیا۔ بعد اسکے اپنے ہاتھوں سے اپنے بدنوں میں زخموں کے نشان کئے۔ اور سروپا برہنہ قافلے میں گئے اور ظاہر کیا کہ ''حرامیوں نے اس میدان میں ہمارے بھائی کو شہید کیا۔ اور ہم بھی لڑ بھڑ کر زخمی ہوئے۔ جلدی کوچ کرو نہیں تو اب کارواں پر گر کر سب کو ننگیا لینگے۔'' قافلے کے لوگوں نے بدوؤں کا نام جو سناوونہیں بد حواس ہوئے۔ اور گھبرا کر کوچ کیا اور چل نکلے۔

میرے قبیلے نے سلوک اور خوبیاں ان کی سن رکھی تھیں۔ جو جو مجھسے دغائیں کیں تھیں۔ یہ واردات ان کاذبوں سے سنکر جلد خنجر سے اپنے تئیں ہلاک کیا اور جان بحق تسلیم ہوئی۔'' اے درویشو! اس خواجہ سگ پرست نے جب اپنی کیفیت اور مصیبت اس طرح سے یہاں تلک کہی۔ سنتے ہی مجھے بے اختیار رونا آیا۔ وہ سوداگر دیکھکر کہنے لگا کہ ''قبلہ عالم! اگر بے ادبی نہ ہوتی تو برہنہ ہوکر میں اپنا سارا بدن کھول کر دکھاتا۔'' تسپر بھی اپنی راستی پر گریباں مونڈھے تلک چیر کر دکھایا۔ واقعی چار انگل تن اسکا بغیر زخم کے ثابت نہ تھا۔ میرے حضور سر سے عمامہ اتارا۔ کھوپڑی میں ایسا بڑا گڑھا پڑا تھا کہ ایک انار سموچا اس میں ساوے۔ ارکان دولت جتنے حاضر تھے سب نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ طاقت دیکھنے کی نہ رہی۔

پھر خواجہ بولا کہ ''پادشاہ سلامت! جب یے بھائی اپنی

دانست میں میرا کام تمام کر کے چلے گئے۔ ایک طرف میں اور ایک طرف یہ سگ میرے نزدیک زخمی پڑا تھا۔ لہو اتنا بدن سے گیا کہ مطلق طاقت اور ہوش کچھ باقی نہ تھا۔ کیا جانوں دم کہاں اٹک رہا تھا کہ جیتا تھا۔ جس جگہ میں پڑا تھا ولایت سراندیپ کی سرحد تھی۔ اور ایک شہر بہت آباد اس کے قریب تھا۔ اس شہر میں بڑا بت خانہ تھا۔ اور وہاں کے پادشاہ کی ایک بیٹی تھی نہایت قبول صورت اور صاحب جمال۔

اکثر پادشاہ اور شہزادے اسکے عشق میں خراب تھے۔ وہاں رسم حجاب کی نہ تھی۔ اس سے، وہ لڑکی تمام دن ہمجولیوں کے ساتھ سیر شکار کرتی پھرتی۔ ہم سے نزدیک ایک بادشاہی باغ تھا۔ اس روز پادشاہ سے اجازت لیکر اسی باغ میں آئی تھی۔ سیر کی خاطر اس میدان میں پھرتی آ نکلی۔ کئی خواصیں بھی ساتھ سوار تھیں۔ جہاں میں پڑا تھا آئیں۔ میرا کراہنا سنکر پاس کھڑی ہوئیں۔ مجھے اس حالت میں دیکھکر وے بھاگیں اور شہزادی سے کہا۔ کہ "ایک مردوا اور ایک کتا لہو میں شور بور پڑا ہے۔" ان سے یہ سنکر آپ ملکہ میرے سرپر آئی۔ افسوس کھا کر کہا۔ "دیکھو تو کچھ جان باقی ہے؟" دو چار دائیوں نے اتر کر دیکھا اور عرض کی۔ "اب تلک تو جیتا ہے۔" ترت فرمایا کہ "امانت قالیچے پر لٹا کر باغ میں لے چلو۔"

وہاں لیجا کر جراح سرکار کا بلا کر میرے اور میرے کتے کے علاج کی خاطر بہت تاکید کی۔ اور امیدوار انعام و بخشش کا کیا۔ اس حجام نے سارا بدن میرا پونچھ پانچھ کر خاک و خون سے پاک کیا۔ اور شراب سے دھو دھا کر زخموں کو ٹانکے مرہم لگایا۔ اور

بید مشک کا عرق پانی کے بدلے میرے حلق میں چوایا۔ ملکہ آپ میرے سرھانے بیٹھی رھتی۔ اور میری خدمت کرواتی۔ اور تمام دن رات میں دو چار بار کچھ شوربا یا شربت اپنے ھاتھ سے پلاتی۔ بارے مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ ملکہ نہایت افسوس سے کہتی ھے۔ ”کس ظالم خونخوار نے تجھپر یہ ستم کیا۔ بڑے بت سے بھی نہ ڈرا!“ بعد دس روز کے عرق اور شربت اور معجنوں کی قوت سے میں نے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو اندر کا اکھاڑا میرے آس پاس جمع ھے۔ اور ملکہ سرھانے کھڑی ھے۔ ایک آہ بھری اور چاھا کہ کچھ حرکت کروں۔ طاقت نہ پائی۔ پادشاہزادی مہربانی سے بولی کہ ”اے عجمی! خاطر جمع رکھ، کڑھ مت۔ اگرچہ کسو ظالم نے تیرا یہ احوال کیا۔ لیکن بڑے بت نے مجھکو تجھپر مہربان کیا ھے۔ اب چنگا ہو جاوے گا“—

قسم اس خدا کی جو واحد اور لا شریک ھے! میں اسے دیکھکر پھر بیہوش ہو گیا۔ ملکہ نے بھی دریافت کیا اور گلاب پاش سے گلاب اپنے ھاتھ سے چھڑکا۔ بیس دن کے عرصے میں زخم بھر آئے اور انگور کرلائے۔ ملکہ ہمیشہ رات کو جب سب سو جاتے۔ میرے پاس آتی اور کھلا پلا جاتی۔ غرض ایک چلے میں غسل کیا۔ بادشاہزادی نہایت خوش ہوئی۔ حجام کو انعام بہت سا دیا اور مجھکو پوشاک پہنوائی۔ خدا کے فضل سے اور خبر گیری اور سعی سے ملکہ کی، خوب چاق چوبند ہوا۔ اور بدن نہایت تیار ہوا۔ اور کتنا بھی فربہ ہو گیا۔ روز مجھے شراب پلاتی اور باتیں سنتی اور خوش ہوتی۔ میں بھی ایک آدھ نقل یا کہانی انوٹھی کہکر اسکے دل کو بہلاتا۔

ایک دن پوچھنے لگی کہ ''اپنا احوال تو بیان کرو کہ تم کون ہو۔ اور یہ واردات تم پر کیونکر ہوئی؟'' میں نے سارا ماجرا اپنا اول سے آخر تک کہہ سنایا۔ سنکر رونے لگی اور بولی۔ کہ ''اب میں تجھسے ایسا سلوک کرونگی کہ اپنی ساری مصیبت بھول جاویگا۔'' میں نے کہا ''خدا تمھیں سلامت رکھے۔ تم نے نئے سر سے میری جان بخشی کی ہے۔اب میں تمھارا ہو رہا ہوں۔واسطے خدا کے اسی طرح ہمیشہ مجھپر اپنی مہربانی کی نظر رکھیو۔'' غرض تمام رات اکیلی میرے پاس بیٹھی رہتی۔ اور صحبت رکھتی۔ بعضے دن دائی اس کی بھی ساتھ رہتی۔ہر ایک طور کا ذکر مذکور سنتی اور کہتی۔ جب ملکہ اٹھ جاتی اور میں تنہا ہوتا طہارت کر، کونے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتا۔

ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ملکہ اپنے باپ کے پاس گئی تھی۔میں خاطر جمع سے وضو کرکے نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک شہزادی دائی سے بولتی ہوئی آئی۔ کہ ''دیکھیں عجمی اسوقت کیا کرتا ہے۔ سوتا ہے یا جاگتا ہے۔'' مجھے مکان پر جو نہ دیکھا تعجب میں ہوئی۔ کہ ''ایں یہ کہاں گیا ہے؟ کسو سے کچھ لگا تو نہیں لگایا۔'' کونا کٹھرا دیکھنے لگی اور تلاش کرنے لگی۔ جہاں میں نماز کر رہا تھا۔ وہاں آنکلی۔ اس لڑکی نے کبھو نماز کاہے کو دیکھی تھی۔ چپکی کھڑی دیکھا کی۔ جب میں نے نماز تمام کرکے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سجدے میں گیا۔ بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی اور بولی ''کیا یہ آدمی سودائی ہوگیا۔ یہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے؟''

میں ہنسنے کی آواز سنکر دل میں ڈرا۔ ملکہ آگے آکر

پوچھنے لگی کہ ''اے عجمی! یہ تو کیا کرتا تھا؟'' میں کچھ جواب نہ دیسکا۔ اس میں دائی بولی۔ ''بلالوں۔ تیرے صدقے گئی۔ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ اور لات منات کا دشمن ہے۔ ان دیکھے خدا کو پوجتا ہے۔ ملکہ نے یہ سنتے ہی ہاتھ ہاتھ پر مارا۔ بہت غصے ہوئی کہ ''میں کیا جانتی تھی کہ یہ ترک ہے۔ اور ہمارے خداؤں سے منکر ہے۔ تبھی ہمارے بت کے غضب میں پڑا تھا۔ میں نے ناحق اسکی پرورش کی اور اپنے گھر میں رکھا''۔ یہ کہتے ہوئے چلی گئی۔ میں سنتے ہی بدحواس ہوا کہ دیکھئے اب کیا سلوک کرے۔ مارے خوف کے نیند اچاٹ ہوگئی۔ صبح تک بے اختیار رویا کیا اور آنسوؤں سے منہ دھویا کیا۔

تین دن رات اسی خوف و رجا میں روتے گذری۔ ہرگز آنکھ نہ جھپکی۔ تیسری شب ملکہ شراب کے نشے میں مخمور اور دائی ساتھ لئے میرے مکان پر آئی۔ غصے میں بھری ہوئی اور تیر کمان ہاتھ میں لئے باہر چمن کے کنارے بیٹھی۔ دائی سے پیالا شراب کا مانگا۔ پی کر کہا ''دیّا! وہ عجمی جو ہمارے بڑے بت کے قہر میں گرفتار ہے۔ موا یا اب تک جیتا ہے؟'' دائی نے کہا ''بلیّا لوں، کچھ دم باقی ہے''۔ بولی کہ ''اب وہ ہماری نظروں سے گرا لیکن کہہ کہ باہر آوے''۔ دائی نے مجھے پکارا۔ میں دوڑا۔ دیکھوں تو ملکہ کا چہرہ مارے غصے کے تمتما رہا ہے۔ اور سرخ ہو گیا ہے۔ روح قالب میں نہ رہی۔ سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا۔ غضب کی نگاہ سے مجھے دیکھکر دائی سے بولی۔ ''اگر میں اس دین کے دشمن کو تیر سے ماروں۔ تو میری خطا بڑا بت معاف کریگا یا

نہیں؟ یہ مجھ سے بڑا گناہ ہوا ہے۔ کہ میں نے اسے اپنے گھر میں رکھ کر خاطر داری کی''۔

دائی نے کہا۔ ''پادشاہ زادی کی کیا تقصیر ہے؟ دشمن جان کر نہیں رکھا۔ تم نے اسپر ترس کھایا۔ تمکو نیکی کے عوض نیکی ملیگی۔ اور یہ اپنی بدی کا ثمرہ بڑے بت سے پا رہیگا''۔ یہ سنکر کہا۔ ''دائی! اسے بیٹھنے کو کہہ''۔ دائی نے مجھے اشارات کی کہ بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ ملکہ نے اور جام شراب کا پیا اور دائی سے کہا۔ کہ ''اس کمبخت کو بھی ایک پیالا دے۔ تو آسانی سے مارا جاوے''۔ دائی نے جام دیا۔ میں نے بے عذر پیا اور سلام کیا۔ ہرگز میری طرف نگاہ نہ کی۔ مگر کن انکھیوں سے چوری چوری دیکھتی تھی۔ جب مجھے سرور ہوا کچھ شعر پڑھنے لگا۔ ازانجملہ ایک بیت یہ بھی پڑھی —

قابو میں ہوں میں تیرے، گواب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا؟

سنکر مسکرائی اور دائی کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''کیا تجھے نیند آتی ہے؟'' دائی نے مرضی پا کر کہا کہ ''ہاں مجھپر خواب نے غلبہ کیا ہے''۔ وہ تو رخصت ہو کر جہنم واصل ہوئی۔ بعد ایک دم کے ملکہ نے پیالا مجھ سے مانگا۔ میں جلد بھر کر رو برو لیگیا۔ ایک ادا سے میرے ہاتھ سے لیکر پی لیا۔ تب میں قدموں پر گرا۔ ملکہ نے ہاتھ مجھ پر جھاڑا اور کہنے لگی۔ ''اے جاہل! ہمارے بڑے بت میں کیا برائی دیکھی جو غائب خدا کی پرستش کرنے لگا؟'' میں نے کہا ''انصاف شرط ہے۔ ٹک غور فرمائیے کہ بندگی

کے لائق وہ خدا ہے کہ جسنے ایک قطرے پانی سے تم سار کا محبوب پیدا کیا۔ اور یہ حسن و جمال دیا کہ ایک آن میں ہزاروں انسان کے دل کو دیوانہ کر ڈالو۔ بت کیا چیز ہے کہ کوئی اس کی پوجا کرے؟ ایک پتھر کو سنگ تراشوں نے گڑھ کر صورت بنائی اور دام احمقوں کے واسطے بچھایا۔ جنکو شیطان نے ورغلانا ہے۔ وے مصنوع کو صانع جانتے ہیں۔ جسے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں۔ اسکے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اور ہم مسلمان ہیں، جس نے ہمیں بنایا ہے ہم اسے مانتے ہیں۔ ان کے واسطے دوزخ، ہمارے لئے بہشت بنایا ہے۔ اگر پادشاہزادی ایمان خدا پر لاوے۔ تب اس کا مزا پاوے۔ اور حق و باطل میں فرق کرے اور اپنے اعتقاد کو غلط سمجھے،، —

بارے ایسی ایسی نصیحتیں سنکر اس سنگدل کا دل ملائم ہوا۔ خدا کے فضل و کرم سے رونے لگی اور بولی۔ ''اچھا مجھے بھی اپنا دین سکھاؤ،،۔ میں نے کلمہ تلقین کیا۔ اس نے بہ صدق دل پڑھا۔ اور توبہ استغفار کرکر مسلمان ہوئی۔ تب میں اسکے پاؤں پڑا۔ صبح تک کلمہ پڑھتی اور استغفار کرتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔ ''بھلا میں نے تو تمہارا دین قبول کیا۔ لیکن ما باپ کافر ہیں۔ ان کا کیا علاج ہے؟،، میں نے کہا۔ ''تمہاری بلا سے۔ جو جیسا کریگا ویسا پاویگا،،۔ بولی کہ ''مجھے چچا کے بیٹے سے منسوب کیا ہے۔ اور وہ بت پرست ہے۔ کل کو خدانخواستہ بیاہ ہو اور وہ کافر مجھ سے ملے اور اس کا نطفہ میرے پیٹ میں ٹھہر جاوے تو بڑی قباحت ہے۔ اسکی فکر ابھی سے کیا چاہئے۔ کہ اس بلا سے نجات پاؤں ''۔ میں نے کہا ''تم بات تو معقول کہتی ہو۔ جو مزاج میں

آوے سو کرو''۔ بولی کہ ''میں اب یہاں نہ رہونگی۔ کہیں نکل جاؤنگی'' میں نے پوچھا ''کس صورت سے بھاگنے پاؤگی۔ اور کہاں جاؤگی؟''، جواب دیا کہ ''پہلے تم میرے پاس سے جاؤ۔ مسلمانوں کے ساتھ سرا میں جا رہو۔ تو سب آدمی سنیں اور تم پر گمان نہ لیجاویں۔ تم وہاں کشتیوں کی تلاش میں رہو۔ جو جہاز عجم کی طرف چلے مجھے خبر کیجو۔ میں اس واسطے دائی کو تمہارے پاس اکثر بھیجا کرونگی۔ جب تم کہلا بھیجو گے میں نکل کر آؤنگی اور کشتی پر سوار ہو کر چلی جاؤنگی۔ ان کم بخت بے دینوں کے ساتھ سے مخلصی پاؤنگی''۔ میں نے کہا ''تمہاری جان و ایمان کے قربان ہوا۔ دائی کو کیا کروگی؟''، بولی ''اسکی فکر سہل ہے۔ ایک پیالے میں زہر ہلاہل پلا دونگی''۔ یہی صلاح مقرر ہوئی۔ جب دن ہوا میں کاروان سرا میں گیا۔ ایک حجرہ کرائے لیا اور جا رہا۔ اس جدائی میں فقط وصل کی توقع پر جیتا رہا۔ جب دو مہینے میں سوداگر روم و شام و اصفہان کے جمع ہوئے۔ ارادہ کوچ کا تری کی راہ سے کیا۔ اور اپنا اسباب جہاز پر چڑھانے لگے۔ ایک جگہ رہنے سے اکثر آشنا صورت ہوگئے تھے۔ مجھسے کہنے لگے ''کیوں صاحب! تم بھی چلو نا۔ یہاں کفرستان میں کب تلک رہوگے؟''، میں نے جواب دیا کہ ''میرے پاس کیا ہے جو اپنے وطن کو جاؤں؟ یہی ایک لونڈی، ایک کتا، ایک صندوق، بساط میں رکھتا ہوں۔ اگر تھوڑی سی جگہ بیٹھ رہنے کو دو۔ اور اس کا نول مقرر کرو تو میری خاطر جمع ہو۔ میں بھی سوار ہوں''۔—

سوداگروں نے ایک کوٹھری میرے تحت میں کردی۔ میں نے اسکے نول کا روپیہ بھر دیا۔ دل جمعی کرکر کسو بہانے سے

دائی کے گھر گیا اور کہا ۔ ''اے اما! تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں ۔ اب وطن کو جاتا ہوں ۔ اگر تیری توجہ سے ایک نظر ملکہ کو دیکھ لوں تو بڑی بات ہے،، ۔ بارے دائی نے قبول کیا ۔ میں نے کہا ''میں رات کو آؤنگا ۔ فلانے مکان پر کھڑا رہونگا،،۔ بولی ''اچھا،،۔ میں کہکر سرا میں آیا ۔ صندوق اور بچھونے اٹھا کر جہاز میں لایا اور ناخدا کو سونپ کر کہا ۔ ''کل فجر کو اپنی کنیز کو لیکر آؤنگا،،۔ناخدا بولا ''جلد آئیو۔ صبح ہم لنگر اٹھاوینگے،،۔ میں نے کہا ''بہت خوب،، ۔ جب رات ہوئی اسی مکان پر جہاں دائی سے وعدہ کیا تھا ۔ جا کر کھڑا رہا ۔ پہر رات گئے محل کا دروازہ کھلا اور ملکہ میلے کچیلے کپڑے پہنے ایک پیٹی جواہر کی لئے باہر نکلی ۔ وہ پٹاری میرے حوالے کی اور ساتھ چلی ۔ صبح ہوتے کنارے دریا کے ہم پہنچے ۔ ایک لنبوت پر سوار ہو کر جہاز میں جا اترے ۔ یہ وفادار کتا بھی ساتھ تھا ۔ جب صبح خوب روشن ہوئی لنگر اٹھایا اور روانہ ہوئے ۔ بہ خاطر جمع چلے جاتے تھے ۔ ایک بندر سے آواز توپوں کی شلک کی آئی ۔ سب حیران اور فکر مند ہوئے ۔ جہاز کو لنگر کیا اور آپس میں چرچا ہونے لگا ۔ کہ ''کیا شاہ بندر کچھ دغا کریگا ۔ توپ چھوڑنے کا کیا سبب ہے؟،،

اتفاقاً سب سوداگروں کے پاس خوبصورت لونڈیاں تھیں ۔ شاہ بندر کے خوف سے کہ مبادا چھین لے سب نے کنیزکوں کو صندوقوں میں بند کیا ۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنی شہزادی کو صندوق میں بٹھا کر قفل کردیا ۔ اس عرصے میں شاہ بندر ایک غراب پر بہ مع نوکر چاکر بیٹھا ہوا نظر آیا ۔ آتے آتے جہاز پر آ چڑھا ۔ شاید اسکے آنے کا یہ سبب تھا کہ

پادشاہ کو دائی کے مرنے کی اور ملکہ کے غائب ہونے کی جب خبر معلوم ہوئی۔ مارے غیرت کے اسکا تو نام نہ لیا۔ مگر شاہ بندر کو حکم کیا کہ ”میں نے سنا ہے عجمی سوداگروں کے پاس لونڈیاں خوب خوب ہیں۔ سو میں شہزادے کے واسطے لیا چاھتا ہوں۔ تم ان کو روک کر جتنی لونڈیاں جہاز میں ہوں حضور میں حاضر کرو گے۔ انھیں دیکھکر جو پسند آوینگی ان کی قیمت دی جائیگی۔ نہیں تو واپس ہونگی“۔

بہ موجب حکم پادشاہ کے یہ شاہ بندر اسلئے آپ جہاز پر آیا۔ اور میرے نزدیک ایک اور شخص تھا۔ اسکے پاس بھی ایک ناندی قبول صورت صندوق میں بند تھی۔ شاہ بندر اسی صندوق پر آکر بیٹھا اور لونڈیوں کو نکلوانے لگا۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ بھلا پادشاہزادی کا مذکور نہیں۔ غرض جتنی لونڈیاں پائیں شاہ بندر کے آدمیوں نے ناؤ پر چڑھائیں۔ اور خود شاہ بندر جس صندوق پر بیٹھا تھا اسکے مالک سے بھی ہنستے ہنستے پوچھا کہ ”تیرے پاس بھی تو لونڈی تھی“۔ اس احمق نے کہا ”آپ کے قدموں کی سوگند۔ میں نے ہی یہ کام نہیں کیا۔ سبھوں نے تمھارے ڈر سے لونڈیاں صندوقوں میں چھپائی ہیں“۔ شاہ بندر نے یہ بات سنکر سب صندوقوں کا جھاڑا لینا شروع کیا۔ میرا بھی صندوق کھولا اور ملکہ کو نکالکر سب کے ساتھ لیگیا۔ عجب طرح کی مایوسی ہوئی کہ یہ ایسی حرکت پیش آئی کہ تیری جان تو مفت گئی اور ملکہ سے دیکھئے کیا سلوک کرے۔

اس کی فکر میں اپنی بھی جان کا ڈر بھول گیا۔ سارے دن رات خدا سے دعا مانگتا رہا۔ جب بڑی فجر ہوئی۔ سب لونڈیوں کو

کشتی پر سوار کرکے لائے۔ سوداگر خوش ہوئے۔ اپنی اپنی کنیز کیں لیں ۔ سب آئیں مگر ایک ملکہ ان میں نہ تھی۔ میں نے پوچھا کہ ”میری لونڈی نہیں آئی ۔ اس کا کیا سبب ہے؟“ انھوں نے جواب دیا کہ ”ہم واقف نہیں۔ شاید پادشاہ نے پسند کی ہوگی“۔ سب سوداگر مجھے تسلی اور دلاسا دینے لگے۔ کہ ”خیر جو ہوا سو ہوا تو کڑھ مت۔ اسکی قیمت ہم سب بہری کر کر تجھے دینگے۔ میرے حواس باختہ ہوگئے۔ میں نے کہا کہ ”اب میں عجم نہیں جانے کا“۔ کشتی والوں سے کہا ”یارو! مجھے بھی اپنے ساتھ لیچلو۔ کنارے پر اتار دیجو“۔ وے راضی ہوئے۔ میں جہاز سے اتر کر غراب میں آ بیٹھا ۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا —

جب بندر میں پہونچا ایک صندوقچہ جواہر کا جو ملکہ اپنے ساتھ لائی تھی اسے تو رکھ لیا۔ اور سب اسباب شاہ بندر کے نوکروں کو دیا ۔ اور میں جاسوسی میں ہر کہیں پھرنے لگا کہ شاید خبر ملکہ کی پاؤں۔ لیکن ہرگز سراغ نہ ملا اور نہ اس بات کا پتہ پایا ۔ ایک رات کو کسو مکر سے پادشاہ کے بھی محل میں گیا اور ڈھونڈھا ۔ کچھ خبر نہ ملی ۔ قریب ایک مہینے کے شہر کے کوچے اور محلے چھان مارے۔ اور اس غم سے اپنے تئیں قریب ہلاکت کے پہنچایا ۔ اور سودائی سا پھرنے لگا۔ آخر اپنے دل میں خیال کیا۔ کہ غالب ہے شاہ بندر کے گھر میں میری پادشاہزادی ہووے تو ہووے ۔ نہیں تو اور کہیں نہیں ۔ شاہ بندر کی حویلی کے گرد پیش دیکھتا پھرتا تھا ۔ کہ کہیں سے بھی جانے کی راہ پاؤں تو اندر جاؤں —

ایک بدررو نظر پڑی کہ موافق آدمی کی آمد و رفت کے ھے۔ مگر جالی آھنی اس کے دھانے پر جڑی ھے۔ یہ قصد کیا کہ اس بدررو کی راہ سے چلوں۔ کپڑے بدن سے اتارے اور اس نجس کیچڑ میں اترا۔ ھزار محنت سے اس جالی کو توڑا اور سنڈاس کی راہ سے چور محل میں گیا۔ عورتوں کا سا لباس بنا کر ھر طرف دیکھنے بھالنے لگا۔ ایک مکان سے آواز میرے کان میں پڑی جیسے کوئی مناجات کر رھا ھے۔ آگے جا کر دیکھوں تو ملکہ ھے کہ عجب حالت سے روتی ھے۔ اور نک گھسنی کر رھی ھے اور خدا سے دعا مانگتی ھے۔ کہ "صدقے اپنے رسول کے اور اس کی آل پاک کے مجھے اس کفرستان سے نجات دے۔ اور جس شخص نے مجھے اسلام کی راہ بتائی ھے۔ اسے ایک بار خیریت سے ملا"۔ میں دیکھتے ھی دوڑ کر پاؤں پر گر پڑا۔ ملکہ نے مجھے گلے لگا لیا۔ ھم دونوں پر ایک دم بیہوشی کا عالم ھوگیا۔ جب حواس بجا ھوئے میں نے کیفیت ملکہ سے پوچھی۔ بولی "جب شاہ بندر سب لونڈیوں کو کنارے پر لیگیا۔ میں خدا سے یہی دعا مانگتی تھی۔ کہ کہیں میرا راز فاش نہ ھو۔ اور میں پہچانی نہ جاؤں اور تیری جان پر آفت نہ آوے۔ وہ ایسا ستار ھے کہ ھرگز کسو نے نہ دریافت کیا کہ یہ ملکہ ھے۔ شاہ بندر ھر ایک کو بہ نظر خریداری دیکھتا تھا۔ جب میری باری ھوئی۔ مجھے پسند کر کر اپنے گھر میں چپکے بھیج دیا۔ اوروں کو پادشاہ کے حضور گذرانا۔

میرے باپ نے جب ان میں مجھے نہ دیکھا سب کو رخصت کیا۔ یہ سب پرپنچ میرے واسطے کیا تھا۔ اب یوں مشہور کیا ھے کہ پادشاھزادی بہت بیمار ھے۔ اگر میں ظاھر نہ

ہوئی تو کوئی دن میں میرے مرنے کی خبر سارے ملک میں اڑیگی - تو بدنامی پادشاہ کی نہ ہووے - لیکن اب میں اس عذاب میں ہوں کہ شاہ بندر مجھ سے اور ارادہ دل میں رکھتا ھے - اور ہمیشہ ساتھ سونے کو بلاتا ھے - میں راضی نہیں ہوتی - از بس کہ چاہتا ھے - اب تک میری رضا مندی منظور ھے - لہذا چپ ہو رہتا ھے ، پر حیران ہوں اسطرح کہاں تک نبھیگی - سو میں نے بھی جی میں یہ ٹھہرایا ھے کہ جب مجھ سے کچھ اور قصد کریگا تو میں اپنی جان دونگی اور مر رہونگی - لیکن تیرے ملنے سے ایک اور تدبیر دل میں سوجھی ھے - خدا چاھے تو سوائے اس فکر کے دوسری کوئی طرح مخلصی کی نظر نہیں آتی ،،-

میں نے کہا ''فرماؤ تو - وہ کون سی تدبیر ھے؟،، کہنے لگی ''اگر تو سعی اور محنت کرے تو ہو سکے ،،- میں نے کہا ''میں فرماں بردار ہوں - اگر حکم کرو تو جلتی آگ میں کود پڑوں - اور سیڑھی پاؤں تو تمھاری خاطر آسمان پر چلا جاؤں - جو کچھ فرماؤ سو بجا لاؤں ،، - ملکہ نے کہا ''تو بڑے بت کے بت خانے میں جا اور جس جگہ جوتیاں اتارتے ہیں - وہاں ایک سیاہ ٹاٹ پڑا رہتا ھے - اس ملک کی رسم ھے کہ جو کوئی مفلس اور محتاج ہو جاتا ھے - اس جگہ وہ ٹاٹ اوڑھ کر بیٹھتا ھے - یہاں کے لوگ جو زیارت کو جاتے ہیں موافق اپنے اپنے مقدور کے اسے دیتے ہیں -

جب دو چار دن میں مال جمع ہوتا ھے - پنڈے ایک خلعت بڑے بت کی سرکار سے دیکر اسے رخصت کرتے ہیں - وہ تونگر ہو کر چلا جاتا ھے - کوئی نہیں معلوم کرتا کہ یہ کون تھا - تو بھی جا کر اس پلاس کے نیچے بیٹھ - اور ہاتھ منھ اپنا خوب طرح

چھپا لے اور کسو سے نہ بول۔ بعد تین دن کے باھمن اور بت پرست ہر چند تجھے خلعت دیکر رخصت کریں۔ تو وھاں سے ہرگز نہ اٹھ۔ جب نہایت منت کریں تو بولیو کہ "مجھے روپیہ پیسہ کچھ درکار نہیں۔ میں مال کا بھوکا نہیں۔ میں مظلوم ہوں۔ فریاد کو آیا ھوں۔ اگر برھمنوں کی ماتا میری داد دے تو بہتر۔ نہیں بڑا بت میرا انصاف کریگا اور اس ظالم سے یہی بڑا بت میری فریاد کو پہنچیے گا"۔ جب تک وہ ما باھمنوں کی آپ تیرے پاس نہ آوے، بہتیرا کوئی مناوے تو راضی نہ ھوجیو۔ آخر لاچار ھوکر وہ خود تیرے نزدیک آویگی۔ وہ بہت بوڑھی ھے۔ دوسو چالیس برس کی عمر ھے۔ اور چھتیس بیٹے اسکے جنسے ھوئے بتخانے کے سردار ھیں۔ اور اس کا بڑے بت کے پاس بڑا درجا ھے۔ اس سبب اسکا اتنا بڑا حکم ھے کہ جتنے چھوٹے بڑے اس ملک کے ھیں اسکے کہنے کو اپنی سعادت جانتے ھیں۔ جو وہ فرماتی ھیں بسروچشم مانتے ھیں۔ اسکا دامن پکڑ کر کہیو "اے مائی! اگر مجھہ مظلوم مسافر کا انصاف ظالم سے نہ کریگی۔ تو میں بڑے بت کی خدمت میں ٹکریں ماروں گا۔ آخر وہ رحم کھاکر تجھ سے میری سفارش کریگا" —

اسکے بعد جب وہ برھمنوں کی ماتا جب تیرا سب احوال پوچھے تو کہیو کہ "میں عجم کا رھنے والا ھوں۔ بڑے بت کی زیارت کی خاطر اور تمھاری عدالت سنکر کالے کوسوں سے یہاں آیا ھوں۔ کئی دنوں آرام سے رہا۔ میری بی‌بی بھی میرے ساتھ آئی تھی۔ وہ جوان ھے اور صورت شکل بھی اچھی ھے اور آنکھ ناک سے درست ھے۔ معلوم نہیں کہ شاہ بندر نے اسے کیوں کر دیکھا۔ بہ

زور مجھ سے چھین کر اپنے گھر میں ڈال دیا۔ اور ہم مسلمانوں کا یہ قاعدہ ہے کہ۔ جو نا محرم عورت کو ان کی دیکھے یا چھین لے تو واجب ہے کہ اسکو جسطرح ہو مار ڈالیں اور اپنی جورو کو لے لیں۔ اور نہیں تو کھانا پینا چھوڑ دیں۔ کیونکہ جب تلک وہ جیتا رہے وہ عورت خاوند پر حرام ہے۔ اب یہاں لاچار ہو کر آیا ہوں۔ دیکھئے، تم کیا انصاف کرتی ہو"۔ جب ملکہ نے مجھے یہ سب سکھا پڑھا دیا میں رخصت ہو اسی نابدان کی راہ سے نکلا۔ اور وہ جالی آہنی پھر لگادی —

صبح ہوتے بتخانے میں گیا اور وہ سیاہ پلاس اوڑھ کر بیٹھا۔ تین روز میں اتنا روپیہ اور اشرفی اور کپڑا میرے نزدیک جمع ہوا کہ انبار لگ گیا۔ چوتھے دن پنڈے بھجن کرتے اور گاتے بجاتے خلعت لئے میرے پاس آئے اور رخصت کرنے لگے۔ میں راضی نہ ہوا۔ اور دھائی بڑے بت کی دی۔ کہ میں گدائی کرنے نہیں آیا۔ بلکہ انصاف کے لئے بڑے بت اور برھمنوں کی ماتا کے پاس آیا ہوں۔ جب تلک اپنی داد نہ پاؤنگا یہاں سے نہ جاؤنگا۔ وے سنکر اس پیر زال کے رو برو گئے۔ اور میرا احوال بیان کیا۔ بعد اسکے ایک چوبے آیا اور میرے تئیں کہنے لگا۔ "کہ چل ماتا بلاتی ہے"۔ میں وونہیں ٹاٹ کالا سر سے پاؤں تک اوڑھے ہوئے دِھرے میں گیا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک جڑاؤ سنگھاسن پر جسمیں لعل الماس اور موتی مونگا لگا ہوا ہے بڑا بت بیٹھا ہے۔ اور ایک کرسیٔ زرین پر فرش معقول بچھا ہے۔ اسپر ایک بڑھیا سیاہ پوش مسند تکئے لگائے اور دو لڑکے دس بارہ برس کے ایک داھنے ایک بائیں شان و

شوکت اور تجمل سے بیٹھے ھیں - مجھے آگے بلایا - میں ادب سے آگے گیا اور تخت کے پائے کو بوسہ دیا - پھر اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے میرا احوال پوچھا - میں نے اسی طرح جس طور سے ملکہ نے تعلیم کردیا تھا ظاہر کیا -

سنکر بولی کہ ''کیا مسلمان اپنی استریوں کو اوجھل میں رکھتے ھیں؟'' میں نے کہا ھاں - تمہارے بچوں کی خیر ھو۔ یہ ھماری رسم قدیم ھے'' - بولی کہ ''تیرا اچھا مذھب ھے - میں ابھی حکم کرتی ھوں کہ شاہ بندر بہ مع تیری جورو آن کر حاضر ھوتا ھے - اور اس گیدی کو ایسی سیاست کروں کہ بار دیگر ایسی حرکت نہ کرے - اور سب کے کان کھڑے ھوں اور ڈریں'' - اپنے لوگوں سے پوچھنے لگی کہ ''شاہ بندر کون ھے؟ اسکی یہ مجال ھوئی کہ بگانی تِریا کو بزور چھین لیتا ھے؟'' لوگوں نے کہا ''فلانا شخص ھے - یہ سنکر ان دونوں لڑکوں کو (جو پاس میں بیٹھے تھے) فرمایا کہ ''جلدی اس مانس کو ساتھ لیکر بادشاہ کے پاس جاؤ - اور کہو کہ ماتا فرماتی ھیں کہ حکم بڑے بت کا یہ ھے کہ شاہ بندر آدمیوں پر زور زیادتی کرتا ھے - چنانچہ اس غریب کی عورت کو چھین لیا ھے - اسکی تقصیر بڑی ثابت ھوئی - جلد اس گمراہ کے مال کا تالیقہ کر کر اس ترک کے (کہ ھمارا منظور نظر ھے) حوالے کر - نہیں تو آج رات کو تو ستیا ناس ھوگا - اور ھمارے غضب میں پڑیگا -'' وے دونوں طفل اٹھکر منڈل سے باھر آئے اور سوار ھوئے - سب پنڈے سنکھ بجاتے اور آرتی گاتے جلو میں ھولئے -

غرض وھاں کے بڑے چھوٹے جہاں ان لڑکوں کا پاؤں پڑتا تھا، وھاں کی مٹی تبرک جان کر اٹھا لیتے - اور آنکھوں سے لگاتے۔

اسی طرح پادشاہ کے قلعے تک گئے - پادشاہ کو خبر ہوئی- ننگے پاؤں استقبال کی خاطر نکل آیا - اور ان کو بڑے مان سہت سے لیجا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور پوچھا - ''آج کیونکر تشریف فرمانا ہوا؟'' ان دونوں برھمن بچوں نے ما کی طرف سے جو کچھ سن آئے تھے کہا - اور بڑے بت کی خفگی سے ڈرایا -

پادشاہ نے سنتے ھی فرمایا ''بہت خوب'' - اور اپنے نوکروں کو حکم کیا - کہ ''محصل جاویں اور شاہ بندر کو بہ مع اس عورت کے جلد حضور میں داخل کریں - تو میں تقصیر اسکی تجویز کرکے سزا دوں -'' یہ سنکر میں اپنے دل میں گھبرایا کہ یہ بات تو اچھی نہ ہوئی - اگر شاہ بندر کے ساتھ ملکہ کو بھی لاویں تو پردہ فاش ہوگا - اور میرا کیا احوال ہوگا؟ دل میں نہایت خوف زدہ ہوکر خدا کی طرف رجوع کی - لیکن میرے منھ پر ہوائیاں اڑنے لگیں - اور بدن کانپنے لگا - لڑکوں نے یہ میرا رنگ دیکھ شاید دریافت کیا کہ یہ حکم اسکی مرضی کے موافق نہ ہوا - وونہیں خفا و برھم ہوکر اٹھے - اور پادشاہ کو جھڑک کر بولے ''اے مردک! تو دیوانہ ہوا ھے جو فرمانبرداری سے بڑے بت کے نکلا - اور ھمارے بچن کو جھوٹھ سمجھا - جو دونوں کو بلا کر تحقیق کیا چاھتا ھے؟ اب خبر دار تو غضب میں بڑے بت کے پڑا - ھم نے تجھے حکم پہنچا دیا - اب تو جان اور بڑا بت جانے'' -

اس کہنے سے پادشاہ کی عجب حالت ہوئی کہ ھاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا - اور سر سے پاؤں تلک رعشہ ہو گیا - منت کرکے منانے لگا - یے دونوں ھرگز نہ بیٹھے لیکن کھڑے رھے - اس میں جتنے امیر و امرا وھاں حاضر تھے - ایک منھ ہوکر بد گوئی شاہ بندر

کی کرنے لگے ۔ کہ ”وہ ایسا ہی حرامزادہ بدکار اور پاپی ہے ۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ حضور میں پادشاہ کے کیا کیا عرض کریں؟ جو کچھ برھمنوں کی ماتا نے کہلا بھیجا ہے درست ہے۔ اس واسطے کہ حکم بڑے بت کا ہے ۔ یہ دروغ کیونکر ہوگا؟“ پادشاہ نے جب سب کی زبانی ایک ہی بات سنی ۔ اپنے کہنے سے بہت خجل اور نادم ہوا ۔ جلد ایک خلعت پاکیزہ مجھے دی ۔ اور حکمنامہ اپنے ہاتھ سے لکھکر اس پر دستی مہر کر کر میرے حوالے کیا ۔ اور ایک رقعہ مادر برھمنان کو لکھا اور جواہر، اشرفیوں کے خوان لڑکوں کے رو برو پیشکش رکھکر رخصت کیا ۔ میں خوشی بہ خوشی بتخانے میں آیا اور اس بڑھیا کے پاس گیا۔

پادشاہ کا خط جو آیا تھا ۔ اس کا یہ مضمون تھا ۔ القاب کے بعد بندگی عجز و نیاز لکھ کر لکھا تھا ۔ کہ ”موافق حکم حضور کے اس مرد مسلمان کو خدمت شاہ بندر کی مقرر ہوئی ۔ اور خلعت دی گئی۔ اب یہ اسکے قتل کرنے کا مختار ہے ۔ اور سارا مال و اموال اس کا اس ترک کا ہوا ۔ جو چاہے سو کرے ۔ امیدوار ہوں کہ میری تقصیر معاف ہو۔“ برھمنوں کی ما نے خوش ہو کر فرمایا کہ ”نوبت خانے میں بتخانے کی نوبت بجے۔“ اور پانچ سو سپاہی برقنداز جو، بال باندھی کوڑی ماریں* مسلح میرے ہمراہ کردئے۔ اور حکم کیا کہ ”بندر میں جا کر شاہ بندر کو دستگیر کرکے اس مسلمان کے حوالے کریں ۔ جس طرح کے عذاب سے اس کا جی چاہے اسے مارے ۔ اور خبر دار، سوائے اس عزیز کے کوئی محل سرا میں

---

*بال باندھی کوڑی آڑانا ۔ محاورہ ہے ۔ فرہنگ دیکھئے —

داخل نہ ہووے۔ اور اسکے مال و خزانے کو امانت اسکے سپرد کریں۔ جب یہ بہ خوشی رخصت کرے رسید اور صافی نامہ اس سے لیکر پھر آویں“۔ اور ایک سرے پاؤ *بت بزرگ کی سرکار سے میرے تئیں دیکر سوار کروا کر وداع کیا۔

حب میں بندر میں پہونچا ایک آدمی نے بڑھ کر شاہ بندر کو خبر کی۔ وہ حیران سا بیٹھا تھا کہ میں جا پہنچا۔ غصہ تو دل میں بھر ھی رہا تھا۔ دیکھتے ھی شاہ بندر کو تلوار کھینچ کر ایسی گردن میں لگائی کہ اس کا سر الگ بھٹا سا اڑ گیا۔ اور وھاں کے گماشتے خزانچی مشرف داروغوں کو پکڑوا کر سب دفتر ضبط کئیے۔ اور محل میں داخل ھوا۔ ملکہ سے ملاقات کی۔ آپس میں گلے لگ کر روئے اور شکر خدا کا کیا۔ میں نے اس کے اس نے میرے آنسو پونچھے۔ پھر باھر مسند پر بیٹھ کر اھل کاروں کو خلعتیں دیں۔ اور اپنی اپنی خدمتوں پر سب کو بحال کیا۔ نوکر اور غلاموں کو سرفرازی دی۔ وہ لوگ جو منڈپ سے میرے ساتھ متعین ھوئے تھے۔ ھر ایک کو انعام و بخشش دیکر اور ان کے جمعدار رسالہ دار کو جوڑے پہنا کر رخصت کیا۔ اور جواھر بیش قیمت اور تھان نور بافی اور شال بافی اور زردوزی اور جنس و تحفے ھر ایک ملک کے اور نقد بہت سا پادشاہ کی نذر کی خاطر اور موافق ھر ایک امراؤں کے درجہ بدرجہ اور پنڈیاین کے لئے اور سب پنڈوں کے تقسیم کرنے کی خاطر اپنے ساتھ لیکر بعد ایک ھفتے کے میں بتکدے میں آیا۔ اور اس ماتا کے آگے بہ طریق بھینٹ کے رکھا۔

---

*سروپا

اس نے ایک اور خلعت سرفرازی کی مجھے بخشی اور خطاب دیا۔ پھر بادشاہ کے دربار میں جا کر پیشکش گذارنے اور جو جو ظلم و فساد شاہ بندر نے ایجاد کیا تھا اسکے موقوف کرنے کی خاطر عرض کی۔ اس سبب سے پادشاہ اور امیر سوداگر سب مجھ سے راضی ہوئے۔ بہت نوازش مجھپر فرمائی اور خلعت اور گھوڑا دیکر منصب جاگیر عنایت کی۔ اور آبرو حرمت بخشی۔ جب پادشاہ کے حضور سے باہر آیا۔ شاگرد پیشوں کو اور اہل کاروں کو اتنا کچھ دیکر راضی کیا کہ سب میرا کلمہ پڑھنے لگے۔ غرض میں بہت مرفہ الحال ہو گیا اور نہایت چین و آرام سے اس ملک میں ملکہ سے عقد باندھ کر رھنے لگا۔ اور خدا کی بندگی کرنے لگا۔ میرے انصاف کے باعث رعیت پرجا سب خوش تھے۔ مہینے میں ایکبار بتخانے میں اور پادشاہ کے حضور میں آتا جاتا۔ پادشاہ روز بروز سرفرازی فرماتا ـــ

آخر مصاحبت میں مجھے داخل کیا۔ میرے بے صلاح کوئی کام نہ کرتا۔ نہایت بے فکری سے زندگی گذرنے لگی۔مگر خدا ھی جانتا ہے اکثر اندیشہ ان دونوں بھائیوں کا دل میں آتا کہ وے کہاں ہونگے اور کسطرح ہونگے۔ بعد مدت دو برس کے ایک قافلہ سوداگروں کا ملک زیرباد سے اس بندر میں آیا۔ وے سب قصد عجم کا رکھتے تھے۔ انہوں نے یہ چاہا کہ دریا کی راہ سے اپنے ملک کو جاویں۔ وہاں کا قاعدہ یہ تھا کہ جو کارواں آتا اس کا سردار سوغات و تحفہ ہر ایک ملک کا میرے پاس لاتا اور نذر گذرانتا۔ دوسرے روز میں اسکے مکان پر جاتا، دہ یکے، بطریق محصول کے اسکے مال سے لیتا اور پروانگی کوچ کی دیتا۔ اسی طرح

وہ سوداگر زیرباد کے بھی میری ملاقات کو آئے اور بے بہا پیشکش لائے ۔ دوسرے دن میں ان کے خیمے میں گیا ۔ دیکھا تو دو آدمی پھٹے پرانے کپڑے پہنے گٹھری بقچے سر پر اٹھا کر میرے رو برو لاتے ہیں ۔ بعد ملاحظہ کرنے کے پھر اٹھا لے جاتے ہیں ۔ اور بڑی محنت اور خدمت کر رہے ہیں ـــ

میں نے خوب نجھا کر جو دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں ۔ اس وقت غیرت اور حمیت نے نہ چاہا کہ ان کو اس طرح خدمتگاری میں دیکھوں ۔ جب میں اپنے گھر کو چلا آدمیوں کو کہا کہ ''ان دونوں شخصوں کو لئے آؤ''۔ ان کو لائے ۔ پھر لباس و پوشاک بنوا دی اور اپنے پاس رکھا ۔ ان بد ذاتوں نے پھر میرے مارنے کا منصوبہ کر کر ایک روز آدھی رات میں سب کو غافل پا کر چوٹوں کی طرح میرے سرھانے آ پہنچے ۔ میں نے اپنی جان کے ڈر سے چوکیداروں کو دروازے پر رکھا تھا اور یہ کتا وفادار میری چارپائی کی پٹی تلے سوتا تھا ۔ جوں انھوں نے تلواریں میان سے کھینچیں پہلے کتے نے بھونک کر ان پر حملہ کیا ۔ اس کے آواز سے سب جاگ پڑے ۔ میں بھی ھل بلا کر چونکا ۔ آدمیوں نے ان کو پکڑا ۔ معلوم ھوا کہ آپ ھی ھیں ۔ سب لعنتیاں دینے لگے ۔ کہ باوجود اس خاطر داری کے یہ کیا حرکت ان سے ظہور میں آئی ـــ

پادشاہ سلامت! تب تو میں بھی ڈرا ۔ مثل مشہور ھے ۔ ایک خطا دو خطا تیسری خطا مادر بخطا ۔ دل میں یہی صلاح ٹھہری کہ اب ان کو مقید کروں ۔ لیکن اگر بندی خانے میں رکھوں تو ان کا کون خبر گیران رہے گا؟ بھوک پیاس سے مر جائینگے ۔ یا کوئی اور سوانگ لائینگے ۔ اس واسطے قفس میں رکھا ھے کہ ھمیشہ

میری نظروں کے تلے رہیں تو میری خاطر جمع رہے۔ مبادا آنکھوں سے اوجھل ہو کر کچھ اور مکر کریں۔ اور اس کتے کی عزت اور حرمت اس کی نمک حلالی اور وفاداری کے سبب ہے۔ سبحان اللہ! آدمی بیوفا بد تر حیوان با وفا سے ہے۔ میری یہ سر گزشت تھی جو حضور میں عرض کی۔ اب خواہ قتل فرمائیے یا جان بخشی کیجئے حکم پادشاہ کا ہے''۔

میں نے سنکر اس جوان با ایمان پر افریں کی اور کہا۔ کہ ''تیری مروت میں کچھ خلل نہیں۔ اور ان کی بیحیائی اور حرامزدگی میں ہرگز قصور نہیں۔ سچ ہے کتے کی دم کو بارہ برس گاڑو تو بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی۔'' اس کے بعد میں نے حقیقت ان بارھوں لعل کی (کہ اس کتے کے پٹے میں تھے) پوچھی۔ خواجہ بولا کہ ''پادشاہ کی صد و بیست سال کی عمر ہو۔ اسی بندر میں جہاں میں حاکم تھا۔ بعد تین چار سال کے ایک روز بالا خانے پر محل کے کہ بلند تھا، واسطے سیر اور تماشے دریا و صحرا کے میں بیٹھا تھا۔ اور ہر طرف دیکھتا تھا۔ ناگاہ ایک طرف جنگل میں کہ وہاں شاہ راہ نہ تھی۔ دو آدمی کی تصویر سی نظر آئی کہ چلے جاتے ہیں۔ دوربین لیکر دیکھا تو عجب ہئیت کے انسان دکھائی دئے۔ چوبداروں کو ان کے بلانے کے واسطے بھیجا۔

جب وے آئے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک مرد ہے۔ رنڈی کو محل سرا میں ملکہ کے پاس بھیج دیا۔ اور مرد کو روبرو بلایا۔ دیکھا تو ایک جوان برس بیس بائیس کا داڑھی موچھ آغاز ہے۔ لیکن دھوپ کی گرمی سے اسکے چہرے کا رنگ کالے توے کا سا ہو رہا ہے۔ اور سر کے بال اور ہاتھوں کے ناخن بڑھ کر بن مانس

کی صورت بن رہا ھے۔ اور ایک لڑکا برس تین چار یک کا کاندھے پر۔ اور دو آستینیں کرتے کی، بھری ہوئیں، ہیکل کی طرح گلے میں ڈالے۔ عجب صورت اور عجب وضع اسکی دیکھی۔ میں نے نہایت حیران ہوکر پوچھا ''اے عزیز! تو کون ھے اور کس ملک کا باشندہ ھے اور یہ کیا تیری حالت ھے؟'' وہ جوان بے اختیار رونے لگا اور وہ ہمیانی کھول کر میرے آگے زمین پر رکھی اور بولا۔ ''الجوع الجوع! واسطے خدا کے کچھ کھانے کو دو۔ مدت سے گھاس اور بناس پتیاں کھاتا چلا آتا ھوں۔ ایک ذرا قوت مجھ میں باقی نہیں رہی۔'' وونہیں نان و کباب اور شراب میں نے منگوا دی۔ وہ کھانے لگا۔

اتنے میں خواجہ سرا محل سے کئی تھیلیاں اور اسکے قبیلے کے پاس سے لے آیا۔ میں نے اسکو کھلوایا۔ ھر ایک قسم کے جواھر دیکھے کہ ایک ایک دانہ ان کا خراج سلطنت کا کہا چاھئے۔ ایک سے ایک انمول ڈول میں اور تول میں اور آبداری میں۔ اور ان کی چھوٹ پڑنے سے سارا مکان بو قلموں ھو گیا۔ جب اسنے ٹکڑا کھایا اور ایک جام دارو کا پیا اور دم لیا۔ حواس بجا ہوئے۔ تب میں نے پوچھا ''یہ پتھر تجھے کہاں ھاتھ لگے؟'' جواب دیا کہ ''میرا وطن ولایت آذربائیجان ھے۔ لڑکپن میں گھر بار ما باپ سے جدا ھو کر بہت سختیاں کھینچیں۔ اور ایک مدت تلک میں زندہ در گور تھا۔ اور کئی بار ملک الموت کے پنجے سے بچا ھوں۔'' میں نے کہا ''اے مرد آدمی! مفصل کہہ تو معلوم ھو۔'' تب وہ اپنا احوال بیان کرنے لگا۔ کہ ''میرا باپ سوداگر پیشہ تھا۔ ہمیشہ سفر ہندوستان و روم و چین و خطا و فرنگ کا کرتا۔ جب

میں دس برس کا ہوا باپ ہندوستان کو چلا - مجھے اپنے ساتھ لیجانے کو چاھا - ہر چند والدہ نے اور خالہ ممانی پھوپھی نے کہا کہ ابھی یہ لڑکا ھے لائق سفر کے نہیں ہوا - والد نے نہ مانا اور کہا - ''میں بوڑھا ہوا - اگر یہ میرے رو برو تربیت نہ ہوگا۔ تو یہ حسرت گور میں لیجاؤں گا۔ مرد بچہ ھے۔ اب نہ سیکھیگا تو کب سیکھیگا؟،،

یہ کہکر مجھے خواہ مخواہ ساتھ لیا اور روانہ ہوا - خیر و عافیت سے راہ کٹی - جب ہندوستان میں پہنچے کچھ جنس وہاں بینچی - اور وہاں کے سوغات لیکر زیرباد کے ملک کو گئے۔ یہ بھی سفر بخوبی ہوا - وہاں سے بھی خرید و فروخت کرکے جہاز پر سوار ہوئے کہ جلدی وطن میں پہنچیں - بعد ایک مہینے کے ایک روز آندھی اور طوفان آیا اور مینھ موسلا دھار برسنے لگا۔ سارا زمین و آسمان دھواں دھار ہو گیا اور پتوار جہاز کی ٹوٹ گئی۔ معلّم، ناخدا سر پیٹنے لگے - دس دن تلک ہوا اور موج جیدھر چاھتی تھی لئے جاتی تھی - گیارھوویں روز ایک پہاڑ سے ٹکر کھاکے جہاز پرزے پرزے ہوگیا - نہ معلوم کہ باپ اور نوکر چاکر اور اسباب کہاں گیا۔

میں نے اپنے تئیں ایک تختے پر دیکھا - سہ شبانہ روز وہ پڑا بے اختیار چلا گیا - چوتھے دن کنارے پر جا لگا - مجھ میں فقط جان باقی تھی - اس پر سے اتر کر گھٹنیوں چل کر بارے کسو نہ کسو طرح زمین پر پہنچا - دور سے کھیت نظر آئے اور بہت سے آدمی وہاں جمع تھے - لیکن سب سیاہ فام اور ننگے مادر زاد - مجھ سے کچھ بولے لیکن میں نے ان کی زبان مطلق نہ سمجھی۔ وہ کھیت چنوں کا تھا - وہ آدمی آگ کا الاؤ جلا کر بونٹوں کے

ہولے کرتے تھے اور کھاتے تھے۔ اور کئی ایک گھر بھی وہاں نظر آئے۔ شاید ان کی خوراک بہی تھی اور وہیں بستے تھے۔ مجھے بھی اشارت کرنے لگے کہ تو بھی کھا۔ میں نے بھی ایک مٹھی اکھاڑ کر بھونے اور پھانکنے لگا۔ تھوڑا سا پانی پی کر ایک گوشے میں سو رہا۔

بعد دیر کے جب جاگا ان میں سے ایک شخص میرے نزدیک آیا اور راہ دکھانے لگا۔ میں نے تھوڑے سے چنے اکھیڑ لئے اور اس راہ پر چلا۔ ایک کف دست میدان تھا گویا صحرائے قیامت کا نمونہ کہا چاہئے۔ وہی بونٹ کھاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ بعد چار دن کے ایک قلعہ نظر آیا۔ جب پاس گیا تو ایک کوٹ دیکھا، بہت بلند تمام پتھر کا اور ہر ایک النگ اسکی دو دو کوس کی اور دروازہ ایک سنگ کا تراشا ہوا ایک قفل بڑا سا جڑا تھا۔ لیکن وہاں انسان کا نشان نظر نہ پڑا۔ وہاں سے آگے چلا۔ ایک ٹیلا دیکھا کہ اسکی خاک سرمے کے رنگ سیاہ تھی۔ جب اس تل کے پار ہوا تو ایک شہر نظر پڑا بہت بڑا۔ گرد شہر پناہ اور جا بہ جا برج۔ ایک طرف شہر کے دریا تھا، بڑے پاٹ کا۔ جاتے جاتے دروازے پر گیا اور بسم اللہ کہکر قدم اندر رکھا۔ ایک شخص کو دیکھا پوشاک اہل فرنگ کی پہنے ہوئے کرسی پر بیٹھا ہے۔ جوں ان نے مجھے اجنبی مسافر دیکھا۔ اور میرے منہ سے بسم اللہ سنی پکارا کہ ''آگے آؤ۔''، میں نے جا کر سلام کیا۔ نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیا۔ ترت میز پر پاؤروٹی اور مسکہ اور مرغ کا کباب اور شراب رکھکر کہا ''پیٹ بھر کر کھاؤ۔''، میں نے تھوڑا سا کھایا اور پیا اور بے خبر ہو کر سویا۔ جب رات ہو گئی تب

آنکھ کھلی - ہاتھ منہ دھویا - پھر مجھے کھانا کھلایا اور کہا کہ ''اے بیٹا! اپنا احوال کہہ -،، جو کچھ مجھ پر گذرا تھا سب کہہ سنایا۔ تب بولا کہ ''یہاں تو کیوں آیا؟،، میں نے دق ہو کر کہا ''شاید تو دیوانہ ہے - میں نے بعد مدت کی محنت کے اب بستی کی صورت دیکھی ہے - خدا نے یہاں تلک پہنچایا - اور تو کہتا ہے کیوں آیا؟،، کہنے لگا ''اب تو آرام کر - کل جو کہنا ہوگا کہونگا،،—

جب صبح ہوئی بولا ''کوٹھری میں پھاوڑا اور چھلنی اور توبڑہ ہے، باہر لے آ -،، میں نے دل میں کہا کہ خدا جانے روٹی کھلا کر کیا محنت مجھسے کروائیگا - لاچار وہ سب نکالکر اسکے رو برو لایا - تب اسنے فرمایا کہ ''اس ٹیلے پر جا - اور ایک گز کے موافق گڑھا کھود - وہاں سے جو کچھ نکلے اس چھلنی میں چھان - جو نہ چھن سکے اس توبڑے میں بھر کر میرے پاس لا -،، میں وہ سب چیزیں لیکر وہاں گیا اور اتنا ہی کھود کر چھان چھون کر توبڑے میں ڈالا۔ دیکھا تو سب جواہر رنگ برنگ کے تھے - ان کی جوت سے آنکھیں چوندھیا گئیں - اسی طرح تھیلی کو مونہاں منہ بھر کر اس عزیز کے پاس لیگیا - دیکھ کر بولا کہ ''جو اس میں بھرا ہے تو لے اور یہاں سے جا کہ تیرا رہنا اس شہر میں خوب نہیں -،، میں نے جواب دیا کہ ''صاحب نے اپنی جانب میں بڑی مہربانگی کی کہ اتنا کچھ کنکر پتھر دیا - لیکن میرے کس کام کا؟ جب بھوکا ہوں گا نہ تو ان کو چبا سکوں گا - نہ پیٹ بھریگا - پس اگر اور بھی دو تو میرے کس کام آئے گا؟،، وہ مرد ہنسا اور کہنے لگا کہ ''مجھکو تجھپر افسوس آتا ہے کہ تو بھی ہمارے مانند ملک عجم کا متوطن ہے - اس لئے میں منع کرتا ہوں، نہیں تو تو جان - اگر خواہ

نخواہ تیرا یہی قصد ہے کہ شہر میں جاؤں۔ تو میری انگوٹھی لیتا جا۔ جب بازار کے چوک میں جاوے تو ایک شخص سفید ریش وہاں بیٹھا ہوگا۔ اور اسکی صورت شکل مجھ سے بہت مشابہ ہے۔ میرا بڑا بھائی ہے۔ اس کو یہ چھاپ دیجو تو وہ تیری خبر گیری کریگا۔ اور جو کچھ وہ کہے اسی موافق کام کیجو۔ نہیں تو مفت مارا جائیگا اور میرا حکم یہیں تلک ہے۔ شہر میں میرا دخل نہیں۔،، تب میں نے وہ خاتم اس سے لی۔ اور سلام کر کر رخصت ہوا۔ شہر میں گیا۔ بہت خاصہ شہر دیکھا۔ کوچہ و بازار صاف اور زن و مرد بیحجاب آپس میں خرید و فروخت کرتے ھیں۔ سب خوش لباس۔ میں سیر کرتا اور تماشا دیکھتا۔ جب چوک کے چوراہے میں پہنچا۔ ایسا ازدحام تھا کہ تھالی پھینکئے تو آدمیوں کے سر پر چلی جائے۔ خلقت کا یہ ٹھٹھہ بندھ رہا تھا کہ آدمی کو راہ چلنا مشکل تھا۔ جب کچھ بھیڑ چھٹی میں بھی دھکم دھکا کرتا ہوا آگے گیا۔ بارے اس عزیز کو دیکھا کہ ایک چوکی پر بیٹھا ہے۔ اور ایک جڑاؤ چماق رو برو دھرا ہے۔ میں نے جا کر سلام کیا اور وہ سہر دی۔ نظر غضب سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ,,کیوں تو یہاں آیا۔ اور اپنے تئیں بلا میں ڈالا؟ مگر میرے بیوقوف بھائی نے تجھے منع نہ کیا تھا ؟،،

میں نے کہا ,,انھوں نے تو کہا لیکن میں نے نہ مانا۔،، اور تمام کیفیت اپنی ابتدا سے انتہا تک کہہ سنائی۔ وہ شخص اٹھا اور مجھے ساتھ لیکر اپنے گھر کی طرف چلا۔ اس کا مکان پادشاھوں کا سا دیکھنے میں آیا۔ اور بہت سے نوکر چاکر اس کے تھے۔ جب خلوت میں جا کر بیٹھا بہ ملایمت بولا۔ ,,اے فرزند! یہ کیا تونے

حماقت کی کہ اپنے پاؤں سے گور میں آیا؟ کوئی بھی اس کمبخت طلسماتی شہر میں آتا ہے؟،، میں نے کہا ''میں اپنا احوال پیشتر کہہ چکا ہوں۔ اب تو قسمت لے آئی۔ لیکن شفقت فرما کر یہاں کی راہ و رسم سے مطلع کیجئیے تو معلوم کروں کہ اس واسطے تم نے اور تمہارے بھائی نے مجھے منع کیا۔،، تب وہ جواں مرد بولا کہ ''پادشاہ اور تمام رئیس اس شہر کے راندے ہوئے ہیں۔ عجب طرح کا ان کا رویہ اور مذہب ہے۔ یہاں بت خانے میں ایک بت ہے کہ شیطان اسکے پیٹ میں سے نام اور ذات اور دین ہر کسو کا بیان کرتا ہے۔ پس جو کوئی غریب مسافر آتا ہے پادشاہ کو خبر ہوتی ہے۔ اسے منڈپ میں لیجاتا ہے۔ اور بت کو سجدہ کرواتا ہے۔ اگر ڈنڈوت کی تو بہتر۔ نہیں تو بیچارے کو دریا میں ڈبوا دیتا ہے۔ اگر وہ چاہے کہ دریا سے نکل کر بھاگے۔ تو آلت اور خصئے اس کے لنبے ہو جاتے ہیں، ایسے کہ زمین میں گھسٹتے۔ ایسا طلسم اس شہر میں بنایا ہے۔ مجھکو تیری جوانی پر رحم آتا ہے۔ مگر تیری خاطر ایک تدبیر کرتا ہوں۔ کہ بھلا کوئی دن تو تو جیتا رہے۔ اور اس عذاب سے بچے،،۔

میں نے پوچھا ''وہ کیا صورت تجویز کی ہے؟ ارشاد ہو۔،، کہنے لگا ''تجھے کتخدا کروں۔ اور وزیر کی لڑکی تیری خاطر بیاہ لاؤں۔،، میں نے جواب دیا۔ کہ ''وزیر اپنی بیٹی مجھ مفلس کو کب دیگا؟ مگر جب ان کا دین قبول کروں؟ سو یہ مجھسے نہ ہو سکیگا۔،، کہنے لگا ''اس شہر کی یہ رسم ہے کہ جو کوئی اس بت کو سجدہ کرے۔ اگر فقیر ہو اور پادشاہ کی بیٹی کو مانگے۔ تو اس کی خوشی کی خاطر حوالے کریں۔ اور اسے رنجیدہ نہ کریں۔ اور میرا بھی

پادشاہ کے نزدیک اعتبار ہے اور عزیز رکھتا ہے ۔ لہذا سب ارکان اور اکابر یہاں کے میری قدر کرتے ہیں ۔ اور درمیان ایک ہفتے کے دو دن بتکدے میں زیارت کو جاتے ہیں ۔ اور عبادت بجا لاتے ہیں ۔ چنانچہ کل سب جمع ہووینگے میں تجھے لیجاؤں گا ۔،، یہ کہکر کھلا پلا کر سلا رکھا ۔ جب صبح ہوئی مجھے ساتھ لیکر بتخانے کی طرف چلا ۔ وہاں جا کر جو دیکھا تو آدمی آتے جاتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں ۔

پادشاہ اور امیر بت کے سامنے پنڈتوں کے پاس سر ننگے کئے ادب سے دو زانو بیٹھے تھے ۔ اور نا کتخدا لڑکیاں اور لڑکے خوبصورت جیسے حور و غلماں چاروں طرف صف باندھے کھڑے تھے ۔ تب وہ عزیز مجھ سے مخاطب ہوا ۔ کہ ''اب میں جو کہوں سو کر ۔،، میں نے قبول کیا ۔ کہ ''جو فرماؤ سو بجا لاؤں ۔،، بولا کہ ''پہلے پادشاہ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دے ۔ بعد اسکے وزیر کا دامن پکڑ ۔،، میں نے ویسا ہی کیا ۔ پادشاہ نے پوچھا ۔ کہ ''یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے ؟،، اس مرد نے کہا ''یہ جوان میرے رشتے میں ہے ۔ پادشاہ کی قدم بوسی کی آرزو میں دور سے آیا ہے ۔ اس توقع پر کہ وزیر اسکو اپنی غلامی میں سر بلند کرے ۔ اگر حکم بت کلاں کا اور مرضی حضور کی ہووے ۔،، پادشاہ نے پوچھا کہ ''ہمارا مذہب اور دین اور آئین قبول کریگا ۔ تو مبارک ہے ۔،، وونہیں بتخانے کا نقار خانہ بجنے لگا ۔ اور بھاری خلعت مجھے پہنائی ۔ اور ایک رسی سیاہ میرے گلے میں ڈالکر کھینچے ہوئے بت کی سنگھاسن کے آگے لیجا کر سجدہ کروا کر کھڑا کیا ۔

بت سے آواز نکلی کہ ''اے خواجہ زادے! خوب ہوا کہ تو ہماری بندگی میں آیا ۔ اب ہماری رحمت اور عنایت کا امیدوار رہ ۔،، یہ سنکر سب خلقت نے سجدہ کیا اور زمین میں لوٹنے لگے اور پکارے ۔ ''دھن ہے۔ کیوں نہ ہو۔ تم ایسے ہی ٹھاکر ہو ۔،، جب شام ہوئی پادشاہ اور وزیر سوار ہو کر وزیر کے محل میں داخل ہوئے۔ اور وزیر کی بیٹی کو اپنے طور کی ریت رسم کرکے میرے حوالے کیا۔ اور بہت سا دان دہیز دیا اور بہت منت وار ہوئے کہ بموجب حکم بڑے بت کے اسے تمہاری خدمت میں دیا ہے ۔ ایک مکان میں ہم دونوں کو رکھا ۔ اس نازنین کو جو میں نے دیکھا تو فی الواقع اسکا عالم پری کا سا تھا ۔ نکھ سکھ سے درست ۔ جو جو خوبیاں پدمنی کی سنی جاتی ہیں سو سب اس میں موجود تھیں۔ بفراغت تمام میں نے صحبت کی اور حظ اٹھایا ۔ صبح کو غسل کرکے پادشاہ کے مجرے میں حاضر ہوا ۔ پادشاہ نے خلعت دامادی کی عنایت کی ۔ اور حکم فرمایا کہ ہمیشہ دربار میں حاضر رہا کرے ۔ آخر کو بعد چند روز کے پادشاہ کی مصاحبت میں داخل ہوا۔

پادشاہ میری صحبت سے نہایت محظوظ ہوتے ۔ اور اکثر خلعت اور انعام عنایت کرتے ۔ اگرچہ دنیا کے مال سے میں غنی تھا اس واسطے کہ میرے قبیلے کے پاس اتنا نقد و جنس اور جواہر تھا کہ جس کی حد و نہایت نہ تھی ۔ دو سال تک بہت عیش و آرام سے گذری ۔ اتفاقاً وزیر زادی کو پیٹ رہا ۔ جب ستواں سا ہوا اور آن گنا مہینا گذر کر پورے دن ہوئے پیریں لگیں۔ دائی جنائی آئی۔ تو موا لڑکا پیٹ میں سے نکلا ۔ اس کا بس جچا کو چڑھا ۔ وہ بھی

مر گئی۔ میں مارے غم کے دیوانہ ہو گیا کہ یہ کیا آفت ٹوٹی! اس کے سرھانے بیٹھا روتا تھا۔ ایکبارگی رونے کی آواز سارے محل میں بلند ہوئی۔ اور چاروں طرف سے عورتیں آنے لگیں۔ جو آتی تھی ایک دو ہتڑ میرے سر پر مارتی اور اپنے کس اور کون کو ننگا کرکے میرے منھ کے مقابل کھڑی رہتی۔ اور رونا شروع کرتی۔ اتنی رنڈیاں اکھٹی ہوئیں کہ میں ان کے چوتڑوں میں چھپ گیا۔ نزدیک تھا کہ جان نکل جاوے۔

اتنے میں کسو نے پیچھے سے گریباں میرا کھینچ کر گھسیٹا۔ دیکھوں تو وھی مرد عجمی ھے جس نے مجھے بیاھا تھا۔ کہنے لگا کہ ''احمق تو کس لئے روتا ھے؟،، میں نے کہا ''اے ظالمؔ یہ تونے کیا بات کہی؟ میری پادشاھت لٹ گئی۔ آرام خانہ داری کا گیا گذرا۔ تو کہتا ھے کیوں غم کرتا ھے!،، وہ عزیز تبسم کرکے بولا۔ کہ ''اب اپنی موت کی خاطر رو۔ میں نے پہلے ھی تجھے کہا تھا کہ شاید اس شہر میں تیری اجل لے آئی ھے۔ سو ھی ھوا۔ اب سوائے مرنے کے تیری رہائی نہیں۔،، آخر لوگ مجھے پکڑ کر بتخانے میں لے گئے۔ دیکھا تو پادشاہ اور امرا اور چھتیس فرقہ رعیت پرجا وھاں جمع ھیں۔ اور وزیر زادی کا مال اموال سب دھرا ھے۔ جو چیز جسکا جی چاھتا ھے لیتا ھے۔ اور اسکی قیمت کے روپئے دھر دیتا ھے۔

غرض سب اسباب کے نقد روپئے ہوئے۔ ان روپیوں کا جواھر خریدا گیا۔ اور ایک صندوقچے میں بند کیا اور ایک دوسرے صندوق میں نان و حلوا اور گوشت کے کباب اور میوہ خشک و تر اور کھانے کی چیزیں لیکر بھریں۔ اور لاش اس بی بی کی ایک صندوق

میں رکھکر صندوق آذوقے کا ایک اونٹ پر لدوایا - اور مجھے سوار کیا اور صندوقچہ جواھر کا میری بغل میں دیا اور سارے باھمن آگے آگے بھجن کرتے سنکھ بجاتے چلے - اور پیچھے ایک خلقت مبارک بادی کہتی ہوئی ساتھ ہولی - اس طور سے اسی دروازے سے کہ میں پہلے روز آیا تھا شہر کے باھر نکلا - جونہیں داروغہ کی نگاہ مجھپر پڑی رونے لگا اور بولا کہ ''اے کمبخت اجل گرفتہ میری بات نہ سنی - اور اس شہر میں جا کر مفت اپنی جان دی۔ میری تقصیر نہیں - میں نے منع کیا تھا،، ان نے یہ بات کہی- لیکن میں تو ھکا بکا ہو رھا تھا - نہ زبان یاری دیتی تھی کہ جواب دوں - نہ اوسان بجا تھے کہ دیکھئے انجام میرا کیا ھوتا ھے-

آخر اسی قلعے کے پاس جسکا میں نے پہلے روز دروازہ بند دیکھا تھا لیگئے - اور بہت سے آدمیوں نے ملکر قفل کو کھولا اور تابوت اور صندوق کو اندر لیچلے - ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا - کہ ''مانس ایک دن جنم پاتا ھے - اور ایک روز ناس ہوتا ھے - دنیا کا یہی آوا گون ھے - اب یہ تیری استری اور پوت اور دھن اور چالیس دن کا اسباب بھوجن کا موجود ھے- اسکو لے اور یہاں رہ ، جب تلک بڑا بت تجھپر مہربان ھووے-،، میں نے غصے میں چاھا کہ اس بت پر اور وھاں کے رھنے والوں پر اور اس ریت و رسم پر لعنت کہوں - اور اس باھمن کو دَھول چھکڑ کروں - وھی مرد عجمی اپنی زبان میں مانع ھوا- کہ ''خبردار ھرگز دم مت مار - اگر کچھ بھی بولا تو اسی وقت تجھے جلا دینگے - خیر جو تیری قسمت میں تھا سو ھوا - اب خدا کے کرم سے امیدوار رہ - شاید اللہ تجھے یہاں سے جیتا نکالے،،-

آخر سب مجھے تن تنہا چھوڑ کر اس حصار سے باہر نکلے۔ اور دروازہ پھر مقفل کردیا۔ اس وقت میں اپنی تنہائی اور بے بسی پر بے اختیار رویا۔ اور اس عورت کی لوتھ پر لاتیں مارنے لگا۔ کہ اے مردار اگر تجھے جنتے ہی مر جانا تھا بیاہ کاہیکو کیا تھا۔ اور پیٹ سے کیوں ہوئی تھی؟ مار مور کر پھر چپکا بیٹھا۔ اس میں دن چڑھا اور دھوپ گرم ہوئی، سر کا بھیجا پکنے لگا۔ اور تعفن کے مارے روح نکلنے لگی۔ جیدھر دیکھتا ہوں مردوں کی ہڈیاں اور صندوق جواہر کے ڈھیر لگے ہیں۔ تب کئی صندوق پرانے لیکر نیچے اوپر رکھے کہ دن کو دھوپ سے اور رات کو اوس سے بچاؤ ہو۔ آپ پانی کی تلاش کرنے لگا۔ ایک طرف جھرنا سا دیکھا کہ قلعے کی دیوار میں پتھر کا تراشا ہوا گھڑے کے منھ کے موافق ہے۔ بارے کئی دن اس پانی اور کھانے سے زندگی ہوئی۔

آخر آذوقہ تمام ہوا۔ میں گھبرایا اور خدا کی جناب میں فریاد کی۔ وہ ایسا کریم ہے کہ دروازہ کوٹ کا کھلا۔ اور ایک مردے کو لائے۔ اسکے ساتھ ایک پیر مرد آیا۔ جب اسے بھی چھوڑ کر گئے۔ یہ دل میں آیا کہ اس بوڑھے کو مار کر اسکے کھانے کا صندوق سب کا سب لے لے۔ ایک صندوق کا پایا ہاتھ میں لیکر اسکے پاس گیا۔ وہ بچارا سر زانو پر دھرے حیران بیٹھا تھا۔ میں نے پیچھے سے آکر اسکے سر میں ایسا مارا کہ سر پھٹ کر مغز کا گودا نکل پڑا۔ اور فی الفور جان بحق تسلیم ہوا۔ اس کا آذوقہ لیکر میں کھانے لگا۔ مدت تلک یہی میرا کام تھا کہ جو زندہ مردے کے ساتھ آتا۔ اسے میں مار ڈالتا اور کھانے کا اسباب لیکر بہ فراغت کھاتا۔

بعد کتنی مدت کے ایک مرتبہ ایک لڑکی تابوت کے همراہ آئی نہایت قبول صورت - میرے دل نے نہ چاھا کہ اسے بھی ماروں - آن نے مجھے دیکھا اور مارے ڈر کے بیہوش ہوگئی - میں اسکا بھی آذوقہ اٹھا کر اپنے پاس لے آیا - لیکن اکیلا نہ کھاتا - جب بھوک لگتی کھانا اسکے نزدیک ایجاتا اور ساتھ ملکر کھاتا - جب اس عورت نے دیکھا کہ مجھے یہ شخص نہیں ستاتا - دن بدن اسکی وحشت کم ہوئی - اور رام ہوتی چلی - میرے مکان میں آنے جانے لگی - ایک روز اسکا احوال پوچھا کہ ''تو کون ہے ؟،، اس نے جواب دیا کہ ''میں پادشاہ کے وکیل مطلق کی بیٹی ہوں - اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہوئی تھی - شب عروسی کے دن اسے قولنج ہوا - ایسا درد سے تڑپھنے لگا کہ ایک آن کی آن میں مر گیا - مجھے اسکے تابوت ساتھ لا کر یہاں چھوڑ گئے ہیں -،، تب اسنے میرا احوال پوچھا - میں نے بھی تمام و کمال بیان کیا اور کہا - ''خدا نے تجھے میری خاطر یہاں بھیجا ہے -،، وہ مسکرا کر چپکی ہورہی -

اسی طرح کئی دن میں آپس میں محبت زیادہ ہوگئی - میں نے اسے ارکان مسلمانی کے سکھا کر کلمہ پڑھایا - اور متعہ کرکر صحبت کی - وہ بھی حاملہ ہوئی - ایک بیٹا پیدا ہوا - قریب تین برس کے اسی صورت سے گذری - جب لڑکے کا دودھ بڑھایا ایک روز بی بی سے کہا کہ ''یہاں کب تلک رہینگے - اور کسطرح یہاں سے نکلینگے ؟،، وہ بولی ''خدا نکالے تو نکلیں - نہیں تو ایک روز یونہیں مر جائینگے -،، مجھے اسکے کہنے پر اور اپنے رہنے پر کمال رقت آئی - روتے روتے سو گیا - ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے

''پرنالے کی راہ سے نکلنا ہے ۔ تو نکل ۔،، میں مارے خوشی کے چونک پڑا اور جورو کو کہا ۔ کہ ''لوہے کی میخیں اور سیخیں جو پرانے صندوقوں میں ہیں جمع کر کر لے آؤ ۔ تو اسکو کشادہ کروں ۔،، غرض میں اس موری کے منھ پر میخ رکھ کر پتھروں سے ایسا ٹھونکتا کہ تھک جاتا ۔ ایک برس کی محنت میں وہ سوراخ اتنا بڑا ہوا کہ آدمی نکل سکے ۔

بعد اسکے مردوں کی آستینوں میں اچھے اچھے جواہر چنکر بھرے ۔ اور ساتھ لیکر اسی راہ سے ہم تینوں باہر نکلے ۔ خدا کا شکر کیا اور بیٹے کو کاندھے پر بٹھا لیا ۔ ایک مہینا ہوا ہے کہ سرراہ چھوڑ کر مارے ڈر کے جنگل پہاڑوں کی راہ سے چلا آتا ہوں ۔ جب گرسنگی ہوتی ہے گھاس پات کھاتا ہوں ۔ قوت بات کہنے کی مجھ میں نہیں ۔ یہ میری حقیقت ہے جو تم نے سنی ۔،،

بادشاہ سلامت میں نے اسکی حالت پر ترس کھایا اور حمام کروا کر اچھا لباس پہنوایا اور اپنا نائب بنایا ۔ اور میرے گھر میں ملکہ سے کئی لڑکے پیدا ہوئے ۔ لیکن خورد سالی میں مر مر گئے ۔ ایک بیٹا پانچ برس کا ہو کر موا ۔ اسکے غم میں ملکہ نے بھی وفات پائی ۔ مجھے کمال غم ہوا اور وہ ملک بغیر اسکے کاٹنے لگا ۔ دل اداس ہو گیا ۔ ارادہ عجم کا کیا ۔ بادشاہ سے عرض کر کر خدمت شاہ بندری کی جوان کو دلوادی ۔ اس عرصے میں بادشاہ بھی مر گیا ۔ میں اس وفادار کتے کو اور سب مال خزانہ جواہر ساتھ لیکر نیشا پور میں آ رہا ۔ اس واسطے کہ میرے بھائیوں کے احوال سے کوئی واقف نہ ہووے ۔ میں خواجۂ سگ پرست مشہور ہوا اور اس بدنامی میں دگنا محصول آج تک پادشاہ ایران کی سرکار میں بھرتا ہوں ۔

اتفاقاً یہ سوداگر بچہ وہاں گیا۔ اسکے وسیلے سے جہاں پناہ کا قدم بوس کیا۔ میں نے پوچھا ''کیا یہ تمھارا فرزند نہیں؟،، خواجہ نے جواب دیا۔ ''قبلۂ عالم! یہ میرا بیٹا نہیں آپ ھی کی رعیت ھے۔ لیکن اب میرا مالک اور وارث جو کچھ کہیئے سو یہی ھے۔،، یہ سنکر سوداگر بچے سے میں نے پوچھا کہ ''تو کس تاجر کا لڑکا ھے۔ اور تیرے ماں باپ کہاں رھتے ھیں؟،، اس لڑکے نے زمین چومی اور جان کی امان مانگی اور بولا۔ کہ ''یہ لونڈی سرکار کے وزیر کی بیٹی ھے۔ میرا باپ حضور کے عتاب میں بہ سبب اسی خواجہ کے لعلوں کے پڑا۔ اور حکم یوں ھوا کہ اگر ایک سال تک اسکی بات کرسی نشین نہ ھوگی تو جان سے مارا جاویگا۔ میں نے سنکر یہ بھیس بنایا اور اپنے تئیں نیشاپور پہونچایا۔ خدا نے خواجہ کو بہ مع کتے اور لعلوں کے حضور میں حاضر کردیا۔ آپ نے تمام احوال سن لیا۔ امیدوار ھوں کہ میرے بوڑھے باپ کی مخلصی ھو،،۔

یہ بیان وزیر زادی سے سنکر خواجہ نے ایک آہ کی۔ اور بے اختیار گر پڑا۔ جب گلاب اس پر چھڑکا گیا تب ھوش میں آیا۔ اور بولا کہ ''ھائے کمبختی! اتنی دور سے یہ رنج و محنت کھینچ کر میں اس توقع پر آیا تھا۔ کہ اس سوداگر بچے کو متبنیٰ کر کر اپنا فرزند کرونگا۔ اور اپنے مال متاع کا اسکو ھبہ نامہ لکھ دونگا۔ تو میرا نام رھیگا اور سارا عالم اسے خواجہ زادہ کہیگا۔ سو میرا خیال خام ھوا اور بالعکس کام ھوا۔ ان نے عورت ھو کر مجھ مرد پیر کو خراب کیا۔ میں رنڈی کے چرتر میں پڑا۔ اب میری وہ کہاوت ھوئی۔ گھر میں رھے نہ تیرتھ گئے۔ مونڈ منڈا فضیحت بھئے،،۔

القصہ مجھے اسکی بیقراری اور نالہ و زاری پر رحم آیا ۔ خواجہ کو نزدیک بلایا اور کان میں مژدہ اسکے وصل کا سنایا کہ ''غمگین مت ہو۔ اسی سے تیری شادی کر دینگے ۔ خدا چاہے تو اولاد تیری ہوگی ۔ اور یہی تیری مالک ہوگی ۔،، اس خوشخبری کے سننے سے فی الجملہ اسکو تسلی ہوئی ۔ تب میں نے کہا کہ ''وزیر زادی کو محل میں لیجاؤ ۔ اور وزیر کو پنڈت خانے* سے لے آؤ ۔ اور حمام میں نہلاؤ ۔ اور خلعت سرفرازی کی پہناؤ ۔ اور جلدی میرے پاس لاؤ ۔،، جس وقت وزیر آیا ۔ لب فرش تک اسکا اقبال فرمایا ۔ اور اپنا بزرگ جان کر گلے لگایا اور نئے سر سے قلمدان وزارت کا عنایت فرمایا۔ اور خواجہ کو بھی جاگیر و منصب دیا ۔ اور ساعت سعید دیکھ کر وزیرزادی سے نکاح پڑھوایا کر منسوب کیا۔

کئی سال میں دو بیٹے اور ایک بیٹی اسکے گھر میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ بڑا بیٹا ملک التجار ہے ۔ اور چھوٹا ہماری سرکار کا مختار ہے۔ اے درویشو! میں نے اسلئے یہ نقل تمہارے سامنے کی ۔ کہ کل کی رات دو فقیروں کی سر گزشت میں نے سنی تھی۔ اب تم دونوں بھی جو باقی رہے ہو، یہ سمجھو کہ ہم اسی مکان میں بیٹھے ہیں اور مجھے اپنا خادم اور اس گھر کو اپنا تکیہ جانو ۔ بے وسواس اپنی اپنی سیر کا احوال کہو ۔ اور چندے میرے پاس رہو ۔،، جب فقیروں نے پادشاہ کی طرف سے بہت خاطر داری دیکھی کہنے لگے۔ ''خیر جب تم نے گداؤں سے الفت کی۔ تو ہم دونوں بھی اپنا ماجرا بیان کرتے ہیں ۔ سنئیے ۔،،۔

* اس لفظ کو کہیں پنڈت خانہ لکھا ہے تو کہیں پنڈٹ خانہ ۔ فرہنگ ملاحظ کیجئے۔

سیر تیسرے درویش کی

تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا - اور اپنی سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا-

"احوال اس فقیر کا اے دوستان سنو
یعنی جو مجھ پہ بیتی ہے وہ داستان سنو

جو کچھ کہ شاہ عشق نے مجھسے کیا سلوک
تفصیل وار کرتا ہوں اس کا بیان سنو

کہ یہ کمترین پادشاہ زادہ عجم کا ہے - میرے ولی نعمت وہاں کے پادشاہ تھے - اور سوائے میرے کوئی فرزند نہ رکھتے تھے- میں جوانی کے عالم میں مصاحبوں کے ساتھ چوپڑ - گنجیفہ - شطرنج - تختہٴ نرد کھیلا کرتا - یا سوار ہوکر سیر و شکار میں مشغول رهتا - ایک دن کا یہ ماجرا ہے - کہ سواری تیار کروا کر اور سب یار آشناؤں کو لیکر میدان کی طرف نکلا - باز، بہری، جرہ، باشا، سرخاب اور تیتروں پر اڑاتا ہوا دور نکل گیا - عجب طرح کا ایک قطعہ بہار کا نظر آیا - کہ جیدھر نگاہ جاتی تھی کوسوں تلک سبز اور پھولوں سے لال زمین نظر آتی تھی - یہ سماں دیکھکر گھوڑوں کی باگیں ڈال دیاں - اور قدم قدم سیر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے - ناگاہ اس صحرا میں دیکھا کہ ایک کالا ہرن اس پر زر بفت کی جھول اور بھنور کلی مرصع کی اور گھونگرو سونے کے زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے گلے میں پڑے خاطر جمع سے اس میدان

میں (کہ جہاں انسان کا دخل نہیں ۔ اور پرندہ پر نہیں مارتا۔) چرتا پھرتا ہے ۔ ہمارے گھوڑوں کے سم کی آہٹ پاکر چوکنا ہوا اور سر اٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ چلا۔

مجھے اسکے دیکھنے سے یہ شوق ہوا کہ رفیقوں سے کہا کہ ''تم یہیں کھڑے رہو۔ میں اسے جیتا پکڑوں گا۔ خبر دار تم قدم آگے نہ بڑھائیو۔ اور میرے پیچھے نہ آئیو۔'' اور گھوڑا (میری رانوں تلے ایسا پرند تھا کہ بارہا ہرنوں کے اوپر دوڑا کر ان کی کرچھالوں کو بھلا کر ہاتھوں سے پکڑ پکڑ لئے تھے) اس کے عقب دوڑایا ۔ وہ دیکھکر چھلانگیں بھرنے لگا اور ہوا ہوا ۔ گھوڑا بھی باد سے باتیں کرتا تھا ۔ لیکن اس کی گرد کو نہ پہنچا ۔ وہ رہوار بھی پسینے پسینے ہو گیا ۔ اور میری بھی جیبھ مارے پیاس کے چٹخنے لگی پر کچھ بس نہ چلا ۔ شام ہونے لگی ۔ اور میں کیا جانوں کہاں سے کہاں نکل آیا؟ لاچار ہو کر اسے بُھلاوادیا اور تکش میں سے تیر نکال کر اور قربان سے کمان سنبھالکر چلے میں جوڑ کر کشش کان تلک لا کر، ران کو اس کی تاک ۔ اللہ اکبر، کہکر مارا۔ بارے پہلا ہی تیر اسکے پاؤں میں ترازو ہوا ۔ تب لنگڑاتا ہوا پہاڑ کے دامن کی سمت چلا ۔ فقیر بھی گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ اور پا پیادہ اسکے پیچھے لگا ۔ اس نے کوہ کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اس کا ساتھ دیا ۔ کئی اتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبد نظر آیا۔ جب پاس پہنچا ایک باغیچہ اور ایک چشمہ دیکھا ۔ وہ ہرن تو نظروں سے چھلاوا ہو گیا ۔ میں نہایت تھکا تھا ۔ ہاتھ پاؤں دھونے لگا۔

ایک بارگی آواز رونے کے اس برج کے اندر سے میرے کان میں آئی - جیسے کوئی کہتا ہے - کہ ''اے بچے! جس نے تجھے تیر مارا میری آہ کا تیر اسکے کلیجے میں لگیو - وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے - اور خدا اس کو میرا سا دکھیا بناوے!،، میں یہ سنکر وہاں گیا - دیکھا تو ایک بزرگ ریش سفید اچھی پوشاک پہنے ایک مسند پر بیٹھا ہے - اور ہرن آگے لیٹا ہے -اس کی جانگھ سے تیر کھینچتا ہے -اور بد دعا دیتا ہے - میں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا - کہ ''حضرت سلامت - یہ تقصیر نا دانستہ اس غلام سے ہوئی - میں یہ نہ جانتا تھا - خدا کے واسطے معاف کرو -،، بولا کہ ''بے زبان کو تونے ستایا ہے - اگر ان جان یہ حرکت تجھ سے ہوئی - اللہ معاف کریگا -،، میں پاس جا بیٹھا اور تیر نکالنے میں شریک ہوا - بڑی دقت سے تیر کو نکالا - اور زخم میں مرحم بھر کر چھوڑ دیا - پھر ہاتھ دھو دھا کر اس پیر مرد نے کچھ حاضری جو اس وقت موجود تھی مجھے کھلائی - میں نے کھا پی کر ایک چارپائی پر لنبی تانی -

ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا - اس نیند میں آواز نوحہ و زاری کی کان میں آئی - آنکھیں ملکر جو دیکھتا ہوں تو اس مکان میں نہ وہ بوڑھا ہے نہ کوئی اور ہے - اکیلا میں پلنگ پر لیٹا ہوں - اور وہ دالان خالی پڑا ہے - چاروں طرف بھیانک ہو کر دیکھنے لگا - ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا - وہاں جا کر اسے اٹھایا - دیکھا تو ایک تخت بچھا ہے اور اس پر ایک پریزاد عورت، برس چودہ ایک کی، مہتاب کی سی صورت، اور زلفیں دونوں طرف چھوٹیں ہوئیں، ہنستا چہرہ، فرنگی لباس پہنے ہوئے عجب ادا سے

دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے - اور وہ بزرگ اپنا سر اس کے پاؤں پر دھرے بے اختیار رو رہا ہے - اور ہوش حواس کھو رہا ہے - میں اس پیر مرد کا یہ احوال اور اس نازنین کا حسن و جمال دیکھکر مرچھا گیا - اور مردے کی طرح بیجان ہو کر گر پڑا - وہ مرد بزرگ یہ میرا حال دیکھکر شیشہ گلاب کا لے آیا اور مجھ پر چھڑکنے لگا - جب میں جیتا اٹھ کر اس معشوق کے مقابل جا کر سلام کیا - اس نے ہرگز نہ ہاتھ اٹھایا اور نہ ہونٹھ ہلایا - میں نے کہا "اے گلبدن اتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا کس مذہب میں درست ہے؟

کم بولنا ادا ہے ہرچند - پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق - تو بھی وہ منھ نہ کھولے

واسطے اس خدا کے جس نے تجھے بنایا ہے کچھ تو منھ سے بول - ہم بھی اتفاقاً یہاں آ نکلے ہیں - مہمان کی خاطر ضرور ہے -" میں نے بہتیری باتیں بنائیں لیکن کچھ کام نہ آئیں - وہ چپکی بت کی طرح بیٹھی سنا کی - تب میں نے بھی آگے بڑھ کر ہاتھ، پاؤں پر چلایا - جب پاؤں کو چھیڑا تو سخت معلوم ہوا - آخر یہ دریافت کیا کہ پتھر سے اس لعل کو تراشا ہے - اور آذر نے اس بت کو بنایا ہے - تب اس پیر مرد بت پرست سے پوچھا - کہ "میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں کھپرا مارا - تو نے اس عشق کی ناوک سے میرا کلیجہ چھید کر وار پار کیا - تیری دعا قبول ہوئی - اب اس کی کیفیت مفصل بیان کر - کہ یہ طلسم کیوں بنایا ہے - اور تو نے بستی کو چھوڑ کر جنگل پہاڑ کیوں بسایا ہے - تجھ پر جو کچھ بیتا ہے مجھ سے کہہ" -

جب اس کا بہت پیچھا لیا تب اس نے جواب دیا۔ کہ "اس بات نے مجھے تو خراب کیا، کیا تو بھی سنکر ھلاک ہوا چاھتا ھے؟"، میں نے کہا۔ "لو اب بہت مکر چکر کیا، مطلب کی بات کہو۔ نہیں تو مار ڈالوں گا۔"، مجھے نہایت در پے دیکھکر بولا۔ "اے جوان! حق تعالیٰ ھر ایک انسان کو عشق کی آنچ سے محفوظ رکھے۔دیکھ تو اس عشق نے کیا کیا آفتیں برپا کی ھیں! عشق ھی کے مارے عورت خاوند کے ساتھ ستی ھوتی ھے۔ اور اپنی جان کھوتی ھے۔ اور فرھاد و مجنوں کا قصہ سب کو معلوم ھے۔ تو اسکے سننے سے کیا پھل پاویگا؟ ناحق گھر بار دولت دنیا چھوڑ چھاڑ کر نکل جاویگا؟"، میں نے جواب دیا۔ "بس اب اپنی دوستی تہ کر رکھو۔ اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو۔ اگر جان عزیز ھے تو صاف کہو۔"، لاچار ھو کر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا " کہ مجھ خانہ خراب کی یہ حقیقت ھے۔ کہ بندے کا نام نعمان سیاح ھے۔ میں بڑا سوداگر تھا۔ اس سن میں تجارت کے سبب ھفت اقلیم کی سیر کی۔ اور سب پادشاھوں کی خدمت میں رسائی ھوئی۔

ایک بار یہ خیال جی میں آیا۔ کہ چاروں دانگ ملک تو پھرا لیکن جزیرۂ فرنگ کی طرف نہ گیا۔ اور وھاں کے پادشاہ کو اور رعیت و سپاہ کو نہ دیکھا۔ اور رسم و راہ وھاں کی کچھ نہ دریافت ھوئی۔ ایک دفعہ وھاں بھی چلا چاھئے۔ رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لیکر ارادہ مصمم کیا۔ اور تحفہ ھدایا جہاں تہاں کا جو وھاں کے لائق تھا لیا۔ اور ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کر کر جہاز پر سوار ھو کر روانہ ھوا۔ ھوا جو موافق پائی کئی مہینوں میں اس ملک میں جا داخل ھوا۔ شہر میں ڈیرا کیا۔

عجب شہر دیکھا کہ کوئی شہر اس شہر کی خوبی کو نہیں پہنچتا۔ ہر ایک بازار و کوچے میں پختہ سڑکیں بنی ہوئیں۔ اور چھڑکاؤ کیا ہوا۔ صفائی ایسی کہ ایک تنکا کہیں پڑا نظر نہ آیا، کوڑے کا تو کیا ذکر ہے؟ اور عمارتیں رنگ برنگ کی اور رات کو رستوں میں دو رستہ قدم بہ قدم روشنی۔ اور شہر کے باہر باغات کہ جن میں عجائب گل بوٹے اور میوے نظر آئے۔ کہ شاید سوائے بہشت کے کہیں اور نہ ہوں گے۔ جو وہاں کی تعریف کروں سو بجا ہے۔

غرض سوداگروں کے آنے کا چرچا ہوا۔ ایک خواجہ سرا معتبر سوار ہوکر اور کئی خدمتگار ساتھ لیکر قافلے میں آیا اور بیوپاریوں سے پوچھ کہ "تمھارا سردار کون سا ہے؟"، سبھوں نے میری طرف اشارت کی۔ وہ محلی میرے مکان میں آیا۔ میں تعظیم بجا لایا۔ باہم سلام علیک ہوئی۔ اس کو سوزنی پر بٹھایا۔ تکیئے کی تواضع کی۔ بعد اسکے میں نے پوچھا کہ "صاحب کے تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمائیے۔"، جواب دیا کہ "شہزادی نے سنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں۔ اور بہت جنس لائے ہیں۔ لہذا مجھکو حکم کیا کہ جاکر ان کو حضور میں لے آؤ۔ پس تم جو کچھ اسباب لائق پادشاہوں کی سرکار کے ہو ساتھ لیکر چلو۔ اور سعادت آستانہ بوسی کی حاصل کرو"۔

میں نے جواب دیا کہ "آج تو ماندگی کے باعث قاصر ہوں۔ کل جان و مال سے حاضر ہوں۔ جو کچھ اس عاجز کے پاس موجود ہے نذر گذرانونگا۔ جو پسند آوے مال سرکار کا ہے۔"، یہ وعدہ کر کر

اور عطر پان دیکر خواجہ کو رخصت کیا اور سب سوداگروں کو اپنے پاس بلا کر جو جو تحفہ جسکے پاس تھا لے لے کر جمع کیا۔ اور جو میرے گھر میں تھا وہ بھی لیا۔ اور صبح کے وقت دروازے پر پادشاہی محل کے حاضر ہوا۔ بارے دربان نے میری خبر عرض کی۔ حکم ہوا کہ ''حضور میں لاؤ۔'' وہی خواجہ سرا نکلا اور میرا ہاتھ ہاتھ میں لیکر دوستی کی راہ سے باتیں کرتا ہوا لے چلا۔ پہلے خواص پُرے سے ہو کر ایک مکان عالیشان میں لیگیا۔ اے عزیز تو باور نہ کریگا یہ عالم نظر آیا گویا پر کاٹ کر پریوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جس طرف دیکھتا تھا نگاہ گڑ جاتی تھی۔ پانوں زمین سے اکھڑے جاتے تھے۔ بہ زور اپنے تئیں سنبھالتا ہوا روبرو پہنچا۔ جونہیں پادشاہزادی پر نظر پڑی غش کی نوبت ہوئی۔ اور ہاتھ پانوں میں رعشہ ہوگیا۔

بہر صورت سلام کیا۔ دونوں طرف دست راست اور دست چپ صف بہ صف نازنینان پریچہرہ دست بستہ کھڑیں تھیں۔ میں جو کچھ قسم جواھر اور پارچہٴ پوشاکی اور تحفہ اپنے ساتھ لیگیا تھا۔ جب کئی کشتیاں حضور میں چنیں گئیں۔ از بسکہ سب جنس لائق پسند کے تھی خوش ہوکر خانساماں کے حوالے ہوئے اور فرمایا۔ کہ ''قیمت اس کی بموجب فرد کے کل دی جائے گی۔'' میں تسلیمات بجا لایا اور دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ہوگا۔ جب رخصت ہوکر باھر آیا تو سودائی کی طرح کہتا کچھ تھا اور منہ سے کچھ نکلتا تھا۔ اسی طرح سرا میں آیا لیکن حواس بجا نہ تھے۔ سب آشنا دوست پوچھنے لگے کہ ''تمھاری کیا حالت ہے؟'' میں نے کہا ''اتنی آمدو رفت سے گرمی دماغ میں چڑھ گئی ہے۔''—

غرض وہ رات تلپھتے کاٹی ۔ فجر کو پھر جا کر حاضر ہوا اور اسی خواجہ کے ساتھ پھر محل میں پہونچا ۔ وہی عالم جو کل دیکھا تھا دیکھا ۔ پادشاہزادی نے مجھے دیکھا اور ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر رخصت کیا ۔ جب پرچھا ہوا خلوت میں اٹھ گئیں ۔ اور مجھے طلب کیا ۔ جب میں وہاں گیا بیٹھنے کا حکم کیا ۔ میں آداب بجا لا کر بیٹھا ۔ ''فرمایا کہ یہاں جو تو آیا اور یہ اسباب لایا اس میں منافع کتنا منظور ہے؟'' میں نے عرض کی کہ ''آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی ۔ سو خدا نے میسر کی ۔ اب میں نے سب کچھ بھر پایا ۔ اور دونوں جہان کی سعادت حاصل ہوئی ۔ اور قیمت جو کچھ فہرست میں ہے نصف کی خرید ہے ۔ اور نصف نفع ہے ۔'' فرمایا ''نہیں ۔ جو قیمت تو نے لکھی ہے وہ عنایت ہو گی ۔ بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا ۔ بشرطیکہ ایک کام تجھ سے ہوسکے تو حکم کروں''—

میں نے کہا کہ ''غلام کا جان مال اگر سرکار کے کام آوے تو میں اپنے طالعوں کی خوبی سمجھوں ۔ اور آنکھوں سے کروں ۔'' یہ سنکر قلمدان یاد فرمایا ۔ ایک شقہ لکھا اور موتیوں کے دُلمیان میں رکھکر ایک رومال شبنم کا اوپر لپیٹ کر میرے حوالے کیا ۔ اور ایک انگوٹھی نشان کے واسطے انگلی سے اتار دی اور کہا ۔ کہ ''اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے ۔ دلکشا اس کا نام ہے ۔ وہاں تو جا کر، ایک شخص کیخسرو نام داروغہ ہے ۔ اس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دیجو اور ہماری طرف سے دعا کہیو اور اس رقعہ کا جواب مانگیو، لیکن جلد آئیو ۔ اگر کھانا وہاں کھائیو تو پانی یہاں پیجو ۔ اس کام کا انعام تجھے ایسا دونگی کہ تو دیکھیگا ۔''

میں رخصت ہوا اور پوچھتا پوچھتا چلا۔ قریب دو کوس کے جب گیا وہ باغ نظر پڑا۔ جب پاس پہنچا ایک عزیز مسلح مجھکو پکڑ کے دروازے میں باغ کے لیگیا۔ دیکھوں تو ایک جوان شیر کی سی صورت، سونے کی کرسی پر زرۂ داؤدی پہنے، چار آئینہ باندھے، فولادی خود سر پر دھرے نہایت شان و شوکت سے بیٹھا ہے۔ اور پان سے* جوان تیار ڈھال تلوار ھاتھ میں لئے اور ترکش، کہان باندھے مستعد، پرا باندھے کھڑے ہیں۔

میں نے سلام کیا۔ مجھے نزدیک بلایا۔ میں نے وہ خاتم دی اور خوشامد کی باتیں کر کر وہ رومال دکھایا۔ اور شقے کے بھی لانے کا احوال کہا۔ اس نے سنتے ہی انگلی دانتوں سے کاٹی۔ اور سر دھن کر بولا کہ ''شاید تیری اجل تجھکو لے آئی ہے۔ خیر باغ کے اندر جا۔ سرو کے درخت میں ایک آہنی پنجرہ لٹکتا ہے۔ اس میں ایک جوان قید ہے۔ اس کو یہ خط دیکر جواب لیکر جلدی پھر آ۔،، میں شتاب باغ میں گھسا۔ باغ کیا تھا۔ گویا جیتے جی بہشت میں گیا۔ ایک ایک چمن رنگ برنگ کا، پھول رہا تھا۔ اور فوارے چھوٹ رہے تھے۔ جانور چہچہے مار رہے تھے۔ میں سیدھا چلا گیا اور اس درخت میں وہ قفس دیکھا۔ اس میں ایک جوان حسین نظر آیا۔ میں نے ادب سے سر نہوڑایا اور سلام کیا۔ اور وہ خریطہ سر بمہر پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے دیا۔ وہ عزیز رقعہ کھول کر پڑھنے لگا اور مجھ سے مشتاق وار احوال ملکہ کا پوچھنے لگا۔

---

*پانچ سو۔

ابھی باتیں تمام نہ ہوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمود ہوئی اور چاروں طرف سے مجھ پر آ ٹوٹی۔اور بے تحاشی برچھی و تلوار مارنے لگی۔ایک آدمی نہتھے کی بساط کیا؟ ایک دم میں چور زخمی کر دیا۔مجھے کچھ اپنی سدھ بدھ نہ رہی۔پھر جو ہوش آیا اپنے تئیں چارپائی پر پایا کہ دو پیادے اٹھائے لئیے جاتے ھیں۔اور آپس میں بتیاتے ھیں۔ایک نے کہا ''اس مردے کے لوتھ کو میدان میں پھینک دو۔ کتے کوے کھائینگے۔'' دوسرا بولا ''اگر پادشاہ تحقیق کرے اور یہ خبر پہنچے تو جیتا گڑوا دے اور بال بچوں کو کولھو میں پڑوادے۔ کیا ھمیں اپنی جان بھاری پڑی ھے جو ایسی نا معقول حرکت کریں؟''

میں نے یہ گفتگو سنکر دونوں یاجوج ماجوج سے کہا کہ ''واسطے خدا کے مجھ پر رحم کرو۔ابھی مجھ میں ایک رمق جان باقی ھے۔ جب میں مر جاؤنگا جو تمھارا جی چاھے گا سو کیجو۔ مردہ بدست زندہ۔لیکن یہ تو کہو مجھپر یہ کیا حقیقت بیتی۔مجھے کیوں مارا۔ اور تم کون ہو؟ بھلا اتنا تو کہہ سناؤ۔'' تب انھوں نے رحم کھا کر کہا کہ ''وہ جوان جو قفس میں بند ھے اس پادشاہ کا بھتیجا ھے۔اور پہلے اس کا باپ تخت نشین تھا۔رحلت کے وقت یہ وصیت اپنے بھائی کو کی۔کہ ابھی میرا بیٹا جو وارث اس سلطنت کا ھے لڑکا اور بے شعور ھے۔کار بار پادشاھت کا خیر خواھی اور ہوشیاری سے تم کیا کیجو۔جب یہ بالغ ھو اپنی بیٹی سے شادی اسکی کر دیجو۔اور مختار تمام ملک اور خزانے کا کیجو۔''—

یہ کہکر انھوں نے وفات پائی۔اور سلطنت کی نوبت چھوٹے بھائی پر آئی۔اس نے وصیت پر عمل نہ کیا۔بلکہ دیوانہ اور

سودائی مشہور کرکے پنجرے میں ڈال دیا۔ اور چوکی گاڑھی چاروں طرف باغ کے رکھی ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اور کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے۔ لیکن زندگی زبردست ہے اثر نہیں کیا۔ اب وہ شہزادی اور یہ شہزادہ دونوں عاشق معشوق بن رہے ہیں۔ وہ گھر میں تلپھتی ہے۔ اور یہ قفس میں تڑپھے ہے۔ تیرے ہاتھ شوق کا نامہ اس نے بھیجا۔ یہ خبر ہرکاروں نے بجنس پادشاہ کو پہنچائی۔ حبشیوں کا دستہ متعین ہوا۔ تیرا یہ احوال کیا اور اس جوان قیدی کے قتل کی وزیر سے تدبیر پوچھی۔ اس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اس بے گناہ کو پادشاہ کے حضور اپنے ہاتھ سے شہزادی مار ڈالے۔

میں نے کہا چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھ لیں۔ آخر راضی ہو کر وہ دونوں اور میں زخمی چپکے ایک گوشے میں جا کر کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو تخت پر پادشاہ بیٹھا ہے اور ملکہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکالکر رو برو کھڑا کیا۔ ملکہ جلاد بنکر شمشیر برہنہ لئے ہوئے اپنے عاشق کے قتل کرنے کو آئی۔ جب نزدیک پہنچی تلوار پھینک دی اور گلے میں چمٹ گئی۔ تب وہ عاشق بولا کہ ''ایسے مرنے پر میں راضی ہوں۔ یہاں بھی تیری آرزو ہے وہاں بھی تیری تمنا رہیگی۔،، ملکہ بولی کہ ''اس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی۔،، پادشاہ یہ حرکت دیکھکر سخت برہم ہوا اور وزیر کو ڈانٹا کہ ''تو یہ تماشا مجھے دکھلانے کو لایا تھا؟،، محلی ملکہ کو جدا کرکے محل میں لے گئے۔ اور وزیر نے خفا ہوکر تلوار اٹھائی اور پادشاہزادے کے اوپر دوڑا کہ ایک ہی وار میں کام

اس بیچارے کا تمام کرے - جوں چاہتا ھے کہ تیغا چلاوے، غیب سے ایک تیر ناگہانی اسکی پیشانی پر بیٹھا، کہ دو سار ھو گیا اور وہ گر پڑا۔

پادشاہ یہ واردات دیکھکر محل میں گھس گئے - جوان کو پھر قفس میں بند کر کر باغ میں لے گئے - میں بھی وھاں سے نکلا - راہ میں سے ایک آدمی مجھے بلا کر ملکہ کے حضور لیگیا - مجھے گھائل دیکھکر ایک جراح کو بلوایا اور نہایت تقید سے فرمایا کہ ''اس جوان کو جلد چنگا کرکے غسل شفا کا دے - یہی تیرا مجرا ھے - اسکے اوپر جتنی محنت تو کریگا ویسا ھی انعام اور سرفرازی پاویگا -،، غرض وہ جراح بموجب ارشاد ملکہ کے تگ و دو کرکے ایک چلے میں نہلا دھلا مجھے حضور میں لیگیا - ملکہ نے پوچھا کہ ''اب تو کچھ کسر باقی نہیں رھی؟،، میں نے کہا کہ ''آپ کی توجہ سے اب ھٹا کٹا ھوں -،، تب ملکہ نے ایک خلعت اور بہت روپے جو فرمائے تھے بلکہ اس سے بھی دوچند عطا کئے اور رخصت کیا۔

میں نے وھاں سے سب رفیق اور نوکر چاکروں کو لیکر کوچ کیا - جب اس مقام پر پہنچا سب کو کہا - ''تم اپنے وطن کو جاؤ -،، اور میں نے اس پہاڑ پر یہ مکان اور اس کی صورت بنا کر اپنا رھنا مقرر کیا - اور نوکروں اور غلاموں کو موافق ھر ایک کی قدر کے روپے دیکر آزاد کیا - اور یہ کہہ دیا کہ ''جب تلک میں جیتا رھوں میرے قوت کی خبر گیری تمھیں ضرور ھے، آگے مختار ھو -،، اب وھی اپنی نمک حلالی سے میرے کھانے کی خبر لیتے ھیں - اور میں بہ خاطر جمع اس بت کی پرستش کرتا ھوں - جب تلک جیتا ھوں میرا یہی کام ھے - یہ میری سرگذشت ھے جو تونے سنی -،،

یا فقرا میں نے بہ مجرد سننے اس قصے کے کفنی گلے میں ڈالی۔اور فقیروں کا لباس کیا اور اشتیاق میں فرنگ کے ملک کے دیکھنے کے روانہ ہوا۔ کتنے ایک عرصے میں جنگل پہاڑوں کی سیر کرتا ہوا مجنوں اور فرہاد کی صورت بن گیا۔

آخر میرے شوق نے اس شہر تلک پہنچایا۔ گلی کوچے میں باؤلا سا پھرنے لگا۔ اکثر ملکہ کے محل کے آس پاس رہا کرتا۔ لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا جو وہاں تلک رسائی ہو۔ عجب حیرانی تھی کہ جس واسطے یہ محنت کشی کرکر گیا۔ وہ مطلب ہاتھ نہ آیا۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ ایکبارگی آدمی بھاگنے لگے۔ اور دوکاندار دوکانیں بند کرکے چلے گئے۔ یا وہ رونق تھی یا سنسان ہو گیا۔ ایک طرف سے ایک جوان رستم کا سا، کلّہ جبڑا، شیر کے مانند گونجتا اور تلوار دو دستی جھاڑتا ہوا، زرہ بکتر گلے میں اور ٹوپ جھلم کا سر پر اور طمنچے کی جوڑی کمر میں کیفی کی طرح بکتا جھکتا نظر آیا۔ اور اسکے پیچھے دو غلام بنات کی پوشاک پہنے ایک تابوت مخمل کاشانی سے مڑھا ہوا سر پر لئے چلے آتے ہیں۔

میں نے یہ تماشا دیکھکر ساتھ چلنے کا قصد کیا۔ جو کوئی آدمی میری نظر پڑتا مجھے منع کرتا۔ لیکن میں کب سنتا ہوں؟ رفتہ رفتہ وہ جوان مرد ایک عالیشان مکان میں چلا۔ میں بھی ساتھ ہوا۔ اسنے پھرتے ہی چاہا کہ ایک ہاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے۔ میں نے اسے قسم دی کہ ”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں نے اپنا خون معاف کیا۔ کسو طرح مجھے اس زندگی کے عذاب سے چھڑا دے کہ نہایت بتنگ آیا ہوں۔ میں

جان بوجھ کر تیرے سامنے آیا ہوں۔ دیر مت کر۔،، مجھے مرنے پر ثابت قدم دیکھکر خدا نے اسکے دل میں رحم ڈالا۔ اور غصہ بھی ٹھنڈا ہوا۔ بہت توجہ اور مہربانی سے پوچھا کہ ''تو کون ہے۔ اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہوا ہے؟،،

میں نے کہا ''ذرا بیٹھئے تو کہوں۔ میرا قصہ بہت دور دراز ہے۔ اور عشق کے پنجے میں گرفتار ہوں اس سبب لاچار ہوں۔،، یہ سنکر اس نے اپنی کمر کھولی اور ھاتھ منھ دھو دھا کر کچھ ناشتا کیا۔ مجھے بھی باعث ہوا۔ جب فراغت کرکے بیٹھا بولا۔ ''کہ تجھپر کیا گذری؟،، میں نے سب واردات اس پیر مرد کی اور ملکہ کی اور اپنے وھاں جانے کی کہہ سنائی۔ پہلے سنکر رویا اور یہ کہا کہ ''اس کمبخت نے کس کس کا گھر گھالا۔ لیکن بھلا تیرا علاج میرے ھاتھ میں ہے۔ اغلب ہے کہ اس عاصی کے سبب سے تو اپنی مراد کو پہنچے۔ اور تو اندیشہ نہ کر اور خاطر جمع رکھ۔،، حجام کو فرمایا کہ ''اس کی حجامت کرکے حمام کروا دے۔،، ایک جوڑا کپڑا اسکے غلام نے لا کر پہنایا۔ تب مجھ سے کہنے لگا کہ ''یہ تابوت جو تونے دیکھا اسی شہزادۂ مرحوم کا ہے جو قفس میں مقید تھا۔ اسکو دوسرے وزیر نے آخر مکر سے مارا۔ اس کی تو نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا۔ میں اس کا کوکا ہوں۔ میں نے بھی اس وزیر کو بہ ضرب شمشیر مارا۔ اور پادشاہ کے مارنے کا ارادہ کیا۔ پادشاہ گڑگڑایا اور سوگند کھانے لگا کہ میں بیگناہ ہوں۔ میں نے اسے نامرد جانکر چھوڑ دیا۔ تب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی نوچندی جمیرات کو

میں اس تابوت کو اسی طرح شہر میں لئے پھرتا ہوں اور اس کا ماتم کرتا ہوں،،۔

اس کی زبانی یہ احوال سننے سے مجھے تسلی ہوئی کہ اگر یہ چاہیگا تو میرا مقصد بر آویگا۔ خدا نے بڑا احسان کیا جو ایسے جنونی کو مجھ پر مہربان کیا۔ سچ ہے خدا مہربان ہو تو کل مہربان۔ جب شام ہوئی اور آفتاب غروب ہوا اس جوان نے تابوت کو نکالا اور ایک غلام کے عوض وہ تابوت میرے سر پر دھرا اور اپنے ساتھ لیکر چلا۔ فرمانے لگا کہ ''ملکہ کے نزدیک جاتا ہوں۔ تیری سفارش تا بہ مقدور کرونگا۔ تو ہرگز دم نہ ماریو۔ چپکا بیٹھا سنا کیجو۔،، میں نے کہا ''جو کچھ صاحب فرماتے ہیں سو ہی کرونگا۔ خدا تم کو سلامت رکھے جو میرے احوال پر ترس کھاتے ہو۔،، اس جوان نے قصد پادشاهی باغ کا کیا۔ جب اندر داخل ہوا ایک چبوترہ سنگ مرمر کا ہشت پہلو باغ کے صحن میں تھا۔ اور اس پر ایک نمگیرہ سفید بادلے کا موتیوں کی جھالر لگی ہوئی الماس کے استادوں پر کھڑا تھا۔ اور ایک مسند مغرق بچھی تھی۔ گاؤ تکیہ اور بغلی تکیے زر بفت کے لگے ہوئے۔ وہ تابوت وہاں رکھوایا اور ہم دونوں کو فرمایا کہ اس درخت کے پاس جا کر بیٹھو۔

بعد ایک ساعت کے مشعل کی روشنی نظر آئی۔ ملکہ آپ کئی خواصیں پس و پیش اہتمام کرتی ہوئیں تشریف لائیں۔ لیکن اداسی اور خفگی چہرے پر ظاہر تھی۔ آکر مسند پر بیٹھیں۔ یہ کوکا ادب سے دست بستہ کھڑا رہا۔ پھر ادب سے دور فرش کے کنارے مودب بیٹھا۔ فاتحہ پڑھیں اور کچھ باتیں کرنے لگا۔ میں کان لگائے سن رہا تھا۔ آخر اس جوان نے کہا کہ ''ملکہ

جہاں سلامت! ملک عجم کا شہزادہ آپ کی خوبیاں اور محبوبیاں غائبانہ سنکر اپنی سلطنت کو برباد دے فقیر بن مانند ابراھیم ادھم کے تباہ ہو اور بڑی محنت کھینچ کر یہاں تلک آ پہنچا ھے۔ سائیں تیرے کارن چھوڑا شہر بلخ ۔ اور اس شہر میں بہت دنوں سے حیران پریشان پھرتا ھے ۔ آخر وہ قصد مرنے کا کرکے میرے ساتھ لگ چلا ۔ میں نے تلوار سے ڈرایا، اس نے گردن آگے دھر دی۔ اور قسم دی کہ اب میں یہی چاھتا ھوں دیر مت کر ۔ غرض تمھارے عشق میں ثابت ھے ۔ میں نے خوب آزمایا ۔ سب طرح پورا پایا ۔ اس سبب سے اس کا مذکور میں درمیان لایا ۔ اگر حضور سے اسکے احوال پر مسافر جان کر توجہ ھو ۔ تو خدا ترسی اور حق شناسی سے دور نہیں،،۔

یہ ذکر ملکہ نے سنکر فرمایا ’’کہاں ھے؟ اگر شہزادہ ھے تو کیا مضایقہ؟ روبرو آوے ۔،، وہ کوکا وھاں سے اٹھ کر آیا اور مجھے ساتھ لیکر گیا ۔ میں ملکہ کے دیکھنے سے نہایت شاد ھوا۔ لیکن عقل و ھوش برباد ھوئے ۔ عالم سکوت کا ھو گیا ۔ یہ ھواؤ نہ پڑا کہ کچھ کہوں ۔ ایک دم میں ملکہ سدھاری اور کوکا اپنے مکان کو چلا ۔ گھر آکر بولا کہ ’’میں نے تیری سب حقیقت اول سے آخر تک ملکہ کو کہہ سنائی ۔ اور سفارش بھی کی ۔ اب تو ھمیشہ رات کو بلا ناغہ جایا کر ۔ اور عیش خوشی منایا کر۔،، میں اس کے قدم پر گر پڑا ۔ اس نے گلے لگایا ۔ تمام دن گھڑیاں گنتا رھا ۔ کہ کب سانجھ ھو جو میں جاؤں؟ جب رات ھوئی میں اس جوان سے رخصت ھو کر چلا ۔ اور پائیں باغ میں ملکہ کے چبوترے پر تکیہ لگا کے جا بیٹھا۔

بعد ایک گھڑی کے ملکہ تن تنہا ایک خواص کو ساتھ لیکر آهستہ آهستہ آکر مسند پر بیٹھیں ۔ خوش طالعی سے یہ دن میسر ہوا ۔ میں نے قدم بوس کیا ۔ انہوں نے میرا سر اٹھا لیا اور گلے سے لگالیا اور بولیں کہ ''اس فرصت کو غنیمت جان ۔ اور میرا کہا مان ۔ مجھے یہاں سے لے نکل ۔ کسو اور ملک کو چل ۔'' میں نے کہا ''چلئے ۔'' یہ کہکر ہم دونوں باغ کے باہر تو ہوئے ۔ پر حیرت سے اور خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور راہ بھول گئے اور ایک طرف کو چلے جاتے تھے ۔ پر کچھ ٹھکانا نہیں پاتے تھے ۔ ملکہ برهم ہو کر بولی کہ ''اب میں تھک گئی ۔ تیرا مکان کہاں ہے؟ جلد چلکر پہنچ ۔ نہیں تو کیا، کیا چاہتا ہے؟ میرے پاؤں میں پھپھولے پڑ گئے ہیں ۔ رستے میں کہیں بیٹھ جاؤں گی ۔''—

میں نے کہا کہ ''میرے غلام کی حویلی نزدیک ہے ۔ اب آپہنچے ۔ خاطر جمع رکھو اور قدم اٹھاؤ ۔'' جھوٹھ تو بولا پر دل میں حیران تھا کہ کہاں لے جاؤں؟ عین راہ پر ایک دروازہ مقفل نظر پڑا ۔ جلدی سے قفل کو توڑ کر مکان کے بھیتر گئے ۔ اچھی حویلی، فرش بچھا ہوا، شراب کے شیشے بھرے قرینے سے طاق میں دھرے اور باورچی خانے میں نان کباب تیار تھے ۔ ماندگی کمال ہو رہی تھی ۔ ایک ایک گلابی شراب پرتگالی کی اس گزک کے ساتھ لی ۔ اور ساری رات باہم خوشی کی ۔ جب اس چین سے صبح ہوئی شہر میں غل مچا کہ شہزادی غائب ہوئی ۔ محلہ محلہ کوچہ کوچہ منادی پھرنے لگی ۔ اور کٹنیاں اور ہرکارے چھوٹے کہ جہاں سے ہاتھ آوے پیدا کریں ۔ اور سب دروازوں پر شہر کے پادشاهی غلاموں کی چوکی آ بیٹھی ۔ گذربانوں کو حکم ہوا کہ بغیر پروانگی، چیونٹی

باہر شہر کے نہ نکل سکے - جو کوئی سراغ ملکہ کا لاویگا ہزار اشرفی اور خلعت انعام پاویگا - تمام شہر میں کٹنیاں پھرنے اور گھر گھر میں گھسنے لگیں -

مجھے جو کمبختی لگی دروازہ بند نہ کیا - ایک بڑھیا شیطان کی خالا (اس کا خدا کرے منہ کالا) ہاتھ میں تسبیح لٹکائے برقع اوڑھے دروازہ کھلا پا کر ندھڑک چلی آئی اور سامھنے ملکہ کے کھڑی ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی - کہ الٰہی تیری نتھ چوڑی، سہاگ کی سلامت رہے! اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے - میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں - ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دوجی سے پورے دنوں درد زہ میں مرتی ہے - اور مجھکو اتنی وسعت نہیں کہ ادّھی کا تیل چراغ میں جلاؤں - کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں - اگر مر گئی تو گور کفن کیوں کر کرونگی - اور جنی تو دائی جنائی کو کیا دونگی - اور جچا کو ستھورا اچھوانی کہاں سے پلاؤنگی؟ آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے - اے صاحبزادی اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا تو اسکو پانی پینے کا آدھار ہو،، -

ملکہ نے ترس کھا کر اپنے نزدیک بلا کر چار نان اور کباب اور ایک انگوٹھی چھنگلیا سے اتار کر حوالے کی کہ "اسکو بیچ باچ کر گہنا پاتا بنا دیجو - اور خاطر جمع سے گذران کیجو اور کبھو آیا کیجو، تیرا گھر ہے -،، اس نے اپنے دل کا مدعا جس کی تلاش میں آئی تھی بہ جنس پایا - خوشی سے دعائیں دیتی اور بلائیں لیتی دفع ہوئی - ڈیوڑھی میں نان و کباب پھینک دئے - مگر انگوٹھی کو مٹھی میں لے لیا کہ پتہ ملکہ کے ہاتھ کا میرے ہاتھ آیا - خدا اس آفت سے جو بچایا چاہے اس مکان کا مالک جوان مرد سپاہی تازی

گھوڑے پر چڑھا ہوا نیزہ ہاتھ میں لئے شکار بند سے ایک ہرن لٹکائے آ پہنچا۔ اپنی حویلی کا تالا ٹوٹا اور کواڑ کھلے پائے۔ اس دلالہ کو نکلتے دیکھا۔ مارے غصے کے ایک ہاتھ سے اسکی چونٹی پکڑ کر لٹکا لیا اور گھر میں آیا۔ اسکے دونوں پاؤں میں رسی باندھ کر ایک درخت کی ٹہنی میں لٹکایا۔ سر تلے پاؤں اوپر کئے۔ ایک دم میں تڑپھ تڑپھ کر مر گئی۔ اس مرد کی صورت دیکھکر یہ ہیبت غالب ہوئی کہ ہوایاں منھ پر اڑنے لگیں اور مارے ڈر کے کلیجہ کانپنے لگا۔ اس عزیز نے ہم دونوں کو بد حواس دیکھکر تسلی دی کہ ''بڑی نادانی تم نے کی۔ ایسا کام کیا اور دروازہ کھول دیا،،۔

ملکہ نے مسکرا کر فرمایا کہ ''شاھزادہ اپنے غلام کی حویلی کہہ کر مجھے لے آیا۔ اور مجھکو پھسلایا۔،، اس نے التماس کیا کہ ''شہزادے نے بیان واقعی کہا۔ جتنی خلق اللہ ھے پادشاھوں کی لونڈی غلام ھے۔ انھیں کی برکت اور فیض سے سب کی پرورش اور نباہ ھے۔ یہ غلام بے دام و درم زر خرید تمھارا ھے۔ لیکن بھید چھپانا عقل کا مقتضا ھے۔ اے شہزادے تمھارا اور ملکہ کا اس غریب خانے میں توجہ فرمانا اور تشریف لانا میری سعادت دونوں جہان کی ھے۔ اور اپنے فدوی کو سرفراز کیا۔ میں نثار ہونے کو تیار ہوں۔ کسو صورت میں جان و مال سے دریغ نہ کرونگا۔ آپ شوق سے آرام فرمائیے۔ اب کوڑی بھر خطرہ نہیں۔ یہ مردار کٹنی اگر سلامت جاتی تو آفت لاتی۔ اب جب تلک مزاج شریف چاھئے بیٹھے رھئے اور جو کچھ درکار ہو اس خانہ زاد کو کہئے سب حاضر کریگا۔ اور پادشاہ کو تو کیا چیز ھے! تمھاری خبر فرشتے کو

بھی نہ ہوگی۔،، اس جوان مرد نے ایسی باتیں تسلی کی کہیں کہ ٹک خاطر جمع ہوئی۔ تب میں نے کہا ''شاباش۔ تم بڑے مرد ہو۔ اس مروت کا عوض ہم سے بھی جب ہو سکیگا تب ظہور میں آویگا۔ تمھارا نام کیا ہے؟،، اس نے کہا ''غلام کا اسم بہزاد خاں ہے۔ غرض چھ مہینے تک جتنی شرط خدمت کی تھی بہ جان و دل بجا لایا۔ خوب آرام سے گذری۔

ایک دن مجھے اپنا ملک اور ما باپ یاد آئے۔ اس لئے نہایت متفکر بیٹھا تھا۔ میرا چہرہ ملین دیکھکر بہزاد خاں رو برو ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ کہ ''اس فدوی سے اگر کچھ تقصیر چرن برداری میں واقع ہوئی ہو تو ارشاد ہو۔،، میں نے کہا ''از برائے خدا یہ کیا مذکور ہے! تم نے ایسا سلوک کیا کہ اس شہر میں ایسے آرام سے رہے جیسے اپنے ما کے پیٹ میں کوئی رہتا ہے۔ نہیں تو یہ ایسی حرکت ہم سے ہوئی تھی کہ تنکا تنکا ہمارا دشمن تھا۔ ایسا دوست ہمارا کون تھا کہ ذرا دم لیتے؟ خدا تمھیں خوش رکھے، بڑے مرد ہو۔،، تب اسنے کہا ''اگر یہاں سے دل برداشتہ ہوا ہو۔ تو جہاں حکم ہو وہاں خیر و عافیت سے پہنچا دوں۔،، فقیر بولا کہ اگر اپنے وطن تک پہنچوں تو والدین کو دیکھوں۔ میری تو یہ صورت ہوئی۔ خدا جانے ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ میں جس واسطے جلا وطن ہوا تھا میری تو آرزو بر آئی۔ اب ان کی بھی قدم بوسی واجب ہے۔ میری خبر ان کو کچھ نہیں کہ موا یا جیتا ہے۔ ان کے دل پر کیا قلق گذرتا ہوگا!،، وہ جوان مرد بولا کہ ''بہت مبارک ہے۔ چلئے۔،، یہ کہہ کے ایک راس گھوڑا ترکی سو کوس چلنے والا اور ایک گھوڑی، جلد،

جس کے پر نہیں کٹے تھے لیکن شایستہ، ملکہ کی خاطر لایا۔ اور ہم دونوں کو سوار کروایا۔ پھر زرہ بکتر پہن سلاح باندھ اوپچی بن اپنے مرکب پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا۔ ''غلام آگے ہو لیتا ہے صاحب خاطر جمع سے گھوڑے دبائے ہوئے چلے آویں،،۔

جب شہر کے دروازے پر آیا ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا کہ۔ ''بڑچودو! اپنے خاوند کو جا کر کہو کہ بہزاد خاں ملکہ' مہر نگار اور شہزادۂ کامگار کو جو تمہارا داماد ہے ھانکے پکارے لئے جاتا ہے۔ اگر مردمی کا کچھ نشہ ہے تو باھر نکلو اور ملکہ کو چھین لو۔ یہ نہ کہیو کہ چپ چاپ لیگیا۔ نہیں تو قلعہ میں بیٹھے آرام کیا کرو۔،، یہ خبر پادشاہ کو جلد جا پہنچی۔ وزیر اور میر بخشی کو حکم ہوا ''ان تینوں بد ذات مفسدوں کو باندھ کر لاؤ۔ یا ان کے سر کاٹ کر حضور میں پہنچاؤ۔،، ایک دم کے بعد غٹ فوج کا نمود ہوا۔ اور تمام زمین و آسمان گرد باد ہوگیا۔ بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ایک در میں پل کے کہ بارہ پلے اور جون پور کے پل کے برابر تھا کھڑا کیا۔ اور آپ گھوڑے کو ڈنگیا کر اس فوج کی طرف پھرا۔ اور شیر کی مانند گونج کر مرکب کو ڈپٹ کر فوج کے درمیان گھسا۔ تمام لشکر کائی سا پھٹ گیا۔ اور یہ دونوں سرداروں تلک جا پہنچا، دونوں کے سر کاٹ لئے۔ جب سردار مارے گئے لشکر تتر بتر ہو گیا۔ وہ کہاوت ہے۔ سر سے سرواہ۔ جب بیل پھوٹی رائی رائی ہو گئی*۔ وونہیں آپ پادشاہ

*بیل (پھل) مذکر ہے۔ جامع الغات میں یہ کہاوت یوں ہے جب بیل پھوٹا رائی رائی ہوگیا

کتنی فوج بکتر پوشوں کی ساتھ لیکر کمک کو آئے۔ ان کی بھی لڑائی اس یکا جوان نے مار دی۔ شکست فاش کھائی۔

پادشاہ پسپا ہوئے۔ سچ ہے فتح داد الہی ہے۔ لیکن بہزاد خاں نے ایسی جواں مردی کی کہ شاید رستم سے بھی نہ ہو سکتی۔ جب بہزاد خاں نے دیکھا کہ مطلع صاف ہوا اب کون باقی رہا ہے جو ہمارا پیچھا کریگا۔ بے وسواس ہو کر اور خاطر جمع کر جہاں ہم کھڑے تھے آیا۔ اور ملکہ کو اور مجھکو ساتھ لیکر چلا۔ سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے۔ تھوڑے عرصے میں اپنے ملک کی سرحد میں جا پہنچے۔ ایک عرضی صحیح سلامت آنے کی پادشاہ کے حضور میں (جو قبلہ گاہ مجھ فقیر کے تھے) لکھ کر روانہ کی۔ جہاں پناہ پڑھ کر شاد ہوئے۔ دو گانہ شکر کا ادا کیا۔ جیسے سوکھے دھان میں پانی پڑا خوش ہو کر سب امیروں کو جلو میں لیکر اس عاجز کے استقبال کی خاطر لب دریا آکر کھڑے ہوئے۔ اور نواڑوں کے واسطے میر بحر کو حکم ہوا۔ میں نے دوسرے کنارے پر سواری پادشاہ کی کھڑی دیکھی۔ قدم بوسی کی آرزو میں گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ ہیلہ مار کر حضور میں حاضر ہوا۔ مجھے مارے اشتیاق کے کلیجے سے لگا لیا۔

اب ایک اور آفت نا گہانی پیش آئی۔ کہ جس گھوڑے پر میں سوار تھا شاید وہ بچہ اسی مادیان کا تھا جس پر ملکہ سوار تھی۔ یا جنسیت کے باعث میرے مرکب کو دیکھکر گھوڑے نے بھی جلدی کر کر اپنے تئیں ملکہ سمیت میرے پیچھے دریا میں گرایا۔ اور پیرنے لگی۔ ملکہ نے گھبرا کے باگ کھینچی۔ وہ

منھ کی نرم تھی الٹ گئی ۔ ملکہ غوطے کھا کر بہ مع گھوڑی دریا میں ڈوب گئی کہ پھر ان دونوں کا نشان نظر نہ آیا ۔ بہزاد خاں نے یہ حالت دیکھکر اپنے تئیں گھوڑے سمیت ملکہ کی مدد کی خاطر دریا میں پہنچایا ۔ وہ بھی اس بھنور میں آگیا، پھر نکل نہ سکا۔ بہتیرے ھاتھ پاؤں مارے کچھ بس نہ چلا ڈوب گیا ۔ جہاں پناہ نے یہ واردات دیکھکر مہا جال منگوا کر پھنکوایا اور ملاحوں اور غوطہ خوروں کو فرمایا ۔ انھوں نے سارا دریا چھان مارا، تھاہ کی مٹی لے لے آئے ۔ پر وے دونوں ھاتھ نہ آئے ۔ یا فقرا یہ حادثہ ہوا کہ میں سودائی اور جنونی ہو گیا ۔ اور فقیر بن کر یہی کہتا پھرتا تھا ۔ ''ان نینوں کا یہی بسیکھ ، وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ ۔'' اگر ملکہ کہیں غائب ہو جاتی یا مر جاتی تو دل کو تسلی آتی ۔ پھر تلاش کو نکلتا یا صبر کرتا ۔ لیکن جب نظروں کے روبرو غرق ہو گئی تو کچھ بس نہ چلا ۔ آخر جی میں یہی لہر آئی کہ دریا میں ڈوب جاؤں ۔ شاید اپنے محبوب کو مر کر پاؤں—

ایک روز رات کو اسی دریا میں بیٹھا ۔ اور ڈوبنے کا ارادہ کر کر گلے تک پانی میں گیا ۔ چاھتا ہوں کہ آگے پاؤں رکھوں اور غوطہ کھاؤں ۔ وہی سوار برقعہ پوش جنھوں نے تم کو بشارت دی ہے آ پہنچے ۔ میرا ھاتھ پکڑ لیا اور دلاسا دیا کہ ''خاطر جمع رکھ ۔ ملکہ اور بہزاد خاں جیتے ھیں ۔ تو اپنی جان ناحق کیوں کھوتا ہے؟ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے ۔ خدا کی درگاہ سے مایوس مت ہو ۔ اگر جیتا رہے گا تو تیری ملاقات ان دونوں سے ایک نہ ایک روز ہو رہیگی ۔ اب تو روم کی طرف جا ۔ اور بھی دو درویش

دلریش وهاں گئے هیں - ان سے تو جب ملیگا اپنی مراد کو پهنچے گا -،، یا فقرا! بموجب حکم اپنے هادی کے میں بهی خدمت شریف میں آ کر حاضر هوا هوں - امید قوی هے کہ هر ایک اپنے اپنے مطلب کو پهنچے - اس ٹکڑ گدا کا یہ احوال تها جو تمام کمال کہہ سنایا،،—

سیر چوتھے درویش کی

چوتھا فقیر اپنے سیر کی حقیقت رو رو کر اس طرح دھرانے لگا۔

''قصہ ہماری بے سر و پائی کا اب سنو
ٹک اپنا دھیان رکھکر مرا حال سب سنو

کس واسطے میں آیا ہوں یہاں تک تباہ ہو
سارا بیان کرتا ہوں، اسکا سبب سنو

یا مرشد اللہ! ذرا متوجہ ہو۔ یہ فقیر جو اس حالت میں گرفتار ہے۔ چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ نازو نعمت سے پرورش پائی۔ اور بہ خوبی تربیت ہوا۔ زمانے کے بھلے برے سے کچھ واقف نہ تھا۔ جانتا تھا کہ یونہیں ہمیشہ نبھیگی۔ عین بے فکری میں یہ حادثہ روبکار ہوا۔ قبلۂ عالم جو والد اس یتیم کے تھے۔ انھوں نے رحلت فرمائی۔ جانکندنی کے وقت اپنے چھوٹے بھائی کو (جو میرے چچا ہیں) بلایا اور فرمایا۔ کہ ''ہم نے تو سب مال ملک چھوڑ کر ارادہ کوچ کا کیا۔ لیکن یہ وصیّت میری تم بجا لائیو۔ اور بزرگی کو کام فرمائیو۔ جب تلک شہزادہ، جو مالک اس تخت و چھتر کا ہے، جوان ہو۔ اور شعور سنبھالے اور اپنا گھر دیکھے بھالے۔ تم اس کی نیابت کیجو اور سپاہ و رعیت کو خراب نہ ہونے دیجو۔ جب وہ بالغ ہو اسکو سب کچھ سمجھا بجھا کر تخت حوالے کرنا۔ اور روشن اختر جو تمھاری بیٹی ہے اس سے شادی کرکے تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا۔ اس سلوک سے پادشاہت ہمارے خاندان میں

قائم رہیگی۔ کچھ خلل نہ آویگا۔،، یہ کہکر آپ تو جان بحق تسلیم ہوئے۔ چچا بادشاہ ہوا اور بند و بست ملک کا کرنے لگا۔ مجھے حکم کیا کہ زنانے محل میں رہا کرے۔ جب تک جوان نہ ہو باہر نہ نکلے۔ یہ فقیر چودہ برس کی عمر تک بیگمات اور خواصوں میں پلا کیا اور کھیلا کودا کیا۔ چچا کی بیٹی سے شادی کی خبر سنکر شاد تھا۔ اور اس امید پر بے فکر رہتا اور دل میں کہتا۔ کہ اب کوئی دن میں پادشاہت بھی ہاتھ لگیگی اور کتخدائی بھی ہوگی۔ دنیا بہ امید قائم ہے۔ ایک حبشی مبارک نام کہ والد مرحوم کی خدمت میں تربیت ہوا تھا اور اس کا بڑا اعتبار تھا اور صاحب شعو اور نمک حلال تھا۔ میں اکثر اس کے نزدیک جا بیٹھتا۔ وہ بھی مجھے بہت پیار کرتا اور میری جوانی دیکھکر خوش ہوتا اور کہتا۔ کہ ''الحمد للہ! اے شاہزادے، اب تم جوان ہوئے۔ انشا اللہ تعالیٰ عنقریب تمھارا عمّو ظل سبحانی کی نصیحت پر عمل کریگا۔ اپنی بیٹی اور تمھارے والد کا تخت تمھیں دیگا''۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ ایک ادنا سہیلی نے بیگناہ میرے تئیں ایسا طمانچہ کھینچ کر مارا کہ میرے گال پر پانچوں انگلیوں کا نشان آ کھڑ آیا۔ میں روتا ہوا مبارک کے پاس گیا۔ ان نے مجھے گلے سے لگا لیا اور آنسو آستین سے پونچھے اور کہا۔ کہ ''چلو آج تمھیں پادشاہ پاس لے چلوں۔ شاید دیکھ کر مہربان ہو اور لایق سمجھکر تمھارا حق تمھیں دے۔'' اسی وقت چچا کے حضور میں لیگیا۔ چچا نے دربار میں نہایت شفقت کی۔ اور پوچھا کہ ''کیوں دل گیر ہو اور آج یہاں کیوں کر آئے؟'' مبارک بولا کہ ''کچھ عرض کرنے آئے ہیں۔'' یہ سنکر خود بہ

خود کہنے لگا کہ ''اب میاں کا بیاہ کر دیتے ہیں۔،، مبارک نے کہا ''بہت مبارک ہے۔،، وونہیں نجومی اور رمالوں کو رو برو طلب کیا۔ اور اوپری دل سے پوچھا کہ ''اس سال کون سا مہینا اور کون سا دن اور گھڑی مہورت مبارک ہے کہ سر انجام شادی کا کروں؟،، انھوں نے مرضی پا کر گن گنا کر عرض کی۔ کہ ''قبلہ عالم! یہ برس سارا نحس ہے۔ کسی چاند میں کوئی تاریخ سعد نہیں ٹھہرتی۔ اگر یہ سال تمام بخیر و عافیت کٹے تو آئندہ کار خیر کے لئے بہتر ہے،،—

پادشاہ نے مبارک کی طرف دیکھا۔ اور کہا ''شاہزادے کو محل میں لیجا۔ خدا چاہے تو اس سال کے گذرنے سے اس کی امانت اسکے حوالے کر دونگا۔ خاطر جمع رکھے اور پڑھے لکھے۔،، مبارک نے سلام کیا اور مجھے ساتھ لیا۔ محل میں پہنچا دیا۔ دو تین دن کے بعد میں مبارک کے پاس گیا۔ مجھے دیکھتے ہی رونے لگا۔ میں حیران ہوا اور پوچھا کہ ''دادا! خیر تو ہے تمھارے رونے کا کیا باعث ہے؟،، تب وہ خیر خواہ (کہ مجھے دل و جان سے چاہتا تھا) بولا کہ ''میں اس روز تمھیں اس ظالم کے پاس لیگیا۔ کاش کہ اگر یہ جانتا تو نہ لیجاتا۔،، میں نے گھبرا کر کہا ''میرے جانے میں کیا ایسی قباحت ہوئی۔ کہو تو سہی۔،، تب اس نے کہا کہ ''سب امیر وزیر ارکان دولت چھوٹے بڑے تمھارے باپ کے وقت کے تمھیں دیکھ کر خوش ہوئے اور خدا کا شکر کرنے لگے۔ کہ اب ہمارا صاحبزادہ جوان ہوا اور سلطنت کے لائق ہوا۔ اب کوئی دن میں حق حقدار کو ملیگا۔ تب ہماری قدردانی کریگا اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھیگا۔ یہ خبر اس

بے ایمان کو پہنچی۔ اس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا۔ مجھے خلوت میں بلا کر کہا۔ ''اے مبارک! اب ایسا کام کر کہ شہزادے کو کسو فریب سے مار ڈال۔ اور اس کا خطرہ میرے جی سے نکال، جو میری خاطر جمع ہو۔،، تب سے میں بے حواس ہو رہا ہوں۔ کہ تیرا چچا تیری جان کا دشمن ہوا۔،، جونہیں مبارک سے یہ خبر نا مبارک میں نے سنی۔ بغیر مارے مر گیا اور جان کے ڈر سے اس کے پاؤں پر گر پڑا کہ ''واسطے خدا کے میں سلطنت سے گذرا۔ کسو طرح میرا جی بچے۔،، اس غلام با وفا نے میرا سر اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔ اور جواب دیا کہ ''کچھ خطرہ نہیں۔ ایک تدبیر مجھے سوجھی ہے۔ اگر راست آئی تو کچھ پروا نہیں۔ زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔

اغلب ہے کہ اس فکر سے تیری جان بھی بچے۔ اور اپنے مطلب سے کامیاب ہو۔،، یہ بھروسہ دیکر مجھے ساتھ لیکر اس جگہ جہاں بادشاہ مغفور یعنی والد اس فقیر کے سوتے بیٹھتے تھے گیا۔ اور میری بہت خاطر جمع کی۔ وہاں ایک کرسی بچھی تھی۔ ایک طرف مجھے کہا اور ایک طرف آپ پکڑ کر صندلی کو سرکایا اور کرسی کے تلے کا فرش اٹھایا۔ اور زمین کو کھودنے لگا۔ ایک بارگی ایک کھڑکی نمود ہوئی کہ زنجیر اور قفل اس میں لگا ہے۔ مجھے بلایا۔ میں اپنے دل میں مقرر یہ سمجھا کہ میرے ذبح کرنے اور گاڑ دینے کو یہ گڑھا اس نے کھودا ہے۔ موت آنکھوں کے آگے پھر گئی۔ لاچار چپکے چپکے کلمہ پڑھتا ہوا نزدیک گیا۔ دیکھتا ہوں تو اس دریچے کے اندر عمارت ہے۔ اور چار مکان ہیں۔ ہر ایک دالان میں دس دس خمیں سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی

لٹکتی ھیں ۔ اور ھر ایک گولی کے منھ پر ایک سونے کی اینٹ اور ایک بندر جڑاؤ کا بنا ھوا بیٹھا ھے ۔ انتالیس گولیاں چاروں مکان میں گنیں اور خم کو دیکھا کہ مونھا مونہہ اشرفیاں بھری ھیں۔ اس پر نہ میمون ھے نہ خشت ھے ۔ اور ایک حوض جواھر سے لبالب بھرا ھوا دیکھا ۔ میں نے مبارک سے پوچھا کہ "اے دادا! یہ کیا طلسم ھے اور کس کا مکان ھے اور یہ کس کام کے ھیں؟" بولا کہ "یہ بوزنے جو دیکھتے ھو ان کا یہ ماجرا ھے کہ تمھارے باپ نے جوانی کے وقت سے ملک صادق (جو بادشاہ جنوں کا ھے) اسکے ساتھ دوستی اور آمد و رفت پیدا کی تھی۔

چنانچہ ھر سال میں ایک دفعہ کئی طرح کے تحفے خوشبوئیں اور اس ملک کی سوغاتیں لیجاتے ۔ اور ایک مہینے کے قریب اس کی خدمت میں رھتے ۔ جب رخصت ھوتے تو ملک صادق ایک بندر زمرد کا دیتا ۔ ھمارا پادشاہ اسے لا کر اس تہخانے میں رکھتا۔ اس بات سے سوائے میرے کوئی دوسرا مطلع نہ تھا ۔ ایک مرتبہ غلام نے عرض کی کہ "جہاں پناہ! لاکھوں روپئے کے تحفے لیجاتے ھیں ۔ اور وھاں سے ایک بوزنہ پتھر کا مردہ آپ لے آتے ھیں ۔ اس کا آخر فائدہ کیا ھے؟" جواب میری اس بات کا مسکرا کر فرمایا۔ "خبردار کہیں ظاھر نہ کیجو ۔ خبر شرط ھے ۔ یہ ایک ایک میمون بے جان جو تو دیکھتا ھے ھر ایک کے ھزار دیو زبردست تابع اور فرمانبردار ھیں ۔ لیکن جب تلک میرے پاس چالیسوں بندر پورے جمع نہ ھوویں تب تک یہ سب نکمّے ھیں، کچھ کام نہ آوینگے ۔" سو ایک بندر کی کمی تھی کہ اسی برس پادشاہ نے وفات پائی۔

اتنی محنت کچھ نیک نہ لگی، اس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا ۔ اے شاہزادے! تیری یہ حالت بیکسی کی دیکھکر مجھے یاد آیا اور یہ جی میں ٹھہرایا ۔ کسو طرح تجھکو ملک صادق کے پاس لیچلوں اور تیرے چچا کا ظلم بیان کروں ۔ غالب ہے کہ وہ دوستی تمھارے باپ کی یاد کر کر ایک بوزنہ جو باقی ہے تجھے دے۔ تب ان کی مدد سے تیرا ملک تیرے ہاتھ آوے اور چین ما چین کی سلطنت تو بہ خاطر جمع کرے ۔ اور بالفعل اس حرکت سے تیری جان بچتی ہے ۔ اگر اور کچھ نہ ہوا تو اس ظالم کے ہاتھ سے سوائے اس تدبیر کے اور کوئی صورت مخلصی کی نظر نہیں آتی ۔'' میں نے اس کی زبانی یہ سب کیفیت سنکر کہا کہ ''دادا جان! اب تو میری جان کا مختار ہے ۔ جو میرے حق میں بھلا ہو سو کر۔'' میری تسلی کرکے آپ عطر اور بخور اور جو کچھ وہاں کے لیجانے کی خاطر مناسب جانا خرید کرنے بازار میں گیا۔

دوسرے دن میرے اس کافر چچا کے پاس (جو بجائے ابو جہل کے تھا) گیا اور کہا ''جہاں پناہ! شہزادے کے مار ڈالنے کی ایک صورت میں نے دل میں ٹھہرائی ہے ۔ اگر حکم ہو تو عرض کروں ۔'' وہ کمبخت خوش ہو کر بولا ''وہ کیا تدبیر ہے؟'' تب مبارک نے کہا کہ ''اس کے مار ڈالنے میں سب طرح آپ کی بدنامی ہے ۔ مگر میں اسے باہر جنگل میں لیجا کر ٹھکانے لگاؤں اور گاڑ داب کر چلا آؤں ۔ ہرگز کوئی محرم نہ ہوگا کہ کیا ہوا ۔'' یہ بندش مبارک سے سن کر بولا کہ ''بہت مبارک ۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سلامت نہ رہے ۔ اس کا دغدغہ میرے دل میں ہے ۔ اگر مجھے اس فکر سے تو چھڑاویگا تو اس خدمت کے عوض بہت کچھ پاویگا۔

جہاں تیرا جی چاہے لیجاکے کھپا دے اور مجھے یہ خوشخبری لادے‘‘۔

مبارک نے بادشاد کی طرف سے اپنی دل جمعی کرکے مجھے ساتھ لیا۔ اور وے تحفے لیکر آدھی رات کو شہر سے کوچ کیا اور اتّر کی سمت چلا۔ ایک مہینے تلک پیہم چلا گیا۔ ایک روز رات کو چلے جاتے تھے جو مبارک بولا کہ ’’شکر خدا کا اب منزل مقصود کو پہنچے۔‘‘ میں نے سنکر کہا کہ ’’دادا! یہ تونے کیا کہا؟‘‘ کہنے لگا ’’اے شہزادے! جنوں کا لشکر کیا نہیں دیکھتا؟‘‘ میں نے کہا۔ ’’مجھے تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔‘‘ مبارک نے ایک سرمہ دانی نکال کر سلیمانی سرمہ کی سلائیاں میری دونوں آنکھوں میں پھیر دیں۔ وونہیں جنوں کی خلقت اور لشکر کے تنبو، قنات نظر آنے لگے، لیکن سب خوش رو اور سب خوش لباس۔ مبارک کو پہچان کر ہر ایک آشنائی کی راہ سے گلے ملتا اور مزاخیں کرتا۔

آخر جاتے جاتے بادشاہی سراچوں کے نزدیک گئے اور بارگاہ میں داخل ہوئے۔ دیکھتا ہوں تو روشنی قرینے سے روشن ہے۔ اور صندلیاں طرح بطرح کی دورویہ بچھی ہیں۔ اور عالم، فاضل، درویش، اور امیر، وزیر، بخشی، دیوان، ان پر بیٹھے ہیں۔ اور یساول، گرز بردار، احدی، چیلے، ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ اور درمیان میں ایک تخت مرصع کا بچھا ہے۔ اس پر ملک صادق تاج اور چار قب موتیوں کی پہنے ہوئے مسند پر تکیے لگائے بڑی شان شوکت سے بیٹھا ہے۔ میں نے نزدیک جاکر سلام کیا۔ مہربانگی سے بیٹھنے کا حکم کیا۔ پھر کھانے کا چرچا ہوا۔ بعد فراغت کے دسترخوان بڑھایا گیا۔ تب مبارک کی طرف متوجہ ہوکر احوال میرا پوچھا۔ مبارک

نے کہا کہ ''اب ان کے باپ کی جگہ پر چچا ان کا بادشاہت کرتا ہے۔ اور ان کا دشمن جانی ہوا ہے۔ اس لئے میں انہیں وہاں سے لے بھاگ کر آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ یتیم ہیں اور سلطنت ان کا حق ہے۔ لیکن بغیر مُرَبّی کسو سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ حضور کی دستگیری کے باعث اس مظلوم کی پرورش ہوتی ہے۔ ان کے باپ کی خدمت کا حق یاد کرکے ان کی مدد فرمائیے اور وہ چالیسواں بندر عنایت کیجئے جو چالیسوں پورے ہوں۔ اور یہ اپنے حق کو پہنچ کر تمہارے جان و مال کو دعا دیں۔ سوائے صاحب کی پناہ کے کوئی ان کا ٹھکانا نظر نہیں آتا''۔

یہ تمام کیفیت سن کر صادق نے تامّل کر کے کہا کہ ''واقعی حقوق خدمت اور دوستی پادشاہ مغفور کی ہمارے اوپر بہت تھی۔ اور یہ بچارا تباہ ہوکر اپنی سلطنت موروثی چھوڑ کر جان بچانے کے واسطے یہاں تلک آیا ہے۔ اور ہمارے دامن دولت میں پناہ لی ہے۔ تا مقدور کسو طرح ہم سے کمی نہ ہوگی اور درگذر نہ کرونگا۔ لیکن ایک کام ہمارا ہے، اگر وہ اس سے ہو سکا اور خیانت نہ کی اور بہ خوبی انجام دیا اور اس امتحان میں پورا اترا۔ تو میں قول قرار کرتا ہوں کہ زیادہ پادشاہ سے سلوک کرونگا اور جو یہ چاہیگا سو دونگا۔'' میں نے ہاتھ باندھ کر التماس کیا کہ ''اس فدوی سے تا بہ مقدور جو خدمت سرکار کی ہو سکیگی بہ سر و چشم بجا لاویگا۔ اور اس کو خوبی و دیانتداری اور ہوشیاری سے کریگا۔ اور اپنی سعادت دونوں جہاں کی سمجھیگا۔'' فرمایا کہ ''تو ابھی لڑکا ہے، اس واسطے بار بار تاکید کرتا ہوں۔ مبادا خیانت کرے اور آفت میں پڑے۔'' میں نے کہا ''خدا پادشاہ کے اقبال سے آسان

کریگا اور میں حتی المقدور کوشش کروں گا اور امانت حضور تک لے آؤنگا''۔

یہ سن کر ملک صادق نے مجھ کو قریب بلایا اور ایک کاغذ دستکی سے نکال کر میرے تئیں دکھلایا اور کہا۔ ''یہ جس شخص کی شبیہ ہے اسے جہاں سے جانے تلاش کرکے میری خاطر پیدا کرکے لا۔ اور جس گھڑی تو اس کا نام و نشان پاوے اور سامھنے جاوے۔ میری طرف سے بہت اشتیاق ظاہر کیجو۔ اگر یہ خدمت تجھ سے سر انجام ہوئی تو جتنی توقع تجھے منظور ہے اس سے زیادہ غور پرداخت کی جائیگی۔ والّا نہ، جیسا کریگا ویسا پاویگا۔'' میں نے اس کاغذ کو جو دیکھا ایک تصویر نظر پڑی کہ غش سا آنے لگا۔ بزور مارے ڈر کے اپنے تئیں سنبھالا اور کہا۔ ''بہت خوب، میں رخصت ہوتا ہوں۔ اگر خدا کو میرا بھلا کرنا ہے تو بموجب حکم حضور کے مجھ سے عمل میں آویگا۔'' یہ کہکر مبارک کو همراہ لیکر جنگل کی راہ لی۔ گانو گانو بستی شہر شہر ملک ملک پھرنے لگا۔ اور ہرایک سے اس کا نام و نشان تحقیق کرنے۔ کسو نے نہ کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں یا کسی سے مذکور سنا ہے۔ سات برس تک اسی عالم میں حیرانی و پریشانی سہتا ہوا ایک نگر میں وارد ہوا۔ عمارت عالی اور آباد لیکن وہاں کا ہر ایک متنفس اسم اعظم پڑھتا تھا اور خدا کی عبادت بندگی کرتا تھا۔

ایک اندھا ہندوستانی فقیر بھیک مانگتا نظر آیا لیکن کسو نے ایک کوڑی یا ایک نوالہ نہ دیا۔ مجھے تعجب آیا اور اسکے اوپر رحم کھایا۔ جیب میں سے ایک اشرفی نکالکر اس کے ہاتھ دی۔ وہ لیکر بولا کہ ''اے داتا! خدا تیرا بھلا کرے۔ تو شاید مسافر ہے۔

اس شہر کا باشندہ نہیں۔" میں نے کہا "فی الواقع سات برس سے میں تباہ ہوا ہوں۔ جس کام کو نکلا ہوں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ آج اس بلدے میں آ پہنچا ہوں۔" وہ بوڑھا دعائیں دیکر چلا۔ میں اس کے پیچھے لگ گیا۔ باہر شہر کے ایک مکان عالیشان نظر آیا۔ وہ اسکے اندر گیا۔ میں بھی چلا۔ دیکھا تو جا بہ جا عمارت گر پڑی ہے اور بیمرمت ہو رہی ہے۔

میں نے دل میں کہا کہ یہ محل لائق پادشاہوں کے ہے۔ جس وقت تیاری اس کی ہوگی کیا ہی مکان دلچسپ بنا ہوگا! اور اب تو ویرانی سے کیا صورت بن رہی ہے! پر معلوم نہیں کہ اجاڑ کیوں پڑا ہے۔ اور یہ نا بینا اس محل میں کیوں بستا ہے؟ وہ کور لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا تھا کہ ایک آواز آئی جیسے کوئی کہتا ہے کہ "اے باپ! خیر تو ہے۔ آج سویرے کیوں پھرے آتے ہو؟" پیر مرد نے سنکر جواب دیا کہ "بیٹی! خدا نے ایک جوان مسافر کو میرے احوال پر مہربان کیا۔

اس نے ایک مہر مجھکو دی۔ بہت دنوں سے پیٹ بھر کر اچھا کھانا نہ کھایا تھا۔ سو گوشت، مصالح، گھی، تیل، آٹا، لون، مول لیا اور تیری خاطر کپڑا جو ضرور تھا خرید کیا۔ اب اس کو قطع کر۔ اور سی کر پہن۔ اور کھانا پکا تو کھا پی کے اس سخی کے حق میں دعا دیں۔ اگر چہ مطلب اس کے دل کا معلوم نہیں۔ پر خدا دانا بینا ہے۔ ہم بیکسوں کی دعا قبول کرے۔" میں نے یہ احوال اسکی فاقہ کشی کا جو سنا بے اختیار جی میں آیا کہ بیس اشرفیاں اور اسکو دوں۔ لیکن آواز کی طرف دھیان جو گیا تو ایک عورت دیکھی کہ ٹھیک وہ تصویر اسی معشوق کی تھی۔ تصویر کو نکالکر

مقابل کیا ۔ سرِمو تفاوت نہ دیکھا ۔ ایک نعرہ دل سے نکلا ۔ اور بے ہوش ہوا ۔ مبارک میرے تئیں بغل میں لیکر بیٹھا اور پنکھا کرنے لگا ۔ مجھ میں ذرا سا ہوش آیا ۔ اسی کی طرف تاک رہا تھا جو مبارک نے پوچھا کہ ''تم کو کیا ہو گیا؟'' ابھی منھ سے جواب نہیں نکلا ۔ وہ نازنین بولی کہ ''اے جوان! خدا سے ڈر اور بگانی استری پر نگاہ مت کر ۔ حیا اور شرم سب کو ضرور ہے''۔

اس لیاقت سے گفتگو کی کہ میں اس کی صورت اور سیرت پر محو ہو گیا ۔ مبارک میری خاطرداری بہت سی کرنے لگا ۔ لیکن دل کی حالت کی اسکو کیا خبر تھی؟ لاچار ہو کر میں پکارا کہ ''اے خدا کے بندو اور اس مکان کے رہنے والو! میں غریب مسافر ہوں ۔ اگر اپنے پاس مجھے بلاؤ اور رہنے کو جگہ دو ۔ تو بڑی بات ہے ۔'' اس اندھے نے نزدیک بلایا اور آواز پہچان کر گلے لگایا ۔ اور جہاں وہ گلبدن بیٹھی تھی ۔ اس مکان میں لیگیا ۔ وہ ایک کونے میں چھپ گئی ۔ اس بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ ''اپنا ماجرا کہہ ۔ کہ کیوں گھر بار چھوڑ کر اکیلا پڑا پھرتا ہے ۔ اور تجھے کس کی تلاش ہے؟'' میں نے ملک صادق کا نام نہ لیا ۔ اور وہاں کا کچھ ذکر نہ مذکور کیا ۔ اس طور سے کہا ۔ کہ ''یہ بیکس شہزادہ چین و ماچین کا ہے ۔ چنانچہ میرے ولی نعمت ہنوز بادشاہ ہیں ۔ ایک سوداگر سے لاکھوں روپئے دیکر یہ تصویر مول لی تھی ۔ اس کے دیکھنے سے سب ہوش آرام جاتا رہا ۔ اور فقیر کا بھیس کر کر تمام دنیا چھان ماری ۔ اب یہاں میرا مطلب ملا ہے ۔ سو تمھارا اختیار ہے''۔

یہ سنکر اندھے نے ایک آہ ماری اور بولا ۔ ''اے عزیز! میری

لڑکی بڑی مصیبت میں گرفتار ھے۔ کسو بشر کی مجال نہیں کہ اس سے نکاح کرے اور پھل پاوے۔،، میں نے کہا ''امیدوار ھوں کہ مفصل بیان کرو۔،، تب اس مرد عجمی نے اپنا ماجرا اس طور سے ظاھر کیا۔ کہ ''سن اے پادشاہ زادے! میں رئیس اور اکابر اس کم بخت شہر کا ھوں۔ میرے بزرگ نام آور اور عالی خاندان تھے۔ حق تعالیٰ نے یہ بیٹی مجھے عنایت کی۔ جب بالغ ھوئی تو اسکی خوبصورتی اور نزاکت اور سلیقے کا شور ھوا۔ اور سارے ملک میں مشہور ھوا کہ فلانے کے گھر میں ایسی لڑکی ھے کہ اس کے حسن کے مقابل حور پری شرمندہ ھیں۔ انسان کا تو کیا منہ ھے کہ برابری کرے؟ یہ تعریف اس شہر کے شہزادے نے سنی۔ غائبانہ بغیر دیکھے بھالے عاشق ھوا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اٹھواٹی کھٹواٹی لیکر پڑا۔

آخر پادشاہ کو یہ بات معلوم ھوئی۔میرے تئیں رات کو خلوت میں بلایا اور یہ مذکور درمیان میں لایا۔ اور مجھے باتوں میں پھسلایا۔ حتیٰ کہ نسبت ناتا کرنے میں راضی کیا۔ میں بھی سمجھا کہ جب بیٹی گھر میں پیدا ھوئی تو کسو نہ کسو سے بیاھا ھی چاھئے۔ پس اس سے کیا بہتر ھے کہ پادشاھزادے سے منسوب کردوں؟ اس میں پادشاہ بھی منّت وار ھوتا ھے۔ میں قبول کرکے رخصت ھوا۔ اسی دن سے دونوں طرف تیاری بیاہ کی ھونے لگی۔ ایک روز اچھی ساعت میں قاضی، مفتی، عالم، فاضل، اکابر سب جمع ھوئے۔ نکاح باندھا گیا اور مہر معّین ھوا۔ دلہن کو بڑی دھوم دھام سے لیگئے۔ سب رسم رسومات کرکے فارغ ھوئے۔ نوشہ نے رات کو جب قصد جماع کا کیا۔ اس مکان میں ایک

شور غل ایسا ہوا کہ جو باہر لوگ چوکی میں تھے حیران ہوئے۔ دروازہ کوٹھری کا کھولکر چاہا دیکھیں کہ یہ کیا آفت ہے۔ اندر سے ایسا بند تھا کہ کواڑ کھول نہ سکے۔ ایکدم میں وہ رونے کی آواز بھی کم ہوئی۔ پٹ کی چول اکھاڑ کر دیکھا تو دولھا سر کٹا ہوا پڑا تڑپھتا ہے۔ اور دلہن کے منہ سے کف چلا جاتا ہے۔ اور اسی مٹی لہو میں لتھڑی ہوئی بیحواس پڑی لوٹتی ہے۔

یہ قیامت دیکھکر سب کے ہوش جاتے رہے۔ ایسی خوشی میں یہ غم ظاھر ہوا۔ پادشاہ کو خبر پہنچی۔ سر پیٹتا ہوا دوڑا۔ تمام ارکان سلطنت کے جمع ہوئے۔ پر کسو کی عقل کام نہیں کرتی۔ کہ اس احوال کو دریافت کرے۔ نہایت کو پادشاہ نے اس قلق کی حالت میں حکم کیا کہ ''اس کم بخت بھونڈ پیری دلہن کا بھی سر کاٹ ڈالو۔،، یہ بات پادشاہ کی زبان سے جونہیں نکلی۔ پھر ویسا ہی ھنگامہ برپا ہوا۔ پادشاہ ڈرا اور اپنی جان کے خطرے سے نکل بھاگا۔ اور فرمایا کہ ''اسے محل سے باھر نکال دو۔،، خواصوں نے اس لڑکی کو میرے گھر میں پہنچا دیا۔ یہ چرچا دنیا میں مشہور ہوا۔ جن نے سنا حیران ہوا اور شہزادے کے مارے جانے کے سبب سے خود پادشاہ اور جتنے باشندے اس شہر کے ھیں میرے دشمن جانی ہوئے۔

جب ماتم داری سے فراغت ہوئی اور چہلم ہو چکا۔ پادشاہ نے ارکان دولت سے صلاح پوچھی۔ کہ ''اب کیا کیا چاھئے؟،، سبھوں نے کہا ''اور تو کچھ نہیں ہوسکتا۔ پر ظاھر میں دل کی تسلّی اور صبر کے واسطے اس لڑکی کو اسکے باپ سمیت مروا ڈالئے۔ اور

گھر بار ضبط کر لیجئے۔،، جب میری یہ سزا مقرر کی کوتوال کو حکم ہوا۔ اس نے آ کر چاروں طرف سے میری حویلی کو گھیر لیا۔ اور نرسنگا دروازے پر بجایا۔ اور چاھا کہ اندر گھسیں اور پادشاہ کا حکم بجا لاویں۔ غیب سے اینٹ پتھر ایسے برسنے لگے کہ تمام فوج تاب نہ لا سکی۔ اپنا سر منہ بچا کر جیدھر تدھر بھاگی۔ اور ایک آواز مہیب پادشاہ نے محل میں اپنے کانوں سنی۔ کہ ”کیوں کمبختی آئی ھے، کیا شیطان لگا ھے؟ بھلا چاھتا ھے تو اس نازنین کے احوال کا معترض نہ ہو۔ نہیں تو جو کچھ تیرے بیٹے نے اس سے شادی کر کر دیکھا۔ تو بھی اسکی دشمنی سے دیکھیگا۔ اب اگر اس کو ستاوے گا تو مزا پاویگا،،۔

بادشاہ کو مارے دہشت کے تپ چڑھی۔ وونہیں حکم کیا کہ ”ان بد بختوں سے کوئی مزاحم نہ ہو، کچھ کہو نہ سنو، حویلی میں پڑا رہنے دو۔ زور ظلم ان پر نہ کرو۔،، اس دن سے عامل باؤ بتاس جان کر دعا تعویذ اور سیانے جنتر منتر کرتے ھیں۔ اور سب باشندے اس شہر کے اسم اعظم اور قرآن مجید پڑھتے ھیں۔ مدّت سے یہ تماشا ہو رہا ھے۔ لیکن اب تک کچھ اسرار معلوم نہیں ہوتا۔ اور مجھے بھی ہرگز اطلاع نہیں۔ مگر اس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا تھا؟ یہ بولی کہ ”اور تو کچھ میں نہیں جانتی۔ لیکن یہ نظر آیا کہ جس وقت میرے خاوند نے قصد مباشرت کا کیا۔ چھت پھٹ کر ایک تخت مرصّع کا نکلا۔ اس پر ایک جوان خوبصورت شاہانہ لباس پہنے بیٹھا تھا۔ اور ساتھ بہت سے آدمی اہتمام کرتے ہوئے اس مکان میں آئے۔ اور شہزادے کے قتل کے مستعد ہوئے۔ وہ شخص سردار میرے نزدیک

آیا اور بولا ''کیوں جانی! اب ہم سے کہاں بھاگوگی؟،، ان کی صورتیں آدمی کی سی تھیں ۔ لیکن پانوں بکریوں کے سے نظر آئے۔ میرا کلیجہ دھڑکنے لگا اور خوف سے غش میں آگئی ۔ پھر مجھے کچھ سدّھ نہیں کہ آخر کیا ہوا،،۔

تب سے میرا یہ احوال ہے کہ اس پھوٹے مکان میں ہم دونوں جی پڑے رہتے ھیں ۔ پادشاہ کے غصّے کے باعث اپنے رفیق سب جدا ہوگئے ۔ اور میں گدائی کرنے جو نکلتا ھوں ۔ تو کوئی کوڑی نہیں دیتا ۔ بلکہ دوکان پر کھڑے رھنے کے روادار نہیں۔ اس کمبخت لڑکی کے بدن پر لتّا نہیں کہ سر چھپاوے، اور کھانے کو میسر نہیں جو پیٹ بھر کھاوے ۔ خدا سے یہ چاھتا ھوں کہ موت ہماری آوے یا زمین پھاٹے اور یہ ناشدنی سماوے ۔ اس جینے سے مرنا بھلا ھے۔ خدا نے شاید ہمارے ھی واسطے تجھے بھیجا ھے۔ اور جو تونے رحم کھاکر ایک مہر دی ۔ کھانا بھی مزیدار پکاکر کھایا اور بیٹی کی خاطر کپڑا بھی بنایا ۔ خدا کی درگاہ میں شکر کیا اور تجھے دعا دی ۔ اگر اس پر آسیب جن یا پری کا نہ ھوتا تو تیری خدمت میں لونڈی کی جگہ دیتااور اپنی سعادت جانتا۔ یہ احوال اس عاجز کا ھے ۔ تو اسکے درپے مت ھو اور اس قصد سے درگذر،،۔

یہ سب ماجرا سنکر میں نے بہت منّت و زاری کی ۔ کہ ''مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر ۔ جو میری قسمت میں بدا ھوگا سو ھوگا،، وہ پیر مرد ھرگز راضی نہ ھوا ۔ شام جب ھوئی اس سے رخصت ھوکر سرا میں آیا ۔ مبارک نے کہا ''لو شہزادے! مبارک ھو ۔ خدا نے اسباب تو درست کیا ھے ۔ بارے یہ محنت اکارت نہ گئی،، میں نے کہا ۔ ''آج کتنی خوشامد کی ۔ پر وہ اندھا بے ایمان راضی

نہیں ہوتا۔ خدا جانے دیویگا یا نہیں۔،، پر میرے دل کی یہ حالت تھی کہ رات کاٹنی مشکل ہوئی کہ کب صبح ہو تو پھر جا کر حاضر ہوں۔ کبھو یہ خیال آتا تھا۔ اگر وہ مہربان ہو اور قبول کرے۔ تو مبارک ملک صادق کی خاطر لیجائیگا۔ پھر کہتا بھلا ہاتھ تو آوے۔ مبارک کو منا وناکر میں عیش کرونگا۔ پھر جی میں یہ خطرہ آتا کہ اگر مبارک بھی قبول کرے۔ تو جنوں کے ہاتھ سے وہی نوبت میری ہوگی جو پادشاہزادے کی ہوئی۔ اور اس شہر کا پادشاہ کب چاہیگا کہ اس کا بیٹا مارا جائے اور دوسرا خوشی منائے۔

تمام رات نیند اُچاٹ ہوگئی اور اسی منصوبے کے اُلجھیڑے میں کٹی۔ جب روز روشن ہوا میں چلا۔ چوک میں سے اچھے اچھے تھان پوشاکی اور گوٹا کناری اور میوہ خشک و تر خرید کرکے اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت خوش ہوکر بولا کہ ''سب کو اپنی جان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔ پر اگر میری جان بھی تیرے کام آوے تو دریغ نہ کروں اور اپنی بیٹی ابھی تیرے حوالے کروں۔ لیکن یہی خوف آتا ہے کہ اس حرکت سے تیری جان کو خطرہ نہ ہو۔ کہ یہ داغ لعنت کا میرے اوپر تا قیامت رہے۔،، میں نے کہا ''اب اس بستی میں بیکس واقع ہوں۔ اور تم میرے دین دنیا کے باپ ہو۔ میں اس آرزو میں مدت سے کیا کیا تباہی اور پریشانی کھینچتا ہوا اور کیسے کیسے صدمے اٹھاتا ہوا یہاں تک آیا۔ اور مطلب کا بھی سراغ پایا۔ خدا نے تمھیں بھی مہربان کیا جو بیاہ دینے پر رضامند ہوئے۔ لیکن میرے واسطے آگا پیچھا کرتے ہو۔ ذرا منصف ہوکر غور فرماؤ۔ تو، عشق کی تلوار سے

سر بچانا اور اپنی جان کو چھپانا کس مذہب میں درست ہے؟ هر چه بادا باد - میں نے سب طرح اپنے تئیں برباد دیا ہے۔ معشوق کے وصال کو میں زندگی سمجھتا ہوں - اپنے مرنے جینے کی مجھے کچھ پروا نہیں - بلکہ اگر ناامید ہونگا تو بن اجل مر جاؤنگا - اور تمھارا قیامت میں دامن گیر ہونگا،،۔

غرض اس گفت و شنید ہاں ناںھ میں قریب ایک مہینے کے خوف و رجا میں گذرا - ہر روز اس بزرگ کی خدمت میں دوڑا جاتا۔ اور خوشامد برامد کیا کرتا - اتفاقاً وہ بوڑھا کاہلہ ہوا - میں اس کی بیمار داری میں حاضر رہا - ہمیشہ قارورہ حکیم پاس لیجاتا - جو نسخہ لکھ دیتا اسی ترکیب سے بنا کر پلاتا اور شولا اور غذا اپنے ہاتھ سے پکا کر کوئی نوالا کھلاتا - ایک دن مہربان ہو کر کہنے لگا - ”اے جوان! تو بڑا ضدی ہے - میں نے ہر چند ساری قباحتیں کہہ سنائیں - اور منع کرتا ہوں کہ اس کام سے باز آ - جی ہے تو جہان ہے - پر خواہ مخواہ کوئے میں گرا چاہتا ہے - اچھا آج اپنی لڑکی سے تیرا مذکور کرونگا - دیکھوں وہ کیا کہتی ہے -،، یا فقر اللہ! یہ خوشخبری سن کر میں ایسا پھولا کہ کپڑوں میں نہ سمایا - آداب بجا لایا اور کہا کہ ”اب آپ نے میرے جینے کی فکر کی۔،، رخصت ہو کر مکان پر آیا اور تمام شب مبارک سے یہی ذکر مذکور رہا - کہاں کی نیند اور کہاں کی بھوکھ؟ صبح کو نور کے وقت پھر جا کر موجود ہوا - سلام کیا؟ فرمانے لگا کہ ”لو اپنی بیٹی ہم نے تم کو دی، خدا مبارک کرے - تم دونوں کو خدا کے حفظ و امان میں سونپا - جب تلک میرے دم میں دم ہے میری

آنکھوں کے سامھنے رہو۔ جب میری آنکھ مند جائیگی جو تمہارے
جی میں آویگا سو کیجو، مختار ہو،،۔

کتنے دن پیچھے وہ مرد بزرگ جان بحق تسلیم ہوا۔ رو پیٹ کر تجہیز تکفین کیا۔ بعد تیجے کے اس نازنین کو مبارک ڈولی کر کر کاروان سرا میں لے آیا۔ اور مجھ سے کہا کہ ''یہ امانت ملک صادق کی ہے۔ خبردار خیانت نہ کیجو اور یہ محنت مشقت برباد نہ دیجو،،۔ میں نے کہا ''اے کاکا! ملک صادق یہاں کہاں ہے؟ دل نہیں مانتا۔ میں کیونکر صبر کروں؟ جو کچھ ہو سو ہو۔ جیوں یا مروں۔ اب تو عیش کر لوں،،۔ مبارک نے دق ہو کر ڈانٹا کہ ''لڑکپن نہ کرو۔ ابھی ایک دم میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ ملک صادق کو دور جانتے ہو۔ جو اس کا فرمانا نہیں مانتے ہو؟ اس نے چلتے وقت پہلے ھی اونچ نیچ سب سمجھا دی ہے۔ اگر اسکے کہنے پر رہوگے اور صحیح سلامت اس کو وہاں تک لے چلو گے تو وہ بھی پادشاہ ہے۔ شاید تمہاری محنت پر توجہ کر کے تمھوں کو بخش دے۔ تو کیا اچھی بات ہووے۔ پیت کی پیت رہی اور میت کا میت ھاتھ لگے،،۔

بارے اسکے ڈرانے اور سمجھانے سے میں حیران ہو کر چپکا ہو رہا۔ دو سانڈنیاں خرید کیں۔ اور کجاوں پر سوار ہو کر ملک صادق کے ملک کی راہ لی۔ چلتے چلتے ایک میدان میں آواز غل شور کی آنے لگی۔ مبارک نے کہا ''شکر خدا کا ھماری محنت نیک لگی۔ یہ لشکر جنوں کا آ پہنچا،،۔ بارے مبارک نے ان سے مل جل کر پوچھا کہ ''کہاں کا ارادہ کیا ہے؟،، وہ بولے کہ ''پادشاہ نے تمہارے استقبال کے واسطے ہمیں تعینات کیا ہے۔ اب تمہارے فرمانبردار

ھیں ۔ اگر کہو تو ایک دم میں رو برو لے چلیں ۔،، مبارک نے کہا
''دیکھو کس کس محنتوں سے خدا نے پادشاہ کے حضور میں ھمیں
سرخ رو کیا ۔ اب جلدی کیا ضرور ھے؟ اگر خدا نہ خواستہ کچھ
خلل ہو جاوے ۔ تو ہماری محنت اکارت ہو اور جہاں پناہ کی غضبی
میں پڑیں ۔،، سبھوں نے کہا کہ ''اس کے تم مختار ہو۔ جس طرح جی
چاہے چلو ۔،، اگرچہ سب طرح کا آرام تھا ۔ پر رات دن چلنے سے کام
تھا۔

جب نزدیک جا پہنچے میں مبارک کو سوتا دیکھ کر اس
نازنین کے قدموں پر سر رکھ کر اپنے دل کی بیقراری اور ملک صادق
کے سبب سے لاچاری نہایت منّت و زاری سے کہنے لگا ۔ کہ ''جس
روز سے تمھاری تصویر دیکھی ھے خواب و خورش اور آرام میں نے
اپنے اوپر حرام کیا ھے ۔ اب جو خدا نے یہ دن دکھایا تو محض
بیگانہ ہو رہا ہوں ۔،، فرمانے لگی کہ ''میرا بھی دل تمھاری طرف
مائل ھے ۔ کہ تم نے میری خاطر کیا کیا ھرج مرج اٹھایا اور
کس کس مشقتوں سے لے آئے ہو ۔ خدا کو یاد کرو اور مجھے
بھول نہ جائیو ۔ دیکھو تو پردۂ غیب سے کیا ظاھر ہوتا ھے ۔،،
یہ کہکر ایسی بے اختیار ڈاڑھ مار کر روئی کہ ھچکی لگ گئی ۔
ایدھر میرا یہ حال ۔ ادھر اس کا وہ احوال ۔ اس میں مبارک
کی نیند ٹوٹ گئی۔ وہ ھم دونوں مشتاقوں کا رونا دیکھکر رونے لگا
اور بولا۔ ''خاطر جمع رکھو، ایک روغن میرے پاس ھے، اس گلبدن کے
بدن میں مل دونگا ۔ اس کی بو سے ملک صادق کا جی ھٹ جائے گا ۔
غالب ھے کہ تمھیں کو بخش دے ،،۔

مبارک سے یہ تدبیر سنکر دل کو ڈھارس ہوگئی۔ اس کے گلے سے لگ کر لاڈ کیا اور کہا۔ "اے دادا، اب تو میرے باپ کی جگہ ہے۔ تیرے باعث میری جان بچی۔ اب بھی ایسا کام کر جس میں میری زندگانی ہو۔ نہیں تو اس غم میں مر جاؤنگا۔" اس نے ڈھیر سی تسلّی دی۔ جب روز روشن ہوا، آواز جنوں کی معلوم ہونے لگی۔ دیکھا تو کئی خواص ملک صادق کے آئے ہیں۔ اور دو سرے پاؤ بھاری ہمارے لئے لائے ہیں اور ایک چوڈول موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی ان کے ساتھ ہے۔ مبارک نے اس نازنین کو وہ تیل مل دیا اور پوشاک پہنا بناؤ کروا کر ملک صادق کے پاس لیچلا۔ بادشاہ نے دیکھکر مجھے بہت سرفراز کیا اور عزت و حرمت سے بٹھایا اور فرمانے لگا کہ "تجھ سے میں ایسا سلوک کرونگا کہ کسو نے آج تک کسو سے نہ کیا ہوگا۔ بادشاہت تو تیرے باپ کی موجود ہے۔ علاوہ اب تو میرے بیٹے کی جگہ ہوا۔" یے توّجہ کی باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں وہ نازنین بھی روبرو آئی۔ اس روغن کی بو سے یک بہ یک دماغ پراگندہ ہوا اور حال بے حال ہو گیا۔ تاب اس باس کی نہ لا سکا۔ اٹھ کر باہر چلا گیا اور ہم دونوں کو بلوایا اور مبارک کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ "کیوں جی! خوب شرط بجا لائے!

میں نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر خیانت کروگے تو خفگی میں پڑوگے۔ یہ بو کیسی ہے؟ اب دیکھو تمھارا کیا حال کرتا ہوں۔" بہت جِزبِز ہوا۔ مبارک نے مارے ڈر کے اپنا ازربند کھولکر دکھادیا۔ کہ "پادشاہ سلامت! جب حضور کے حکم سے اس کام کے ہم متعین ہوئے تھے۔ غلام نے پہلے ہی اپنی علامت کاٹ کر ڈبیا میں

بند کرکے سر بہ مہر سرکار کے خرانچی کے سپرد کر دی تھی۔ اور مرہم سلیمانی لگا کر روانہ ہوا تھا۔،، مبارک سے یہ جواب سنکر تب میری طرف آنکھیں نکال کے گھورا اور کہنے لگا۔ ''تو یہ تیرا کام ہے!،، اور طیش میں آ کر منہ سے برا بھلا بکنے لگا۔ اس وقت اسکے بت کہاؤ سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید جان سے مجھے مروا ڈالیگا۔ جب میں نے اسکے بشرے سے یہ دریافت کیا۔ اپنے جی سے ہاتھ دھو کر اور جان کھو کر سر غلاف مبارک کی کمر سے کھینچ کر ملک صادق کی توند میں ماری۔ چھری کے لگتے ہی نہڑا اور جھوما۔ میں نے حیران ہو کر جانا کہ مقرر مر گیا۔ پھر اپنے دل میں خیال کیا کہ زخم تو ایسا کاری نہیں لگا، یہ کیا سبب ہوا؟ میں کھڑا دیکھتا تھا کہ وہ زمین پر لوٹ لاٹ گیند کی صورت بن کر آسمان کی طرف اڑ چلا۔ ایسا بلند ہوا کہ آخر نظروں سے غائب ہو گیا۔ پھر ایک پل کے بعد بجلی کی طرح کڑکتا اور غصے میں کچھ بے معنی بکتا ہوا نیچے آیا۔ اور مجھے ایک لات ماری کہ میں تیورا کر چاروں شانے چت گر پڑا اور جی ڈوب گیا۔ خدا جانے کتنی دیر میں ہوش آیا۔ آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو ایک ایسے جنگل میں پڑا ہوں کہ جہاں سوائے کیکڑ اور ٹینٹی اور جھڑبیری کے درختوں کے کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اب اس گھڑی عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں! نا امیدی سی ایک آہ بھر کر ایک طرف کی راہ لی۔ اگر کہیں کوئی آدمی کی صورت نظر پڑتی تو ملک صادق کا نام پوچھتا۔ وہ دیوانہ جان کر جواب دیتا کہ ''ہم نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا،،۔

ایک روز پہاڑ پر جا کر میں نے بھی ارادہ کیا کہ اپنے تئیں

گرا کر ضائع کروں ۔ جوں مستعد گرنے کا ہوا وہی سوار صاحب ذوالفقار برقع پوش آ پہنچا اور بولا ۔ کہ ”کیوں تو اپنی جان کھوتا ھے ۔ آدمی پر دکھ درد سب ہوتا ھے ۔ اب تیرے برے دن گئے اور بھلے دن آئے ۔ جلد روم کو جا ۔ تین شخص ایسے ھی آگے گئے ھیں ۔ ان سے ملاقات کر اور وہاں کے سلطان سے مل ۔ تم پانچوں کا مطلب ایک ھی جگہ ملیگا ۔،، اس فقیر کی سیر کا یہ ماجرا ھے جو عرض کیا ۔ بارے بشارت سے اپنے مولا مشکل کشا کی مرشدوں کی حضور میں آپہنچا ہوں ۔ اور پادشاہ ظل اللہ کی بھی ملازمت حاصل ہوئی چاھئے کہ اب سب کی خاطر جمع ہو،،۔۔

یے باتیں چار درویش اور پادشاہ آزاد بخت میں ہو رہی تھیں ۔ کہ اتنے میں ایک محلی پادشاہ کے محل میں سے دوڑا ہوا آیا اور مبارکباد کی تسلیمیں بادشاہ کے حضور بجا لایا اور عرض کی ۔ کہ ”اس وقت شاہزادہ پیدا ہوا کہ آفتاب و مہتاب اسکے حسن کے روبرو شرمندہ ھیں ۔،، پادشاہ نے متعجب ہوکر پوچھا کہ ”ظاھر میں تو کسوکو حمل نہ تھا ۔ یہ آفتاب کس کے برج حمل سے نمود ہوا؟،، اس نے التماس کیا کہ ”ماہ رو خواص جو بہت دنوں سے غضب پادشاھی میں پڑی تھیں ۔ بیکسوں کی مانند ایک کونے میں رہتی تھی اور مارے ڈر کے اس کے نزدیک کوئی نہ جاتا نہ احوال پوچھتا تھا ۔ اس پر یہ فضل الہی ہوا کہ چاند سا بیٹا اس کے پیٹ سے پیدا ہوا،،۔۔

پادشاہ کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ شاید شادی مرگ ہو جائے ۔ چاروں فقیر نے بھی دعا دی ۔ کہ ”بھلا بابا! تیرا گھر آباد رھے اور اس کا قدم مبارک ہو ۔ تیرے سائے کے تلے بوڑھا بڑا

ہو۔،، پادشاہ نے کہا ''یہ تمھارے قدم کی برکت ہے۔ والاّ نہ، اپنے تو سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ اجازت ہو تو جا کر دیکھوں۔،، درویشوں نے کہا۔ ''بسم اللہ سِدھارئیے۔،، بادشاہ محل میں تشریف لے گئے۔ شہزادے کو گود میں لیا اور شکر پروردگار کی جناب میں کیا۔ کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ وونہیں چھاتی سے لگائے ہوئے لا کر فقیروں کے قدموں پر ڈالا۔ درویشوں نے دعائیں پڑھ کر جھاڑ پھونک دیا۔ پادشاہ نے جشن کی تیاری کی۔ دوھری نوبتیں جھڑنے لگیں۔ خزانے کا منھ کھول دیا۔ داد و دھش سے ایک کوڑی کے محتاج کو لکھ پتی کر دیا۔ ارکان دولت جتنے تھے سب کو دو چند جاگیر و منصب کے فرمان ہو گئے۔ جتنا لشکر تھا۔ انھیں پانچ برس کے طلب انعام ہوئے۔ مشائخ اور اکابر کو مدد معاش اور التمغا عنایت ہوا۔ بے نواؤں کے مہتے اور ٹکڑ گداؤں کے چملے اشرفی اور روپیوں کی کھچڑی سے بھر دئے۔ اور تین برس کا خزانہ رعیت کو معاف کیا۔ کہ جو کچھ بوویں جوتیں دونوں حصے اپنے گھروں میں اٹھا لے جائیں۔

تمام شہر میں ہزاری بزاری کے گھروں میں جہاں دیکھو وہاں تھئی تھئی ناچ ہو رہا ہے۔ مارے خوشی کے ہر ایک ادنا اعلا بادشاہ وقت بن بیٹھا۔ عین شادی میں ایک بارگی اندرون محل سے رونے پیٹنے کا غل اٹھا۔ خواصیں اور ترکنیاں اور آردابیگنیاں اور محلی، خوجے سر میں خاک ڈالتے ہوئے باہر نکل آئے اور بادشاہ سے کہا۔ کہ ''جس وقت شہزادے کو نہلا دھلا کر دائی کی گود میں دیا ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا۔ بعد ایک دم کے دیکھیں تو انگاّ بیہوش پڑی ہے۔ اور شہزادہ غائب ہو گیا۔

یہ کیا قیامت ٹوٹی!،، بادشاہ یہ تعجّبات سنکر حیران ہو رہا - اور تمام ملک میں واویلا پڑی - دو دن تلک کسو کے گھر میں ہانڈی نہ چڑھی - شہزادے کا غم کھاتے اور اپنا لہو پیتے تھے—

غرض زندگانی سے لاچار تھے جو اس طرح جیتے تھے - جب تیسرا دن ہوا - وہی بادل پھر آیا اور ایک پنگھولا جڑاؤ موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی لایا - اسے محل میں رکھکر آپ ہوا ہوا - لوگوں نے شہزادے کو اس میں انگوٹھا چوستے ہوئے پایا - پادشاہ بیگم نے جلدی بلائیں لیکر ہاتھوں میں اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا - دیکھا تو کرتا آب رواں کا موتیوں کا دردامن ٹکا ہوا گلے میں ہے - اور اس پر شلوکا تمامی کا پہنایا ہے - اور ہاتھ پانوٗں میں کھڑوے مرصع کے اور گلے میں ہیکل نورتن کی پڑی ہے - اور جُھنجھنا ، چُسنی ، چُٹّے بٹّے جڑاؤ دھرے ہیں - سب مارے خوشی کے واری پھیری ہونے لگیں - اور دعائیں دینے لگیں کہ ”تیری ما کا پیٹ ٹھنڈا رہے - اور تو بوڑھا آڑھا ہو،،—

پادشاہ نے ایک بڑا محل نیا تعمیر کروا کر اور فرش بچھوا اس میں درویشوں کو رکھا - جب سلطنت کے کام سے فراغت ہوتے تب آ بیٹھتے اور سب طرح سے خدمت اور خبر گیری کرتے - لیکن ہر چاند کی نو چندی جمیرات کو وہی پارۂ ابر آتا - اور شہزادے کو لیجاتا - بعد دو دن کے تحفہ کھلونے اور سوغاتیں ہر ایک ملک کی اور ہر ایک قسم کی شہزادے کے ساتھ لے آتا جن کے دیکھنے سے عقل انسان کی حیران ہو جاتی - اسی قاعدے سے پادشاہ زادے نے خیریت سے ساتویں برس میں پانوں دیا - عین سالگرہ کے روز پادشاہ آزاد بخت نے فقیروں سے کہا - کہ ”سائیں

اللہ! کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہزادے کو کون لیجاتا ہے۔ اور پھر دے جاتا ہے۔ بڑا تعجب ہے۔ دیکھئے انجام اس کا کیا ہوتا ہے؟،، درویشوں نے کہا ’’ایک کام کرو۔ ایک شقّہ شوقیہ اس مضمون کا لکھکر شہزادے کے گہوارے میں رکھدو۔ کہ تمھاری مہربانگی اور محبت دیکھکر اپنا بھی دل مشتاق ملاقات کا ہوا ہے۔ اگر دوستی کی راہ سے اپنے احوال کی اطلاع دیجئے تو خاطر جمع ہو اور حیرانی بالکل دفع ہو۔،، باشاہ نے موافق صلاح درویشوں کے افشانی کاغذ پر ایک رقعہ اسی عبارت کا ترقیم کیا اور مہدِ زریں میں رکھ دیا۔

شہزادہ بموجب قاعدۂ قدیم کے غائب ہوا۔ جب شام ہوئی آزاد بخت درویشوں کے بستروں پر آکر بیٹھے اور کلمہ کلام ہونے لگا۔ ایک کاغذ لپٹا ہوا پادشاہ کے پاس آ پڑا۔ کھول کر پڑھا۔ تو جواب اسی شقے کا تھا۔ یہی دو سطریں لکھی تھیں۔ کہ ’’ہمیں بھی اپنا مشتاق جانئے۔ سواری کے لئے تخت جاتا ہے۔ اس وقت اگر تشریف لائیے تو بہتر ہے۔ باہم ملاقات ہو۔ سب اسباب عیش و طرب کا مہیا ہے۔ صاحب ہی کی جگہ خالی ہے۔،، پادشاہ آزاد بخت درویشوں کو ہمراہ لیکر تخت پر بیٹھے۔ وہ تخت حضرت سلیمان کے تخت کے مانند ہوا پر چلا۔ رفتہ رفتہ ایسے مکان پر جا اترے کہ عمارت عالیشان اور تیاری کا سامان نظر آتا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی ہے یا نہیں۔ اتنے میں کسو نے ایک ایک سلائی سلیمانی سرمے کی ان پانچوں کی آنکھوں میں پھیر دی۔ دو دو بوندیں آنسو کی ٹپک پڑیں۔ پریوں کا اکھاڑا دیکھا کہ

استقبال کی خاطر گلاب پاشیں لئے ہوئے اور رنگ بہ رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے کھڑا ہے۔

آزاد بخت آگے چلے تو دورویہ ہزاروں پریزاد مؤدب کھڑے ہیں ۔ اور صدر میں ایک تخت زمرد کا دھرا ہے ۔ اس پر ملک شہبال شاہرخ کا بیٹا تکئے لگائے بڑے تزک سے بیٹھا ہے اور ایک پریزاد لڑکی رو برو بیٹھی شہزادۂ بختیار کے ساتھ کھیل رہی ہے ۔ اور دونوں بغل میں کرسیاں اور صندلیاں قرینے سے بچھی ہیں ۔ ان پر عمدہ پریزاد بیٹھے ہیں ۔ ملک شہبال پادشاہ کو دیکھتے ہی سرو قد اٹھا اور تخت سے اتر کر بغل گیر ہوا اور ہاتھ میں ہاتھ پکڑے اپنے برابر تخت پر لا کر بٹھایا اور بڑے تپاک اور گرم جوشی سے باہم گفتگو ہونے لگی ۔ تمام روز ہنسی خوشی کھانے اور میوے اور خوشبوؤں کی ضیافت رہی ۔ اور راگ رنگ سنا کئے ۔ دوسرے دن جب پھر دونوں پادشاہ جمع ہوئے ۔ شہبال نے پادشاہ سے درویشوں کے ساتھ لانے کی کیفیت پوچھی۔

پادشاہ نے چاروں بے نواؤں کا ماجرا جو سنا تھا مفصل بیان کیا اور سفارش کی اور مدد چاہی ۔ کہ ''انھوں نے اتنی محنت اور مصیبت کھینچی ہے ۔ اب صاحب کی توجہ سے اگر اپنے اپنے مقصد کو پہنچیں تو ثواب عظیم ہے ۔ اور یہ مخلص بھی تمام عمر شکر گذار رہیگا ۔ آپ کی نظر توجہ سے ان سب کا بیڑا پار ہوتا ہے ۔،، ملک شہبال نے سنکر کہا ''بہ سر و چشم ۔ میں تمہارے فرمانے سے قاصر نہیں ۔،، یہ کہکر نگاہ گرم سے دیووں اور پریوں کی طرف دیکھا۔ اور بڑے بڑے جن جو جہاں سردار تھے ان کو نامے لکھے۔ کہ ''اس فرمان کے دیکھتے ہی اپنے تئیں حضور پر نور میں حاضر

کرو۔ اگر کسی کے آنے میں توقّف ہوگا تو اپنی سزا پاویگا۔ اور پکڑا ہوا آویگا اور آدم زاد خواہ عورت خواہ مرد جس کے پاس ہو اسے اپنے ساتھ لئے آوے۔ اگر کوئی پوشیدہ کر رکھیگا اور ثانی الحال ظاہر ہوگا۔ تو اس کا زن و بچہ کولھو میں پیرا جائیگا اور اس کا نام نشان باقی نہ رہیگا،،۔

یہ حکم نامہ لیکر دیو چاروں طرف متعیّن ہوئے۔ یہاں دونوں بادشاہوں میں صحبت گرم ہوئی اور باتیں اختلاط کی ہونے لگیں۔ اس میں ملک شہبال درویشوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ کہ "اپنے تئیں بھی بڑی آرزو لڑکے ہونے کی تھی۔ اور دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر خدا بیٹا دے یا بیٹی تو اس کی شادی بنی آدم کے بادشاہ کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوگا اس سے کرونگا۔ اس نیّت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بادشاہ بیگم پیٹ سے ہیں۔ بارے دن اور گھڑیاں اور مہینے گنتے گنتے پورے دن ہوئے۔ اور یہ لڑکی پیدا ہوئی۔ موافق وعدے کے تلاش کرنے کے واسطے عالم جنّیات کو میں نے حکم کیا۔ چار دانگ دنیا میں جستجو کرو۔ جس بادشاہ یا شہنشاہ کے یہاں فرزند پیدا ہوا ہو اس کو بہ جنس احتیاط سے جلد اٹھا کر لے آؤ۔ وونہیں بموجب فرمان کے پریزاد چاروں سمت پراگندہ ہوئے۔ بعد دیر کے اس شہزادے کو میرے پاس لے آئے۔

میں نے شکر خدا کا کیا۔ اور اپنی گود میں لے لیا۔ اپنی بیٹی سے زیادہ اس کی محبت میرے دل میں پیدا ہوئی۔ جی نہیں چاہتا کہ ایک دم نظروں سے جدا کروں۔ لیکن اس خاطر بھیج دیتا ہوں۔ کہ اگر اس کے ما باپ نہ دیکھینگے تو ان کا کیا احوال ہوگا۔ لہذا ہر مہینے میں ایک بار منگا لیتا ہوں۔ کئی دن

اپنے نزدیک رکھ کر پھر بھیج دیتا ہوں۔ انشاءٔ اللہ تعالی، اب ہماری تمھاری ملاقات ہوئی، اس کی کتخدائی کر دیتا ہوں۔ سوت حیات سب کو لگی پڑی ہے۔ بھلا جیتے جی ان کا سہرا دیکھ لیں،،۔

پادشاہ آزاد بخت یہ باتیں ملک شہبال کی سنکر اور اس کی خوبیاں دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے اور بولے۔ ''پہلے ہم کو شہزادے کے غائب ہو جانے اور پھر آنے سے عجب عجب طرح کے خطرے دل میں آتے تھے۔ لیکن اب صاحب کی گفتگو سے تسلی ہوئی۔ یہ بیٹا اب تمھارا ہے۔ جس میں تمھاری خوشی ہو سو کیجئیے۔،، غرض دونوں پادشاہوں کی صحبت مانند شکر شیر کے رہتی اور عیش کرتے۔ دس پانچ دن کے عرصے میں بڑے بڑے پادشاہ گلستان ارم کے اور کوہستان کے اور جزیروں کے (جن کی طلب کی خاطر لوگ تعینات ہوئے تھے) سب آکر حضور میں حاضر ہوئے۔ پہلے ملک صادق سے فرمایا کہ ''تیرے پاس جو آدم زاد ہے حاضر کر۔،، اس نے نپٹ غم غصہ کھاکر لاچار اس گلعذار کو حاضر کیا۔ اور ولایت عمان کے بادشاہ سے شہزادی جن کی (جس کے واسطے شہزادہ ملک نیمروز کا گاؤ سوار ہوکر سودائی بنا تھا) مانگی۔ اس نے بھی بہت سے عذر معذرت کرکے حاضر کی۔ جب بادشاہ فرنگ کی بیٹی اور بہزاد خاں کو طلب کیا سب منکر پاک ہوئے۔ اور حضرت سلیمان کی قسم کھانے لگے۔

آخر دریائے قلزم کے پادشاہ سے جب پوچھنے کی نوبت آئی۔ تو وہ سر نیچا کرکے چپ ہورہا۔ ملک شہبال نے اس کی خاطر کی۔ اور قسم دی اور امید وار سرفرازی کا کیا اور کچھ دھونس دھڑکا بھی دیا۔ تب وہ بھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا۔ کہ ''پادشاہ سلامت!

حقیقت یہ ہے کہ جب پادشاہ اپنے بیٹے کے استقبال کی خاطر دریا پر آیا اور شہزادے نے مارے جلدی کے گھوڑا دریا میں ڈالا۔ اتفاقاً میں اس روز سیر و شکار کی خاطر نکلا تھا۔ اس جگہ میرا گذر ہوا۔ سواری کھڑی کرکے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس میں شہزادی کو بھی گھوڑی دریا میں لیگئی۔ میری نگاہ جو اس پر پڑی۔ دل بے اختیار ہوا۔ پریزادوں کو حکم کیا کہ ''شہزادی کو بہ مع گھوڑی لے آؤ۔،، اس کے پیچھے بہزاد خاں نے گھوڑا پھینکا۔ جب وہ بھی غوطے کھانے لگا اس کی دلاوری اور مردانگی پسند آئی۔ اس کو بھی ہاتھوں ہاتھ پکڑ لیا۔ ان دونوں کو لیکر میں نے سواری پھیری۔ سو وے دونوں صحیح سلامت میرے پاس موجود ہیں،،۔

یہ احوال کہ کر دونوں کو رو برو بلایا اور سلطان شام کی شہزادی کی تلاش بہت کی۔ اور سبھوں سے بسختی و ملائمیت استفسار کیا۔ لیکن کسو نے حامی نہ بھری اور نہ نام و نشان بتایا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ ''کوئی بادشاہ یا سردار غیر حاضر بھی ہے یا سب آ چکے؟،، جنوں نے عرض کی کہ ''جہاں پناہ! سب حضور میں آئے ہیں مگر ایک، مسلسل جادو، جس نے کوہ قاف کے پردے میں ایک قلعہ جادو کے علم سے بنایا ہے، وہ اپنے غرور سے نہیں آیا ہے۔ اور ہم غلاموں کو طاقت نہیں جو بزور اس کو پکڑ لاویں۔ وہ بڑا قلب مکان ہے۔ اور وہ خود بھی بڑا شیطان ہے،،۔

یہ سنکر ملک شہبال کو تیش آیا اور لڑاکی فوج جنوں اور عفرتیوں اور پریزادوں کی تعینات کی اور فرمایا۔ ''اگر راستے میں اس

شہزادی کو ساتھ لیکر حاضر ہو فبہا۔ والاّ نہ اس کو زیر و زبر کرکے مشکیں باندھ کر لے آؤ۔ اور اسکے گڑھ اور ملک کو نیست و نابود کرکے گدھے کا ہل پھروا دو۔،، وونہیں حکم ہوتے ھی ایسی کتنی فوج روانہ ہوئی کہ ایک آدھ دن کے عرصے میں ویسے جوش خروش والے سرکش کو حلقہ بگوش کرکے پکڑ لائے اور حضور میں دست بستہ کھڑا کیا۔ ملک شہبال نے ہرچند سرزنش کرکر پوچھا لیکن اس مغرور نے سوائے نانھ کے ھاں نہ کی۔ نہایت کو غصے ھوکر فرمایا کہ ”اس مردود کے بند بند جدا کرو۔ اور کھال کھینچ کر بھس بھرو۔،، اور پریزاد کے لشکر کو تعّین کیا کہ کوہ قاف میں جاکر ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پیدا کرو۔ وہ لشکرِ متعینہ شہزادی کو بھی تلاش کرکے لے آیا۔ اور حضور میں پہنچایا۔ ان سب اسیروں نے اور چاروں فقیروں نے ملک شہبال کا حکم اور انصاف دیکھ کر دعائیں دیں اور شاد ہوئے۔ پادشاہ آزاد بخت بھی بہت خوش ہوا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ ”مردوں کو دیوان خاص میں اور عورتوں کو پادشاھی محل میں داخل کرو۔ اور شہر میں آئینہ بندی کا حکم کرو اور شادی کی تیاری جلدی ہو۔،، گویا حکم کی دیر تھی۔

ایک روز نیک ساعت اور مبارک مہُورت دیکھ کر شہزادۂ بختیار کا عقد اپنی بیٹی روشن اختر سے باندھا۔ اور خواجہ زادۂ یمن کو دمشق کی شہزادی سے بیاھا۔ اور ملک فارس کے شہزادے کا نکاح بصرے کی شہزادی سے کردیا۔ اور عجم کے بادشاھزادے کو فرنگ کی ملکہ سے منسوب کیا۔ اور نیمروز کے بادشاہ کی بیٹی کو بہزاد خاں کو دیا۔ اور شہزادۂ نیمروز کو جن کی شہزادی حوالے

کی - اور چین کے شہزادے کو اس پیر مرد عجمی کی بیٹی سے (جو ملک صادق کے قبضے میں تھی) کتخدا کیا - ہر ایک نامراد بہ دولت ملک شہبال کی اپنے اپنے مقصد اور مراد کو پہنچا۔ بعد اس کے چالیس دن تلک جشن فرمایا - اور عیش و عشرت میں رات دن مشغول رہے۔

آخر ملک شہبال نے ہر ایک بادشاہزادے کو تحفے اور سوغاتیں اور مال اسباب دے دے کر اپنے اپنے وطن کو رخصت کیا - سب بہ خوشی و خاطر جمعی روانہ ہوئے - اور بہ خیر و عافت جا پہنچے - اور بادشاہت کرنے لگے - مگر ایک بہزاد خاں اور خواجہ زادہ یمن کا اپنی خوشی سے بادشاہ آزاد بخت کی رفاقت میں رہے - آخر یمن کے خواجہ زادے کو خانساماں اور بہزاد خاں کو میر بخشی شہزادۂ صاحب اقبال یعنی بختیار کی فوج کا کیا۔ جب تلک جیتے رہے عیش کرتے رہے - الٰہی! جس طرح یہ چاروں درویش اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت اپنی مراد کو پہنچے - اسی طرح ہر ایک نامراد کا مقصد دلی اپنے کرم اور فضل سے بر لا ، بہ طفیلِ پنجتن پاک ، دوزادہ امام ، چہار دہ معصوم ، (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے - آمین یا اللہ العالمین۔

خاتمۂ کتاب میں

جب یہ کتاب فضل الہی سے اختتام کو پہنچی - جی میں آیا کہ اس کا نام بھی ایسا رکھوں کہ اسی میں تاریخ نکلے - جب حساب کیا تو بارہ سو پندرہ ھجری کے آخر سال میں کہنا شروع کیا تھا - باعث عدم فرصت کے بارہ سو سترہ سنہ کی ابتدا میں انجام ہوئی - اس فکر میں تھا کہ دل نے کہا باغ و بہار اچھا نام ھے - کہ ھم نام و ھم تاریخ اس میں نکلتی ھے - تب میں نے یہی نام رکھا - جو کوئی اس کو پڑھیگا گویا باغ کی سیر کرے گا - بلکہ باغ کو آفت خزاں کی بھی ھے - اور اس کو نہیں - یہ ھمیشہ سرسبز رھیگا —

مرتب ہوا جب یہ **باغ و بہار**
تھے سنہ بارہ سو سترہ در شمار

کرو سیر اب اسکی تم رات دن
کہ ھے نام و تاریخ **باغ و بہار**

خزاں کا نہیں اس میں آسیب کچھ
ھمیشہ تر و تازہ ھے یہ بہار

مرے خون دل سے یہ سیراب ھے
اور لخت جگر کے ھیں سب برگ وبار

مجھے بھول جاوینگے سب بعدِ مرگ
رہے گا مگر یہ سخن یاد گار

اسے جو پڑھے یاد مجھکو کرے
یہی قاریوں سے مرا ہے قرار

خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف
کہ پھولونمیں پوشیدہ رہتا ہے خار

ہے انساں مرّکب ز سہو و خطا
یہ چُوکے گا ہر چند ہو ہوشیار

میں اسکے سوا چاہتا کچھ نہیں
یہی ہے دعا میری اے کردگار

تری یاد میں میں رہوں دم بدم
کٹے اس طرح میرا لیل و نہار

نہ پرسش کی سختی ہو مجھپر کبھو
نہ شب گور کی اور نہ روزِ شمار

تو کونین میں لطف پر لطف رکھ
خدایا بحقِّ رسول کبار

فرہنگ

ممتاز حسین

فرہنگ

نشانات (ہ) برائے ہندی (اسمیں سنسکرت کے الفاظ شامل ھیں) (ف) برائے فارسی،
(ع) برائے عربی، (ت) برائے ترکی

(الف)

الفاظ	ماخذ	معنی
آبدار	ف	پانی گھر یا آبدار خانے کا منتظم۔آبداری ۔آبدار کا عہدہ یا خدمت
آبشَورہ	ف	لیمو کا شربت (اَفشُرہ)
آبھَرَن	ہ	زیورات
اَپرالا کرنا	ہ	حمایت کرنا
اَتاول	ہ	جلدی
اَٹاری	ہ	کوٹھا
آٹھائی گیرا	ہ	آنکھ بچا کرچرانے والا ۔ اچکّا
آجھَلنا	ہ	آنڈیلنا
اَچھوانی	ف	اجوائین اور سونٹھ کا وہ حریرہ جو زچّے کو دیا جاتا ھے
اَحدی	ف	سپاھی ۔ یہ سپاھی ھندوستان میں سرکش

فرھنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
		زمینداروں سے روپیہ وصول کرنے کیلئے بھیجے جاتے تھے جہاں جاتے بغیر وصول کئے وہاں سے نہ اٹھتے یہ چونکہ گھر بیٹھے کسی خاص وقت کیلئے تنخواھیں پاتے تھے اسلئے سست ہوگئے تھے مجازاً سست اور کاھل آدمی کو بھی کہتے ھیں
آخُور	ف	جُھوٹا ۔ گھوڑوں کی جھوٹی گھاس۔ بے مصرف چیزیں ۔
اَدِی اَنت	ہ	ھمیشہ سے
اَدقَچہ	غالباً ترکی	پلنگ یا چھپر کھٹ کی ایک چادر جو کہ بستر کے نیچے برائے آرائش بچھائی جاتی ہے ۔ اسکے حاشئے تقریباً آدھ آدھ گز کے ، نیچے لٹکے رہتے ھیں۔ ان حاشیوں پر کارچوبی یا کلابتو کا کام کیا ھوتا ہے
آدھَار	ہ	سہارا
اَدّھی	ہ	آدھی دمڑی ۔ ادّھی کا کپڑا ۔ ایک قسم کی نفیس ململ۔
آزُقہ	ع	
آذُوقہ	ع	قوتِ لا یموت۔ راتب ۔ کھانا۔
آرتی	ہ	آرتی اتارنا ۔ ھندؤں کے پوجا پاٹ کی ایک رسم
اُردَابیگنی	ف	وہ تُرک عورت جو مردانہ لباس میں شاھی محلات میں انتظامی کام کیا کرتی۔

الفاظ	ماخذ	معنی
اَرزَق	ع	نیلا۔
آرِیب	ہ	آڑا ۔ ترچھا۔
اِڑانا	ہ	جوتے کا ایڑی میں ڈالنا۔
آسَن	ہ	استھان ۔ نشست
اَصاغِر	ہ	صغیر کی جمع محاورے میں غریب لوگ ۔ (اکابرو اصاغر)
آعیان	ع	شُرفا۔
آفتابہ	ف	اونچی ٹونٹی کاوہ لوٹا جسپر سرپوش بھی ہوتا ہے۔
اَکال	ہ	قحط۔
اَگَت	ہ	گیان ۔ (گیان اور اگت سے دریافت کیا)
آلاق	ت	ایک قسم کی چھوٹی کشتی۔
الامر فوق الادب	ع	عربی ضرب المثل ۔ (مہمان) کا حکم رسومات سے بالا ہے۔
اَلبتّہ	ع	ضرور۔
اَلتمغا	ع	شاہی سند۔
اَلَڑ بَلَڑ	ہ	الر بلر ۔ بیکار باتیں۔
آلَش	ت	امیروں کا پس خوردہ۔
اَلَنگ	ہ	جانب ۔ طرف ۔ فصیل ۔ وہ دیوار جو محافظت کیلئے کھڑی کیجائے

الفاظ	ماخذ	معنی
اَلَول کَلَول	ہ	کھیل کود۔
اَنّ	ہ	اناج۔
آنا کانی دینا	ہ	اغماض سے کام لینا۔
اَن بوَل	ہ	گونگا۔
اَنچت	ہ	دفعتاً۔ انجانے
اِندرَاین	ہ	حنظل
اَنگا	—	دایہ۔ یہ لفظ غالباً ترکی ہے۔ ,,دربار اکبری،، میں انگا ملا لیکن انگا نہیں ملا۔ آردو لغات میں اسکا تلفظ انگّا لکھا ہوا ہے
اَنوٹھا	ہ	انوکھا۔
آوپچی	ت	مسلح سپاھی۔ پانچوں ھتھیار لگائے ہوئے سپاھی۔ پہریدار۔ سنتری
اَوسان	ہ	حواس۔
اَوسَر	ہ	موقعہ۔ راگوں کاوقت۔ کہاوت۔ اوسر چوکی ڈومنی گاوے تال بے تال۔ اوسر چوکنا۔ بے سُرا ہونا۔ یہ کہاوت ایسے موقع پر بولتے ہیں جبکہ کسی ناخوشگواری کا احساس ہوتا ہے۔
آونٹ چڑھے کتا کاٹے	کہاوت	ایسے موقع پر بولتے ہیں جبکہ بیٹھے بٹھائے کوئی مصیبت مول لے۔
اِیراد	ع	لانا۔ پیش کرنا۔

الفاظ	ماخذ	معنی
آئینہ بندی کرنا	—	شہر کو سجانا اور چراغاں کرنا۔
آینچنا	ہ	کھینچنا۔

(ب)

الفاظ	ماخذ	معنی
باد کش	ف	پنکھا۔
بادِیہ	ف	پیالہ ۔ جنگل ۔ صحرا۔
بارِیدار	ف	دربان ۔ چوکیدار ۔
بازدار	ف	وہ شکاری جو باز سے شکار کھیلتے ہیں ۔ شاہی ملازم جسکے ذمے باز کی تربیت ہوتی
باشا	ف	ایک قسم کا چھوٹا باز۔
بال باندھی کَوڑِی آڑانا یا مارنا	محاورہ	نشانہ آڑانا ۔ ٹھیک نشانہ مارنا (فرہنگ آصفیہ)
بالا پُوش	ف	پلنگ پوش۔
باؤ بتاس	ہ	آسیب ۔ سایہ۔
بَت کَہاؤ	ہ	فحوائے کلام۔ اندازِ گفتگو۔
باؤلی	ہ	وہ کنواں جسمیں اترنے کے لئے سیڑھیاں ہوں ۔

ہ

الفاظ	ماخذ	معنی
بَجھرا	ہ	ایک خاص قسم کا سرپوش یا ڈھکنا جس سے گھڑوں کو ڈھانکتے ہیں —
بَجرا	ہ	انگریزی میں (Budgerow) ہو گیا ہے ایک متوسط درجے کی گول اور خوشنما کشتی جس میں بیٹھ کر امیر لوگ دریا کی سیر کرتے ہیں
بِچَھلنا	ہ	پِھسلنا—
بَدا	ہ	مقرر—مقدر
بدَرَہ	ہ	تھیلی—
بر قنداز	ف	برق انداز ۔ توپچی—
بِسیکھ	ہ	مقدر ۔ (ان نینوں کا یہی بیسکھ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ)
بَکاول	ف	باورچی —
بَکاولی	ف	کھانا پکانے کا سامان ۔ ایک مخصوص قسم کا برتن—
بُن	ف	جڑ —
بَنات	ہ	بانات ۔ ایک قسم کا اُونی کپڑا—
بَندِش	ف	سازش ۔ ترکیب —
بَندوڑ (نون غنہ)	ہ	نہایت ذلیل اور کم رتبے کی کنیز —

الفاظ	ماخذ	معنی
بَندی خانہ	ف	قید خانہ —
بَندیوان	ف	قیدی —
بِوائی پھٹنا	ہ	سردی سے ہاتھ پیر کا پھٹنا ۔ (جسکی پھٹی نہ ہو بوائی ، کیا جانے پیر پرائی —)
بُورانی	ف	ایک قسم کا رایتا ۔ اس میں بیگن کے قتلے تل کر ڈالے جاتے ہیں —
بوزنہ	ف	بوزینہ ۔ بندر —
بُوزہ فروش	ف	مئے فروش —
بوند کی بوند	ہ	مقطّر —
بُھچَنپا	ہ	ایک قسم کی آتشبازی —
بَہری	ہ	مادۂ باز —
بِہری	ہ	چندہ —
بَھگَتیا	ہ	بھگت بنانے والا ۔ سوانگ بھرنے والا ۔ وہ لڑکا جو لڑکی کے لباس میں ناچتا ہے —
بَھگنا	ہ	بھائی —
بَہِلیا	ہ	شکاری —
بَھنور کلی	ہ	لوہے یا پیتل کا وہ حلقہ یا ترپھلا جسے

الفاظ	ماخذ	معنی
		جانوروں کو نظربد سے بچانے کے لئے پہناتے ہیں
بھُونڈ پیَری	ہ	سبز قدم
بھَوئی	ہ	کہار۔ حمّال
بِھیچَک	ہ	ھکّا بکّا
بِھیدُو	ہ	بھیدی
بَیتال	ہ	بھوت
بے چوبہ	ہ	وہ خیمہ جس میں ڈنڈے نہ لگے ہوں۔
بِیڑھنا	ہ	بھیڑنا
بِیل	ہ	ایک قسم کا پھل۔ کہاوت۔ بیل پھوٹا رائی رائی ہوگیا۔ پکا بیل پھوٹتے ہی رائی رائی ہوجاتا ھے ایسے موقع پر بولتے ھیں جبکہ نااتفاقی سے پھوٹ پڑجائے۔ (جامع اللغات) —
بِیورا	ہ	خبر۔ حال ۔ مثردہ۔ بھیدِ ۔ فرق ۔ تفاوت۔

(پ)

پاچھنا	ہ	نشتر لگانا

الفاظ	ماخذ	معنی
پاکَھر	ہ	گھوڑے کی زِرہ یہ برگستوان کی شکل کا ہوتا ہے (آئین اکبری)
پال	ہ	چھوٹا خیمہ
پَت	ہ	عزت ۔ لاج
پَٹیلوں	ہ	پٹیلا کی جمع ۔ ایک قسم کی کشتی چوڑے پیندے کی جسپر تختے بچھا کر بیل اور گاڑی کو پار لگاتے ہیں ۔
پِچھل پائی	ہ	چڑیل
پَر پَنچ	ہ	دھوکا دھڑی
پَرداز	ہ	آئینے کا چوکھٹا ۔ سجاوٹ
پَرتَل	ف	سوار کا سامان
پَرچھا	ہ	سفیدۂ صبح ۔ استعارتاً مجمعے کا چھٹنا
پَکھرَوٹا	ہ	چاندی یا سونے کا ورق
پَلاس	ہ	ایک قسم کا موٹا کپڑا ۔ ٹاٹ
پِلشِت	ف	فاحشہ عورت
پَلوار	ہ	ایک قسم کی کشتی جسپر سامان لادا جاتا ہے۔ پلواری ۔ ملّاح
پَلیت	ہ	بھوت

الفاظ	ماخذ	معنی
پَن بَھتّا	ہ	چاول کا ایک میٹھا پکوان جو سلسَلاَ ہوتا ہے۔
پِنڈت خانہ	ہ	بندی خانہ ۔ بندی خانہ کی بگڑی ہوئی صورت (جامع اللغات ۔ فرہنگ آصفیہ) ۔
پَنڈ ھلانا	ہ	پُھسلانا
پِنگُھولا (نونِ غنّہ)	ہ	جُھولا
پَن سوئی	ہ	ایک قسم کی چھوٹی کشتی ۔ ڈونگا ۔ ڈونگی یہ لفظ انگریزی (Pinnace) سے ملتا جلتا ہے
پَو پَھٹے	ہ	صبح کے وقت
پھانکڑا	ہ	مسٹنڈا ۔ مفت خور
پَھڑ	ہ	قمار خانہ ۔جہاں جوا کھیلا جائے
پُھساھندا پُھسَہنڈا پُھسانڈا	ہ	گندہ ۔ متعفّن ۔(نوراللغات، جامع اللغات، فرہنگ آصفیہ)
پُھونہار	ہ	پھوہار ۔ پھونہی
پِھپھڑی	ہ	پپَڑی ۔ منھ میں پھپھڑی بندھنا ۔ ہونٹھوں کا خشک ہونا ۔ پیاس، خشکی ، یا کمزوری سے
پِھینچنا	ہ	بھینچنا
پیکان	ف	تیر کا سِرا

الفاظ	ماخذ	معنی

(ت)

تاش	ہ	سونے کے تار سے بُنا ہوا کپڑا ۔ اطلس
تالیقہ	ع	فہرست
تَتّا	ہ	گرم (کس برتے (قوت) پر تَتّاً پانی ۔)
تَتری	ہ	فاحشہ عورت
تَحاشی	ع	خوفزدہ ۔ تحاشا ۔ خوف
تَصدیع	ع	تکلیف
تَقیّد	ع	تاکید ۔ حکم
تُکّش	ف	ترکش
تکینی	ہ	چھوٹا تکیہ ۔ (تکیہ، تکینی ۔ گل تکیہ)
تَل	ع	ٹیلا
تِلپھنا	ہ	تڑپنا
تمامی		ایک قسم کا ریشمی کپڑا
تَنکی	ف	جھلی ہوئی روٹی
تُورہ	ہ	وہ کشتی جسمیں سامان رکھکر کسی کی خدمت میں حاضر کرتے ھیں
تُور	ہ	وہ جالی جو گہوارے یا میانے پر ڈالی جاتی ہے

الفاظ	ماخذ	معنی
توڑا	ہ	ایک ہزار روپیہ کی تھیلی
پیکھنے کا کھیل	ہ	پتلیوں کا تماشا۔ پیکھنیا ۔ پتلیوں کا تماشا کرنے والا پیکھنا ۔ تماشا کرنا
تہ پوشی	—	عورتوں کا "انڈر ویر"
تھل بیڑا	ہ	مقصد براری کا ذریعہ ۔(تھل کے معنی میدان کے ھیں)۔ اس جگہ کو بھی کہتے ھیں جہاں کشتی لگائی جاتی ھے ۔ بندرگاہ
تیہا	ہ	غصہ

(ٹ)

الفاظ	ماخذ	معنی
ٹسک	ہ	ٹھسک
ٹنڈیاں کسنا	ہ	ھاتھ پیچھے لیجا کر باندھنا
ٹنگیانا	ہ	گھوڑے کو ایڑ دینا
ٹھاٹ	ہ	ڈھانچہ
ٹھٹھ	ہ	بھیڑ
ٹہل	ہ	روز گار
ٹھور	ہ	جگہ
ٹھیپ	ہ	وہ انگیٹھی جو ٹھکرے سے بنالیجاتی ھے

الفاظ	ماخذ	معنی
ٹِینٹ - ٹینٹی	ہ	کَرِیل کا پھل

(ث)

الفاظ	ماخذ	معنی
ثابِت خانی	ف	مَسلّح سپاھی - (جنہیں ثابت خاں نے بھرتی کیا تھا - جامع اللغات)
ثانی الحال	ع	بار دیگر

(ج)

الفاظ	ماخذ	معنی
جاجَم	ہ	وہ چھَپی ہوئی چادر جو دری پر بچھائی جاتی ہے
جام	ہ	پہر - اٹھوں جام
جامدانی	ف	کڑھا ہوا کپڑا
جُوھی ، جاھی	ہ	ایک قسم کی آتشبازی
جائی	ہ	بیٹی - جایا - بیٹا
جُرہ	ف	چھوٹا باز
جَس	ہ	شہرت
جوگا	ہ	مناسب - لایق - (تم اپنے جوگا کام کرو)
جُوگنی	ہ	قسمت جگانے والی دیوی

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
جَونرے بھَونرے	ہ	تہ خانہ
جھلا بور	ہ	جواہرات سے جھلملاتا ہوا لباس۔
جِھلَم	ہ	زنجیر کی وہ نقاب جو خود سے لٹکتی رہتی ہے۔ ٹوپ جھلم کا۔ وہ۔ ٹوپ جس میں جھلم لگا ہوا ہو
جَھمک	ہ	چمک

(چ)

الفاظ	ماخذ	معنی
چار قُب	ف	صدری۔ واسکٹ۔ (چارقُب موتیوں کی۔ موتیوں سے مزّین چارقب)
چار آئینہ	—	ایک قسم کی زرہ جسکے چار تختے مخمل وغیرہ سے مڑھکر سینے پیٹھ اور دونوں بازوؤں پر لگاتے تھے
چاؤ چوز	ہ	لاڈ پیار
چِبِلاّ	ہ	شریر
چَپکَن	ہ	ایک قسم کی قبا۔ سینہ کشادہ بالابر کا انگرکھا۔ آستین لٹکتی رہتی گریبان نہ ہوتا
چِت	ہ	دھیان۔ حافظہ

الفاظ	ماخذ	معنی
چَٹا بَٹّا	ہ	چھوٹے بچوں کا ایک کھلونا جس میں چسنی اور لٹّو پڑے ہوتے ہیں
چَٹلی - چَٹلا	ہ	وہ فیتہ یا دھاگا جس سے چوٹا پچھلی طرف باندھا جاتا ہے - مُباف (موباف)
چَرتّر	ہ	چلتر- اطوار- عورت کی چالاکی - چَھل —
چَرغ	ف	ایک قسم کا باز
چَڑھواں جوتا	ہ	اٹھی ایڑی کا جوتا —
چَقا چاق	ت	چاقو چلنے کی آواز —
چَکار	ہ	یہ چور کا تابع مہمل نہیں بلکہ چور کا مترادف ہے - چکار کے معنی چور کے ہیں - چنانچہ چوری چکاری بھی بولتے ہیں —
چَکمَک	ہ	چقماق
چِلّا	ہ	کمان کے تانت کا وہ حصہ جس سے تیر جوڑا جاتا ہے - چلّا کھینچنا - عمل تسخیر کرنا
چِملّ-چملا	ہ	بھیک مانگنے کا کاسہ
چَنگیر- چنگیری	ہ	ایک قسم کا گلدان- ایک گول سی تشتری جس میں پھول رکھتے تھے—
چُوبک	ف	چوب کا اسم تصغیر - ڈھول بجانے کی لکڑی—
چَوپڑ	ہ	چوسر - چوسر کی بساط —

الفاظ	ماخذ	معنی
چَوڈول	ہ	ڈولے کی ایک قسم ۔ غالباً چار کہاروں کے اٹھانے کی نسبت سے چوڈل کہتے ھیں ۔
چَوجُگیؔ	ہ	چاروں جُگوں کا ۔ بہت قدیم
چَوکی (خانہ)	ہ	وہ مکان محل کے اندر جہاں بادشاہ کے درباری اپنی اپنی حاضر باشی پر حاضر رھتے
چَوگھرا	ہ	ایک برتن جسمیں چارخانے بنے ھوتے تھے ۔ کھلوریاں، سپاریاں اور لونگ الائچی رکھنے کے لئے
چَوگوشہ	ف	کشتی سامان اٹھانے کی ۔
چُھول	ہ	سر چھول ۔ سر منڈا ھوا ۔ چُھولنا ۔ مونڈنا
چَھاپ	ہ	مُہر
چَھار	ہ	راکھ
چَھب تختی	ہ	گات اور جسم کا تناسب۔ چھب تختی سے درست ھونا ۔ ڈیل ڈول سے درست ھونا چھب کے معنی ناز و ادا کے بھی ھیں۔ تختی غالباً تقطیع کی ھندوی صورت ھے
چَھڑیاں	ہ	شاہ مدار کے عرس کا جلوس جسمیں جھنڈیاں لے کے لوگ اجمیر شریف جاتے تھے
چَھاگل	ہ	مشکیزہ

الفاظ	ماخذ	معنی
چَھپر کَھٹ	ہ	وہ مسہری جسپر پردا پڑا ہوا ہو
چُھچّھا	ہ	شوخ رنگ کا
چَھکڑ	ہ	ڈھول ۔ تھپڑ
چَھلاوا ہو جانا	ہ	اوجھل ہو جانا
چُھو چھو	ہ	پوتڑے دھونے والی دایہ

(ح)

حاجِب	ع	دربان
حاضری	—	کھانا
حاضرات کرنا	—	اَجناّ کو بلانا
حَباب	ف	(بلبلا) شیشہ شراب رکھنے کا جو حباب کی شکل کا ہوتا تھا ۔

(خ)

خاگینہ	ف	تلا ہوا انڈا ۔
خُرد خام کرنا	—	ایسا مارنا کہ بند بند ٹوٹ جائیں

الفاظ	ماخذ	معنی
خَریطہ	ع	تھیلی ۔ شاہی فرمان کی تھیلی ۔
خِلط	ع	سودا ، صفرا ، بلغم ، خون ۔ ان چاروں رطوبتوں میں سے ہرایک خلط کہلاتی ہے
خُورجی	ف	تھیلا
خُوزادی	ف	نیچرل ۔ جیسا فطرت سے پیدا ہو۔بغیر بناوسنگار کے
خُوگیر	ف	گھوڑے کی وہ گدی جو کاٹھی کے نیچے رکھی جاتی ہے۔ سامان لادنے کی زین ۔ اس میں الم غلم بھر دیا کرتے تھے۔
خُمیں	ف	جمع خم کی ۔ گھڑے ۔ مٹکے

(د)

الفاظ	ماخذ	معنی
دَھار مارنا	ہ	پیشاب کرنا ۔ دھارپرمارنا ۔ اظہار تحقیر ۔
داؤدی	—	**زرۂ داؤدی** وہ زرہ جو کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے منسوب کی جاتی ہے ۔ آپ اکل حلال کے لئے زرہ بنایا کرتے تھے ۔ اس کام میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ معجزہ دیا تھا کہ لوہا ان کی انگلیوں میں موم ہو جاتا تھا ۔ **گل داؤدی** ایک قسم کا پھول۔ **انار داؤدی** ۔ ایک قسم کی آتشبازی

الفاظ	ماخذ	معنی
دَردامن	—	موتیوں کی گوٹ یا جھالر
دِرم	ع	چاندی کا ایک سکہ چَونی کے برابر
دَرماھا	ف	مشاھرہ ـ ماھانہ
دِسا کرنا	ہ	سفر کرنا ـ دسا بمنعی طرف
دَستکی	ف	وہ نوٹ بک جسے ساتھ رکھا جائے
دَستگیر کرنا		گرفتار کرنا ـ ھندی محاورہ ـ
دِل چَلانا	ہ	ھمت کرنا ـ (دل چلا کر کہا ـ)
دَلدا پیشگیر	ف	وہ چھوٹا سا نمگیرا جو پلنگ یا چھپر کھٹ کے سامنے لگایا جاتا تھا ـ
دَلمِیاں	ہ	بٹوا ـ تھیلی ـ یہ لفظ غالباً دلمہ سے بنا ھے ـ جب بیگن یا کریلے کو اندر سے خالی کر کے اس میں قیمہ وغیرہ بھرتے ھیں تو اسے دَلمہ کہتے ھیں ـ دَلمہ ترکی لفظ ھے
دَمڑی	ہ	پیسے میں چار ھوتی تھی
دِنی	ہ	بہت دنوں کا
دَند	ہ	شور و غل
دُوجی	ہ	حاملہ
دَوسار	ہ	آرپار

الفاظ	ماخذ	معنی
دَھاپ	ہ	وہ فاصلہ جہاں تک آدمی ایک سانس میں دوڑ سکے
دِھرا	ہ	مندر
دِھراھَر	ہ	خلوتِ خاص
دِھیز	ہ	جہیز ۔ دان دھیز
دیدارو	ہ	قبول صورت ۔ رو قابل دیدار
دیوارگیری	ف	وہ کپڑا جو دیواروں میں خوبصورتی کے لئے لگایا جاتا ھے ۔
دیوار گیر		وہ لیمپ جو دیوار میں لگایا جائے
دین لین		مجوا

(ڈ)

ڈُریانا	ہ	لگام پکڑ کر جانوروں کو ٹہلانا
ڈِگنا	ہ	ڈگمگانا
ڈَنڈا	ہ	مجازاً لٹھ بند ملازم ۔(کوتوال کے ڈنڈے)
ڈُھکنا	ہ	گھسنا

الفاظ	ماخذ	معنی
ڈَھلیت	ہ	فوجی جو ڈھال تلوار سے مسلّح ہو۔ چوکیدار۔ پولیس کا سپاھی۔

(ر)

راؤرا	ہ	ضمیر مخاطب ۔ هندی میں آپ کا مترادف ھے
راہ دار	ف	شہر کی چوکی پر چنگی لینے والا
رَدّو بدل	ع	بحث و مباحثہ
رَطل	ع	وزن بارہ آؤنس کے برابر
رُطوبات	ع	ترکاری
رُمق	ع	دم واپسیں
رُوواس	ہ	رونے کا میلان
رُوبکار هونا	ع	واقع هونا
رُوپا	ف	چاندی
رُوکڑ	ہ	نقد روپیہ
رَوَنّا	ہ	ڈیوڑھی کا وہ ملازم جو کہ عورتوں کا کام کاج کیا کرتا ھے

الفاظ	ماخذ	معنی
رُوہٹ	ہ	چہرے کی رونق
رِیندھنا	ہ	پکانا
رِیوڑی کا پھیر	ہ	ریوڑی کھانے کا ایک کھیل ۔ ایک عدد مقرر کرکے اسے ضرب دیتے چلے جاتے تھے ۔ اسطرح آدمی ریوڑی کھاتے کھاتے اکتا جایا کرتا اس سے ریوڑی کے پھیر میں آنا محاورہ بنا ۔ مراد زیادہ تعداد سے ہے

(ز)

الفاظ	ماخذ	معنی
زار بزار	ف	زار و زار
زَرگر	ف	سُنار
زَغَند	ع	جَست ۔ چوکڑی
زَنبور		چمٹا
زِہ	ف	(۱) دردِ زہ ۔ (۲) کمان کی زہ ۔ تانت
زِیر انداز	ف	وہ غالیچہ جو ہاتھ منھ دھونے کے وقت رؤسا کے سامنے بچھایا جاتا اور آفتابہ، سلفچی رکھا جاتا
زیرباد	۔	مُلک برما

الفاظ	ماخذ	معنی
		(س)
ساقِ عَروس	—	ایک قسم کی میٹھی روٹی
سامی	ع	اعلا
سُبھ	ہ	سعد
ستوہ	ف	تکلیف
سُدھ بُدھ	ہ	ہوش اور عقل
سَرَاندیپ	ہ	مُلک لنکَا
سَرا پردہ	ف	پردہ ۔ خیمہ
سَراچہ	ف	خیمہ
سَر براہ	ف	منتظم
سَر پیچ	ف	پگڑی کے اوپر ایک چھوٹا ٹکڑا ۔ پگڑی کا ایک زیور ۔ سر پیچ کی طرح گوش پیچ بھی ہوا کرتا تھا
سُرت	ہ	ہوش
سَردوَال	ف	چمڑے کی وہ پٹی جسے گھوڑے کے منھ پر چڑھاتے ھیں ۔ لگام اسی سے اٹکی رھتی ھے
سَر زمین	ف	سرحد ۔ سلطنت

الفاظ	ماخذ	معنی
سَرواہ	ہ	سرواھا ۔ پگڑی ۔ سر سے سرواہ ۔ سر سے سرداری
سِرے پاؤ	ہ	سروپا ۔ خلعت
سَر غلاف		خنجر ۔ پیش قبض ۔
سَکھپال	ہ	ایک قسم کی پالکی
سِکھ	ہ	(بالکسر) مانگ ۔ (نَکھ (ناخن) سِکھ سے درست ھونا) اردو میں عام طور سے نک سک بو لتے ھیں
سَلاح	ع	اسلحہ
سِلَفچی ۔ سلپچی	ف	وہ برتن جس میں ھاتھ دھویا جاتا ھے
سَلَونا	ہ	نمکین
سَہائی	ہ	برداشت
سَہائی	ہ	مددگار
سِنجاف	ف	فارسی ۔ (سجاف) گوٹ ۔ ایک کم عرض کا کپڑا جسکی گوٹ بناتے ھیں
سوفار	ف	تیر کا سِرا ۔ پیکان
سَموچا	ہ	سالم ، پورا
سَہج	ہ	آسان
سِیتل پاٹی	ہ	چٹائی
سِیانا	ہ	جھاڑ پھونک کرنے والا

الفاظ	ماخذ	معنی
سِیس	ہ	سَر
سَیلی	ہ	وہ دھاگہ جو فقرا گلے میں پہنتے ہیں —
سِیوڑا	ہ	جَینی فقیر۔ جو کپڑا منھ پر اَہنسا کی خاطر لٹکائے رکھتا ہے —

(ش)

الفاظ	ماخذ	معنی
شاطر	ع	خبر لانے والا ۔ جاسوس ۔ مجازاً ۔ چالاک
شال بافی	—	سرخ ریشمی کپڑا
شَبنم	—	باریک قسم کا ململ
شَتاّ	ع	شطّاح ۔ بیسوا۔
شَتَر	ہ	دشمن ۔ مِتر شُتر (دوست دشمن)
شَطرنجی	ع	ایک قسم کی دری جسپر خانے بنے رہتے ہیں
شَقّـہ	ع	حُکم نامہ ۔ خط
شَلاق	ع	چھڑی سے مارنا ۔ ضربِ شلاق لگانا
شَلَک	ہ	توپوں یا بندوقوں کی باڑ۔
شہر یاری	ف	حکومت ۔ شہریار ۔ بادشاہ

الفاظ	ماخذ	معنی
		(ص)
صَندلی	ع	کرسی-چوکی-ایک خاص قسم کی اونچی تپائی جو مخروطی شکل کی ھوتی ھے
صُبح خیزا	ف	صبح خیزیا - وہ اچکاّ جو لوگوں کے اٹھنے سے پہلے علی الصباح چھوٹی موٹی چیز اٹھا لجائے
صافی نامہ	ف	خلاصی نامہ - فارغ خطی
		(ط)
طباشیر-تباشیر	ع	بنسلوچن - ایک میٹھی دوا جو بانس سے برآمد کی جاتی ھے
طویلہ	ع	گھوڑے کی پچھاڑی - مجازاً اصطبل
		(ع)
عاَلمیان	ع	عالم کے لوگ
عِشق مُشک		محبت کی ملاقاتیں
عصَا بردار	ف	وہ شاھی محافظ جو ھاتھ میں عصا لیکر دربار میں حاضر رھتا تھا - چوبدار

الفاظ	ماخذ	معنی
عُمدہ	ع	رئیسِ معتبر
عُود سوز	ف	وہ برتن جسمیں عود جلایا جائے

(غ)

الفاظ	ماخذ	معنی
غَٹ	ہ	ہجوم ۔ جتّھا ۔ غول ۔
غُراب	ع	ایک قسم کا جہاز ۔
غَیبانی	ع	فاحشہ عورت

(ف)

الفاظ	ماخذ	معنی
فانوسِ خیال	ف	وہ فانوس جسکے اندر ہاتھی گھوڑے وغیرہ کا چکر بنا کر لگا دیتے ہیں اوروہ ہوا یا چراغ کے دھوئیں سے گردش کر کے بچوں کو بادشاہ کی سواری کا لطف دکھاتا ہے ۔ (فرہنگ آصفیہ)
فُندَق	ف	سرخ رنگ کا ایک چھوٹا سا پھل

(ق)

الفاظ	ماخذ	معنی
قَبچاق		ایک ریگستان کا نام

الفاظ	ماخذ	معنی
قَراول	ع	اسکے کئی معنی ہیں۔ قراول دستہ ۔ وہ دستہ جو آگے چلتا ھے ۔ قراول پادشاھی ۔ بادشاہ کی محافظت کا دستہ ۔ قراول ۔ بندوق کا شکاری جسے اردو میں قرول کہتے ہیں ۔ قراول شکار کھلانے والے کو بھی کہتے ہیں — بہلیا
قُربان	ع	ترکش کا وہ تسمہ جس میں کمان کے رکھنے کا خانہ بنا ھوتا ھے
قلب مکان	—	مضبوط قلعہ ۔ ناقابل تسخیر قلعہ (ڈنکن) قلب ۔ ھرات کے قلعے کا ایک برّج۔ (جامع اللغات)
قِلماقنی	ت	قلمان ۔ ترکوں کی ایک قوم ۔ اس قوم کی عورت ۔ وہ عورت جو سپاھیوں کیطرح مسلح شاھی محلات میں چوکی پہرے کا کام کرتی تھی ۔ یہ برھنہ تلوار لئے کھڑی رھتی —
قُورچی	ت	ھتھیار بند سپاھی

(ک)

کاجا	ہ	کاج ۔ کارو بار ۔ کام کاج
کال	ہ	وقت ۔ موت ۔ قسمت

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
کامنی	ہ	خوبصورت
کاہلہ	ع	بیمار
کچکول	ف	کشکول ۔ بھیک مانگنے کا کاسہ
کرچھال	ہ	چوکڑی
کریال	ہ	آرام ۔ پرندے کا بے فکری میں اپنے پروں کو چونچ سے سنوارانا ۔ کریال میں غلیلا لگنا ۔ آرام میں خلل پڑنا
کستورا	ہ	سیپ ۔ مشک نافہ۔ وہ ہرن جسکے ناف سے مشک نافہ نکلتا ہے ۔
کفِ دست	ہ	ہموار
کلال	ہ	کمہار
کلاونت	ہ	پیشہ ور گانے والا ۔ گویا
کلجھواں	ہ	سیاہ پڑ جانا
کنچنی	ہ	ناچنے والی
کندلا	ہ	خیمہ
کنشت	ہ	کلیسا ۔ مندر
کنولا	ہ	ایک قسم کی نارنگی
کوت	ہ	تخمینہ

الفاظ	ماخذ	معنی
کُوٹ	ہ	کوٹ باندھ کر بیٹھنا - پلتھی مار کر بیٹھنا کوٹ - حلقہ - قلعہ -
کَوڑ	ہ	بے وقوف
کُوکا	ہ	دودھ شریک بھائی -
کُوکُوپلاؤ	ہ	وہ پلاؤ جس میں کباب یا انڈے ڈالے جاتے ھیں
کُہاسا	ہ	کہر
کَھپرا	ہ	چوڑے پھل کا تیر-
کُھترا	ہ	گوشہ- کونا کُھترا -میرامن کے یہاں کونا کٹھرا ھے - (کٹھرا - لکڑی کا بڑا اور چوڑا ظرف - چھوٹا بازار - محلہ -)
کَھڑوا	ہ	بچوں کے ھاتھ پاؤں کا زیور
کِھلوری	ہ	سونف اور گری وغیرہ جسے کھانا کھانے کے بعد دانت صاف کرنے کے لئے کھاتے ھیں-
کَھنڈی	ہ	ایک جنگل کا نام - بن کھنڈی
کھیسا	ہ	کیسہ
کِھیلنا	ہ	ایک قسم کی کشتی (ڈنکن فاربس) -یہ لفظ اردو کی کسی لغت میں نہیں ملا
کِھیل	ہ	خشک دانہ

الفاظ	ماخذ	معنی
کیتکی	ہ	ایک خشبو دار پودا ۔ جسکا پھول انڈے کی شکل کا ہوتا ہے اور درخت کیوڑے کے درخت سے مشابہ ہوتا ہے اسکا رنگ سفید زردی مائل ہوتا ہے
کیفی		دیوانہ ۔ مدھوش
کَول یا کولی	ہ	بغل ۔ دونوں ہاتھوں سے بغل میں لینا۔

(گ)

الفاظ	ماخذ	معنی
گاؤ دیدہ		ایک قسم کی روٹی جو شکل میں گائے کی آنکھ کے مانند ہوتی تھی (فرہنگ آصفیہ)
گاؤ زبان	ف	ایک قسم کا پراٹھا جسے تنور میں پکایا جاتا ہے
گُبت	ہ	پوشیدہ
گجموتی	ہ	عمدہ قسم کا موتی ۔ بڑے بڑے موتی
گُزری	ف	وہ بازار جو شام کو رھگزر پر لگایا جاتا تھا
گِردا	ف	گول تنوری روٹی
گُرگا	ہ	ادنا غلام ۔ شاگرد پیشہ ۔ شریر ۔ شیطان
گُزربان	ف	شہر سے باھر جانے والے راستوں کے پہریدار

الفاظ	ماخذ	معنی
گُزربردار	ف	یہ لفظ اردو یا فارسی کی کسی بھی لغت میں نہیں ملا ۔ ممکن ہے کہ یہ گُرزبردار ہو صرف ڈنکن نے اسکے معنی لکھے ہیں وہ اسے ایک قسم کا ملازم بتاتے ہیں ۔
گُلابی	ف	شیشہ ۔ صراحی
گُل گلاب	ف	ایک قسم کی شراب
گُلبدن	ف	ایک قسم کا ریشمی کپڑا ۔ نازک بدن
گَمت	ہ	ساتھ ۔ سنگھ
گَنجیا	ہ	گاڑی بان
گُولی	ہ	مٹکا ۔ یہ زرا لمبوترا ہوتا ہے
گَوْن	ہ	بوری ۔ کہاوت ۔ بیل نہ کودا کودے گوْن یہ تماشا دیکھے کون ۔ اس موقع پر بولتے ہیں جبکہ کوئی شخص خلاف توقع کوئی کام کرتا ہے ۔ یا دخل در معقولات کرتا ہے ۔ یا الٹی شکایت کرتا ہے ۔
گَھالنا	ہ	تباہ و برباد کرنا ۔
گَھمَنڈ آنا	ہ	گِھر آنا بادل کا
گَھاگَھم	ہ	چَہل پہَل ۔ (گھا گھمی اور گھما گھمی دونوں صحیح ہیں)

الفاظ	ماخذ	معنی
گھموری	ہ	تیز دھوپ

(ل)

لَپ	ہ	انجلی بھر
لَٹک	ہ	ناز و ادا
لَخلخا		چند خوشبو داز چیزوں کا مجموعہ (عنبر مشک عود وغیرہ) جسے مریض کو سنگھاتے ہیں اس ظرف کو بھی کہتے ہیں جس میں یہ خوشبو جلائی جائے۔
لَڑھنا		لڑھکنا
لَنبوت	ہ	ایک قسم کی لمبی کشتی ۔ غالباً (Long Boat) کی بگڑی ہوئی صورت ہے
لَچکا	ہ	سیر و تفریح کی کشتی
لَوبھ	ہ	حرص
لَوز	ع	بادام ۔ لوزیات ۔ بادام کا حلوہ
لَنگری	ہ	تغاری ۔ لگن
لَہر	ہ	لہریا ۔ گوٹے اور لچکے وغیرہ کی وہ لہردار ٹنکائی جو دوپٹے پر کیجاتی ہے

الفاظ	ماخذ	معنی
		(م)
مامی پینا	ہ	حمایت کرنا
مِٹی ڈالنا	ہ	چھپانا
محلّی	ف	خواجہ سرا
محصِّل	ع	تحصیل وصول کرنے والا۔ لگان وصول کرنے والا
محمودی	ع	ایک قسم کا ململ
مخطوب	ع	منگیتر۔ منسوب
مُرچھانا	ہ	غش ہونا
مِرگ چھالا	ہ	ہرن کی کھال۔ مرگ کے معنی ہرن کے ہیں
مَسہری	ع	مچھر دانی
مَشقاب	ع	وہ چھچھلا قاب جسمیں پلاؤ رکھکر لایاجاتا ہے
مَشرِف	ع	میرمنشی ۔ محرّرِمال ۔ نگراں اسکے فرائض میں جانوروں کا شمار ، خرچ کی نگہداشت اخراج کی برآورد تیار کرنا ۔ یہ افسر امرا کے گروہ سے منتخب ہوتا (آئین اکبری)
مُعَلِّم	ع	جہاز رانی کا معلم - (Pilot)
مغرّق	ع	سونے یا چاندی کا کام کیا ہوا

الفاظ	ماخذ	معنی
مُقیّش	ت	سونے یا چاندی کے تار ۔ اسکا تلفظ مُقیش بھی ہے۔ ترکی میں مقیس ہے۔
مُل	ف	شراب
مَلاگیر	ہ	ملاگر پہاڑ کا صندل ۔ صندل کی ایک قسم ملا گیری رنگ۔ صندلی رنگ۔ سفیدمائل بہ سرخ
مَلین	ہ	غمگین
مَملوک	ع	زر خرید غلام
مِندیل	ع	سر کا رومال یا پگڑی
مَنڈَل	ہ	حلقہ
مَنڈھپ	ہ	مندر
مَنگَل کوٹی		ایک قسم کا قالین جو منگل کوٹ سے بنکر آتا تھا۔
مُور پنکھی	ہ	ایک قسم کی کشتی جسکے سامنے مور کی شکل بنی ہوتی ہے
مَوئی	ہ	وہ فقیر جو چپ سادھے ہو
مَہَت	ہ	مان مہت ۔ عزت و احترام
مَہتابی	ہ	ایک قسم کی آتشبازی ۔(چھایا ہوا وہ چبوترہ جہاں چاندنی کے نظارہ کیلئے بیٹھا جائے)

الفاظ	ماخذ	معنی
مُہورَت	ہ	سعد گھڑی
مِیانجی	ف	درمیانی آدمی۔ مفاہمت یامعاملہ کرانےوالاآدمی
مِیانہ	ف	ایک قسم کی زنانی سواری جو ڈھکی رہتی ہے ۔ مُحافہ ۔ ڈولا
مِتیا	ہ	پیالا ۔ کاسہ
مَیمُون		بندر
میوڑا		میؤ قوم کا ۔ وہ ملازم جو کہ میواتی ہوتا تھا اسے حقارت سے میوڑا کہتے تھے

(ن)

نافَرمانی	ف	نافرمان پھول کے رنگ کا ۔ اودے رنگ کا
نامچہ	ف	چھوٹی بیاض ۔ روز نامچہ ۔ ڈائری
نِپَٹ		بہت ۔ خوب
نٹ کَھٹ	ہ	چھل ۔ شوخی ۔ ہٹ دھرمی
نِجھانا	ہ	غور کرنا (نجھا کر دیکھنا)
نِدان		آخرکار
نَسقَچی	ت	شاہی محافظ

الفاظ	ماخذ	معنی
نَعلبندی	ف	خراج
نکھ	ہ	ناض ۔ (نَکھ سِکھ سے درست)
نِکھٹّو	ہ	وہ شخص جو کچھ نہ کمائے ۔ ناکارا ۔ نکّما ۔
نمَش		یہ دودھ کے جھاگ سے بنائی جاتی ہے۔ اسکا ایک نام دلی میں دولت کی چاٹ بھی ہے
نِواڑا	ہ	ایک قسم کی کشتی جسے رؤسا سیر و تفریح کیلئے استعمال کرتے ہیں
نُورباف	ف	ایک قسم کا عمدہ کپڑا
نَول	ہ	کرایہ
نِیمہ	ف	ایک قسم کا چھوٹا لباس ۔ جسے کرتے کے نیچے پہنتے تھے ۔ نیمہ آستین ۔ آدھی آستین کی جیکٹ کو کہتے ہیں اسے انگرکھے کے اوپر پہنتے تھے
نِیھ	ہ	محبت

(و)

واتیں	ہ	اسکے ساتھ

الفاظ	ماخذ	معنی
وَرق الخیال		حشیش ۔ بھنگ
وینچھنا	ہ	کھال آدھڑوانا

(ہ)

ہَرج مَرج	ہ	پریشانی
ہُرنا	ہ	زین کا وہ پچھلا حصہ جو اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ کاٹھی۔
ہَریسا	ہ	گیہوں کو ابال کر کوٹ کر جو کھچڑا پکایا جاتا ہے۔ اس میں گوشت سالم رہتا ہے۔ حلیم میں گلا دیا جاتا ہے۔ اس میں گوشت گیہوں اور دال کے مقدار سے دگنا چھوڑا جاتا ۔ (آئین اکبری)
ہَزاری بَزاری	ف	خاص و عام
ہِمیانی	ف	روپیئے کی وہ تھیلی جسے کمر میں باندھتے تھے
ہُنکارنا	ہ	آواز سے بھگانا۔ سنکارنا۔ ہنکارا بھرنا۔ ھامی بھرنا ہوں ھاں کہنا
ہِواؤ	ہ	ہمت

الفاظ	ماخذ	معنی
(ی)		
یساول	ف	یساور ۔ گھڑ سوار محافظ
یتیم	ع	نوکر ۔ غلام ۔ یتیم بے کس

اختتامیہ

ان چند سطروں کی زحمت میں آپ کو ان چند ضروری باتوں کے لئے دے رہا ہوں جو مقدمے میں کہنے سے رہ گئی ہیں -

اس کتاب میں بجز ایک لفظ ,, قفس،، کے کہ وہ عربی زبان کے مطابق ,,ص،، سے لکھا ہوا تھا اور ہم نے ,,س،، سے بدل دیا ہے املا کے معاملے میں ہر جگہ پیروی اصل کتاب ہی کی کی گئی ہے - مثلاً ادنا، اعلا، معلاّ- آپ کو دونوں طرح سے لکھا ہوا ملے گا ایک تو مذکورہ صورت میں جو اردو زبان کے قواعد کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اور دوسرے ,, ادنیٰ، اعلیٰ، معلّیٰ،، کی صورت میں جو زیادہ رائج ہے - اسی طرح آپ ,تپش، کو کہیں ,ط، سے تو کہیں ,ت، سے لکھا ہوا پائیں گے - میرے خیال میں ,ت، ہی سے لکھنا صحیح ہے کیونکہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور متقدمین میں سے بھی اکثر لوگ ,ت، سے لکھتے رہے ہیں - اسکے علاوہ بہت سے الفاظ آپ کو اس طرح لکھے ہوئے ملینگے جیسے اس زمانے میں وہ لوگ بولتے تھے- مثلاً پانچسو کو پان سے، ماں کو ما، کنویں کو، کوئے، مذاق کو مزاخ (اگر یہ لفظ واقعی مذاق سے بنا ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مزاح سے مزاخ ہو گیا ہے)- اور جمعرات کو جمیرات - ہاں ایک لفظ کا املا محل نظر یقیناً ہے - ہامی بھرنا عام طور سے ہائے حطی سے لکھا جاتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہندی لفظ ہے، لیکن ہم نے اسے اسی طرح رہنے دیا ہے-

اس کتاب میں آپکو صرف دو الفاظ ایسے ملیں گے، جو اصل کتاب کی پیروی محض میں نقل کئے گئے ھیں ورنہ ان کی صحت کے بارے میں سخت اشتباہ ہے - ایک ,, گذر بردار،، کہ ڈنکن نے اسے نہ صرف اپنے دوسرے اور چوتھے ایڈیشنوں میں برقرار رکھا ہے بلکہ دونوں ایڈیشنوں کی فرہنگ میں اس کے معنی بھی دے رکھے ھیں (تفصیل کےلئے اس کتاب کی فرہنگ ملاحظہ کیجئے) - یہ لفظ بہت سے نسخوں میں ,, گرز برداز،، لکھا ھوا ہے کہ وھی صحیح معلوم ھوتا ہے انھیں میں سے ایک نسخہ لفٹیننٹ کرنل رینکنگ کا تالیف کیا ھوا ہے جو فورٹ ولیم کالج کے بورڈ آف اکزامینرس کے سکریٹری تھے - ان کے تالیف کئے ھوئے نسخے کے تیسرے ایڈیشن میں جو اتفاقاً موجود ہے 'گرز بردار، ھی لکھا ھوا ہے - دوسرا لفظ کونا ,, کٹھرا،، ہے - میرے خیال میں یہ بھی درست نہیں ہے لیکن چونکہ ڈنکن نے اسے بھی اپنے دوسرے اور چوتھے ایڈیشنوں میں برقرار رکھا ہے اس لئے اس کو بھی ویسا ھی رھنے دیا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کونا کُھترا یا کُترا یا کُتھرا ہے کہ کُھترا یا کترا یا کُتھرا کونے کا مترادف ہے اور مترادفات ھی کے ساتھ اس طرح کے روز مرہ بنتے رھے ھیں - اور اسی طرح لوگوں کو بولتے سنا ہے چنانچہ رینکنگ کے تالیف کئے ھوئے نسخے میں اسے کونا کترا ھی لکھا گیا ہے - اسکے علاوہ بہت سے ھندوستانی ایڈیشنوں میں بھی یا توکھترا ہے یا پھر کتھرا ہے - ایک جگہ میر امن کا ایک مصرعہ غیر موزوں ہے ع ,,اور لخت جگر کے ھیں، سب برگ و بار—،، چونکہ یہ مصرعہ تمام نسخوں میں یکساں طور پر اسی طرح لکھا ھوا ہے اس نے اسے بھی اسیطرح رھنے دیا گیا ہے—

اب مزید اس کتاب کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاھتا، لیکن اس موقع سے فایدہ اٹھاتے ھوئے مجھے چند احباب اور بزرگوں کا شکریہ ضرور

ادا کرنا ہے - سب سے پہلے تو جمیل الدین عالی صاحب کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے ڈنکن فاربس کا دوسرا ایڈیشن بغرض اشاعت اردو ٹرسٹ کو ودیعت کیا، یہ نسخہ فورٹ ولیم کالج کلکتے کے پہلے مطبوعہ نسخے سے کیوں زیادہ احسن ہے اسکے وجوہ دیباچے میں بتلائے جا چکے ہیں۔ یہاں اس کا اظہار کر دینا کچھ غیر مناسب نہ ہوگا کہ ادھر حال ہی میں ،، نیا ادارہ،، والوں نے لاہور سے ڈنکن فاربس کے تالیف کئے ہوئے چوتھے ایڈیشن کی نقل شایع کی ہے، اور جا بجا میر امن کی زبان کی اصلاح بھی کر دی ہے، مثلاً اسکے مولف نے ،، دیدارو،، کو غلط بتلاتے ہوئے ،، دیدہ رو،، کر دیا ہے اے سبحان اللہ، ،، دیدہ رو،، کی کیا ترکیب ہے - خیر اس سے ہمیں کیا بحث - ہم نے تو اس ایڈیشن کو صرف اس لئے نہیں لیا کہ وہ Expurgated ہے - یعنی اس میں سے بعض جگہ کی عبارتیں خارج کر دی گئی ہیں -

عالی جی کے شکریہ کے بعد کہ وہ اپنے کو دوھوں میں یونہی مخاطب کرتے ہیں شاھد احمد صاحب دھلوی کا شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری ہے۔ نہ صرف اس خیال سے کہ انہوں نے اس کتاب کا پروف دوبار پڑھا ہے بلکہ اس لئے کہ انہوں نے بہت سے الفاظ کی تحقیق کے سلسلے میں بعض بڑے مفید مشورے بھی دئے ہیں - پھر جس مستعدی اور انہماک کے ساتھ وہ کام کرتے ہیں اس سے ان کے کام کی عزت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ رہ گئیں چھاپے خانے کی غلطیاں جنکا اندراج غلطنامے میں ہے، انہیں تو بہر حال ہونا ہی چاہئے تھا - کیونکہ یہ وہ زمانہ تو ہے نہیں جبکہ عالم فاضل لوگ کتابت کا کام شوقیہ کیا کرتے تھے اور مصنفین کی غلطیاں بھی درست کر دیا کرتے تھے، اس کتاب کا پروف چار بار پڑھا گیا پھر بھی غلطیاں رہ گئیں - اس کا سبب یہ ہے کہ پروف پڑھنا نظر کی ایک مخصوص

تربیت کا کام ہے خیر میں تو اس سے نابلد ہوں ہی، لیکن شاھد احمد صاحب بھی اتنے پختہ کار نہیں کہ ان کی نظر سہو نہ کر جائے۔ پھر اسکی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ کہ پروف میں درست کیا گیا ھے وہ صحیح چھپے گا بھی۔ اگر کوئی حرف ٹوٹ گیا، کوئی نقطہ اڑ گیا، یا پھر کوئی نقطہ کہیں سے اڑ کر کسی دوسرے حرف پر آن بیٹھا تو پروف والا بھلا کہاںتک انہیں ہنکاتا پھرے گا۔ آخر میں میں اپنے بزرگ مولوی عبدالحق صاحب اور اردو کالج کے مہتمم کتب خانہ مولوی رشید صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاھتا ھوں جنکے کتب خانوں سے میں مستفیض ھوا ھوں۔

ممتاز حسین

غلطنامہ

مقدمۂ مولف

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
ماخذ	مأخذ	۱۳	سرخی
اہیمت	اہمّیت	۳۰	سُرخی
آی	آتی	۳۱	۱۳
مقفے	مُقفّٰے	۳۱	۲۲
حتی	حتّٰی	۴۱	۶
خوجہ	خواجہ	۴۲	۹
اجنا	آجِنّا	۴۷	۸
کرے	کرتے	۵۱	۱۴
متبنی	مُتَبنّٰی	۵۲	۲۱
اروئے	آردوئے	۵۶	۲
رُحب	رجب	۵۶	۱۰
ٹھینٹھ	ٹھیٹھ	۵۷	۵
ٹھینٹھ	ٹھیٹھ	۵۷	۱۵

غلط نامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
مرکب	مرّکب	٦٠	٣
مقفی	مُقَفّٰی	٦٠	٢٠
جھاڑتا	جھاڑتے	٦٥	٣
بھگاتا	بھگاتے	٦٥	٣
ہوا	ہُوئے	٦٥	٣
پاس باغ	پائیں باغ	٦٨	٩

اصل کتاب

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
مہہ	مہ	٢	١
بھی	یہی	٩	١٩
ناقص	ناقص	١١	٢٠
گذراں	گذران	١٣	١٨
ب	اب	١٥	٢٠
میرے	مِرے	١٩	٦
کھوے	کھولے	٣٢	٢٢
کہہ	کہ	٣٦	١٠
ہ	میں	٤٠	١
لاویں	لاوے	٤٨	١٣
تحفہ علت	تحفۂ علت	٥٥	١٣

غلط نامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
کوے	کوّے	۵۵	۲۱
بلّی	بلّی	۵۶	۹
تلے	تلے	۵۶	۱۵
		۶۴	۲۰
دل پر اضطرار	دل پُر اضطرار	۶۵	۱۰
پن بھتا	پن بھتّا	۷۶	۱۰
کیجیو	کیجو	۷۸	۱۱
مرصع	مرَصّع	۸۷	۱۲
حلبی	حَلَبی	۸۸	۵
تیمم	تیمّم	۹۰	۱۲
ظل	ظِلّ	۹۳	۱۰
مشابہہ	مشابہہ	۹۴	۳
مرصع	مرصّع	۹۴	۲۰
مرصع	مرصّع	۹۵	۱
اپ	اب	۹۹	۱
ور	اور	۱۰۱	۱
گننبد	گنّبد	۱۰۲	۱۲
مرصع	مرصّع	۱۰۲	۱۹

غلط نامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
معلق	مُعَلّق	۱۰۲	۲۰
ھ	ھر	۱۰۶	۳
کلی	کَلّی	۱۰۶	۲۰
بڑاؤ	جڑاؤ	۱۰۷	۴
مقطع	مُقَطّع	۱۰۷	۱۰
چلا	چلّا	۱۰۷	۱۱
چلے	چَلّے	۱۰۹	۲۱
ٹھسے	ٹھَسّے	۱۱۰	۲۳
چلے	چِلّے	۱۱۱	۴
جاوئے گا	جاویگا	۱۱۹	۱۴
شبیہہ	شبیہ	۱۲۳	۶
اشراف المخلوقات	اشرف المخلوقات	۱۲۶	۲
مجوز	مُجَوّز	۱۲۶	۲۲
کھاے	کھانے	۱۲۷	۱
ھی	بھی	۱۲۹	۲
جوگنی	جُوگنی	۱۲۹	۱۵
فرمے	فرمانے	۱۳۰	۱۸

غلط نامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
چاہئے	چاہئیے	۱۳۸	۱۲
سلیماں	سلیمان	۱۴۶	۲۱
بی بی	بی بی	۱۵۳	۱۲
برداروں	برادروں	۱۵۶	۷
ساتھ	ھاتھ	۱۶۴	۹
ناندی	باندی	۱۶۶	۱۰
اس کے	اس کی	۱۷۷	۱۵
یہ	یے	۱۷۹	۱۷
کہ	کَہ	۲۰۷	۹
گلاتی	گلابی	۲۱۰	۱۸
رکھکر	رَکھ کے	۲۱۸	۴
یہاں	یاں	۲۱۸	۵
انشاءَاللہ	انشاء اللہ	۲۱۹	۱۳
تقاوت	تفاوت	۲۲۸	۱
حاکر	جاکر	۲۳۳	۲
ے اختیار	بے اختیار	۲۳۶	۱۷
انگّا	انگا	۲۴۰	۲۳

غلطنامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
مرصع	مُرَصّع	۲۴۱	۱۰
شقے	شُقّے	۲۴۲	۱۳
ملائمیت	مُلایمت	۲۴۶	۱۳
مُرّکب	مُرَکّب	۲۵۰	۵

فرہنگ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
نوّن غننہ	نون غُنّہ	۱۰	۴
گلَ داؤدی	گُلِ داؤدی	۱۸	۱۸
انار داؤدی	انارِ داؤدی	۱۸	۱۹
رَدوّ بدل	رَدّوبدل	۲۱	۴
رمّق	رَمَق	۲۱	۷
سَردوّال	سَرَدوال	۲۳	۱۲
شاطر	شاطِر	۲۵	۴
صَندلی	صَندَلی	۲۶	۱
مغّرق	مُغَرّق	۳۴	۱۶
نسَقچی	نَسَقچی	۳۶	۱۵
وینچھنا	وِینچھنا	۳۸	۲
ہریسا (ہ)	ہریسہ (ع)	۳۸	٦